تاریخ بنی ہاشم

جلد چہارم

ارتضیٰ بن رضا نواز پوری

أنا ذليلًا في دمشق كأنني
من الزنج عبدٌ غاب عنه نصير
وجدي رسول الله في كل مشهد
وشيخي أمير المؤمنين أمير

(حضرت امام علی زین العابدین)

ترجمہ: میں شہر دمشق میں نہایت ذلت وحقارت سے لایا گیا
گویا میں ایک ایسا ترکی غلام تھا جس کا کوئی مددگار نہ ہو
حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
میرے نانا اور امیر المومنین (علیہ السلام) میرے دادا تھے

تاریخ بنی ہاشم

جلد چہارم

ارتضیٰ بن رضا نواز پوری

مصنف

مکتبۃ الشہباز
15-A، معاون مارکیٹ، کمرشل ایریا، ناظم آباد نمبر ۲، کراچی
فون: 624988

تاریخ بنی ہاشم

جلد چہارم

برائے ایصال ثواب
سید نثار حسین ابن سید رمضان علی
اختر النساء بنت سید علی جان
سیدہ حسنیٰ بنت اخلاق حسین

تحقیق و تصنیف

ارتضیٰ بن رضا نواز پوری

نگرانئ اِمام میں ہو گا یہ نیک کام
اچّھا ہے وقت خواب کی تعبیر کے لئے
محشر میں فاطمہؑ تجھے کر دیں گی سرخرو
اٹھ جنّت البقیع کی تعمیر کے لئے
آصف لکھنوی

JANNATULBAQI PDF
Join us for Pdf Books @ Telegram Link
http://t.me/jannatulbaqii
App:- JANNATUL BAQI on Google Play Store
Please intsall & registered your Condemn

﴿جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں﴾

بار اوّل .... فروری ۲۰۰۲ء

تعداد اشاعت .... ایک ہزار

ناشر .... مکتبۃ الشہباز

طابع .... دلاور زیدی

مطبوعہ .... اوکھائی پرنٹنگ پریس

قیمت .... Rs. 110/-

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو

خاندان بنی ہاشم کے ان شہیدوں

کے نام منسوب کرتا ہوں

جنھوں نے اسلام کی بقاء و سربلندی

کے لئے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے

ارتضیٰ نوازپوری

برائے ایصال ثواب
سید نثار حسین ابن رمضان علی
اختر النساء بنت علی جان
سید علی انصر ابن شبیر حسن
سیدہ حسنیٰ بنت اخلاق حسین

مشمولات

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	سرورق	
۲	انتساب	۳
۳	مشمولات	۴
۴	سخن ہائے گفتنی	
۵	ابتدائیہ	
۶	حسین ابن علیؑ	۱۸
۷	ولادت باسعادت	۱۹
۸	نام ونسب	۲۱
۹	القابات و کنیت	۲۲
۱۰	سید الشہداء	۲۳
۱۱	پرورش و تربیت	۲۶
۱۲	خوف الٰہی	۲۸
۱۳	حسین فرزند رسول	۲۹
۱۴	فضائل و مناقب	۳۱
۱۵	واقعہ کربلا کی پیشگونیاں	۳۴
۱۶	پیشنگوئی کی اہمیت	۳۵
۱۷	کتب آسمانی میں واقعہ کربلا کی پیشنگونیاں	۳۵
۱۸	قرآن مجید میں واقعہ کربلا	۳۷
۱۹	حدیث میں واقعہ کربلا	۳۹
۲۰	تحریک ولی عہدی یزید	۴۲

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۲۱	امیر معاویہ کی کوشش	۴۳
۲۲	امیر معاویہ کے اقدام	۴۵
۲۳	بیعت ولیعہدی	۴۸
۲۴	امیر معاویہ کی مدینہ میں ترغیب	۴۹
۲۵	مکہ میں ولیعہدی کی بیعت	۵۲
۲۶	بیعت کیا ہے؟	۵۳
۲۷	بیعت یزید کی حقیقت	۵۴
۲۸	امیر معاویہ کی وفات	۵۷
۲۹	وصیت نامہ	۵۸
۳۰	مطالبہ بیعت	۵۹
۳۱	ولیعہد کی دعوت بیعت	۶۵
۳۲	بیعت پر اصرار	۶۶
۳۳	انکار بیعت	۶۷
۳۴	مقصد عظیم	۶۸
۳۵	مدینہ سے ہجرت	۶۹
۳۶	مکّہ میں قیام	۷۰
۳۷	دوست احباب کے مشورے	۷۳
۳۸	حضرت مسلم بن عقیل	۷۶
۳۹	کوفہ روانگی	۷۶
۴۰	ابن زیاد کی عیاری	۷۷
۴۱	نامہ بر کی جانثاری	۷۸
۴۲	ہانی کی گرفتاری	۷۸
۴۳	حضرت مسلم کی کوشش	۷۹
۴۴	حق کی راہ کا پہلا شہید	۸۱
۴۵	ہانی کا قتل	۸۱
۴۶	اہل کوفہ میں خوف و ہراس	۸۲
۴۷	پسران حضرت مسلم کی شہادت	۸۳
۴۸	سفرو منازل سفر	۸۵
۴۹	امام کی مکّہ سے روانگی	۸۵
۵۰	منازل سفر	۸۷
۵۱	واقعہ کربلا	۸۸

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۵۲	کربلا	۸۹
۵۳	عمر ابن سعد کا تقرر	۹۰
۵۴	تیسری محرم سے چھٹی محرم تک	۹۱
۵۵	قاضی شریح کا فتویٰ	۹۲
۵۶	ساتویں محرم تا نویں محرم	۹۳
۵۷	ایک شب کی مہلت	۹۵
۵۸	یوم عاشور	۹۷
۵۹	پہلی جنگ مغلوبہ	۱۰۰
۶۰	دوسری جنگ مغلوبہ	۱۰۰
۶۱	تیسری جنگ مغلوبہ	۱۰۲
۶۲	نماز ظہر	۱۰۲
۶۳	بنی ہاشم میدان جہاد میں	۱۰۳
۶۴	شہدائے کربلا کی مجموعی تعداد	۱۰۸
۶۵	کربلا کا آخری مجاہد	۱۰۸
۶۶	شام گریباں	۱۱۰
۶۷	مقصد حسین	۱۱۲
۶۸	مصنوعی رونا	۱۱۷
۶۹	ایک وضاحت	۱۲۴
۷۰	ازواج و اولاد	۱۲۵
۷۱	علی اکبر	۱۲۷
۷۲	علی اصغر	۱۲۹
۷۳	روضہ اقدس	۱۳۰
۷۴	کربلا پر حملہ	۱۳۰
۷۵	حضرت علی بن حسینؑ	۱۳۴
۷۶	ولادت باسعادت	۱۳۴
۷۷	نام و نسب	۱۳۵
۷۸	بی بی شہر بانو	۱۳۶
۷۹	کنیت و لقب	۱۳۹
۸۰	طفولیت	۱۴۰
۸۱	شکل و شباہت	۱۴۲
۸۲	واقعہ کربلا	۱۴۲

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۸۳	علالت	۱۴۲
۸۴	امامت	۱۴۳
۸۵	شہادت حسینؑ کے بعد	۱۴۴
۸۶	اہلبیت کی اسیری	۱۴۴
۸۷	کربلا سے روانگی	۱۴۴
۸۸	کوفہ میں آمد	۱۴۵
۸۹	دربار ابن زیاد	۱۴۶
۹۰	کوفہ سے روانگی	۱۴۸
۹۱	سفر و منازل	۱۴۸
۹۲	دربار یزید	۱۵۳
۹۳	امام زین العابدینؑ کا خطبہ	۱۵۵
۹۴	یزید کی ناکامی	۱۵۷
۹۵	یزید کی پشیمانی	۱۵۸
۹۶	قید سے رہائی	۱۶۱
۹۷	دمشق سے روانگی	۱۶۲
۹۸	کربلا میں دوبارہ ورود	۱۶۲
۹۹	مدینہ میں آمد	۱۶۳
۱۰۰	سیاسی حالات	۱۶۵
۱۰۱	شہادت حسینؑ کے اثرات	۱۶۵
۱۰۲	سیاسی افراتفری	۱۶۶
۱۰۳	واقعہ حرّہ	۱۶۸
۱۰۴	احراق خانہ کعبہ	۱۷۰
۱۰۵	مرگ یزید	۱۷۰
۱۰۶	یزید کے جانشین	۱۷۱
۱۰۷	اقتدار کی کوشش	۱۷۳
۱۰۸	تحریک انتقام خون حسینؑ	۱۷۳
۱۰۹	سلیمان بن صرد خزاعی	۱۷۴
۱۱۰	مختار ثقفی	۱۷۵
۱۱۱	تحریک کی پہلی کامیابی	۱۷۶
۱۱۲	قاتلان حسین کا انجام	۱۷۸
۱۱۳	دیگر والیان حکومت	۱۸۰

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۱۴	فضائل و مناقب	۱۸۳
۱۱۵	عبادت و بندگی	۱۸۳
۱۱۶	علم و اخلاق	۱۸۵
۱۱۷	غرباپروری	۱۸۷
۱۱۸	تعلیمات و ہدایات	۱۸۸
۱۱۹	فضائل امام کا تعرف	۱۸۸
۱۲۰	قصیدہ فرزدق	۱۸۹
۱۲۱	شہادت	۱۹۳
۱۲۲	ازواج و اولاد	۱۹۳
۱۲۳	عبداللہ الباہر	۱۹۴
۱۲۴	عمر اشرف	۱۹۵
۱۲۵	حسین اصغر	۱۹۷
۱۲۶	شجرہ	۲۰۰
۱۲۷	محمد بن علی زین العابدینؑ	۲۰۳
۱۲۸	ولادت باسعادت	۲۰۳
۱۲۹	نام، لقب و کنیت	۲۰۴
۱۳۰	نسب	۲۰۵
۱۳۱	سراپا	۲۰۶
۱۳۲	اخلاق و اطوار	۲۰۶
۱۳۳	تعلیم و تربیت	۲۰۶
۱۳۴	واقعات قبل از امامت	۲۰۸
۱۳۵	اموی حکمران	۲۰۸
۱۳۶	سیاسی حالات	۲۰۸
۱۳۷	معاویہ ثانی	۲۱۱
۱۳۸	اقتدار کی کشمکش	۲۱۲
۱۳۹	مختار کا انتقام	۲۱۳
۱۴۰	اسلامی سکّوں کا آغاز	۲۱۴
۱۴۱	عبدالملک کا کردار	۲۱۵
۱۴۲	امامت	۲۱۷
۱۴۳	واقعات بزمانہ امامت	۲۱۸
۱۴۴	اموی حکمران	۲۱۸

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۴۵	عمر بن عبدالعزیز	۲۱۸
۱۴۶	فدک	۲۱۹
۱۴۷	فدک کی واپسی	۲۲۰
۱۴۸	نصرانی راہب	۲۲۸
۱۴۹	زید بن حسن کی مخاصمت	۲۲۹
۱۵۰	فضائل و مناقب	۲۳۴
۱۵۱	حلم	۲۳۷
۱۵۲	معجزات و کرامات	۲۳۸
۱۵۳	درس و تدریس	۲۴۱
۱۵۴	عقل و جہل	۲۴۱
۱۵۵	قیاس	۲۴۱
۱۵۶	اجل	۲۴۲
۱۵۷	خیر و شر	۲۴۲
۱۵۸	رسول، نبی و امام	۲۴۲
۱۵۹	ارکان اسلام	۲۴۲
۱۶۰	اسلام و ایمان	۲۴۳
۱۶۱	شیعیان اہلبیت	۲۴۳
۱۶۲	ہدایات و ارشادات	۲۴۴
۱۶۳	اصحاب امام	۲۴۶
۱۶۴	جابر بن عبداللہ انصاری	۲۴۶
۱۶۵	ابان بن تغلب	۲۴۷
۱۶۶	ابوجعفر محمد بن حسن رواسی	۲۴۷
۱۶۷	عبداللہ بن میمون القداح	۲۴۷
۱۶۸	زرارہ بن عین	۲۴۷
۱۶۹	محمد بن مسلم ثقفی	۲۴۸
۱۷۰	ابوحمزہ ثمالی	۲۴۸
۱۷۱	جابر بن یزید جعفی	۲۴۸
۱۷۲	اسمعیل بن عبدالرحمٰن السدی	۲۴۸
۱۷۳	ابوالبصیر لیث	۲۴۹
۱۷۴	ابوالبصیر عبداللہ بن محمد الاسدی	۲۴۹
۱۷۵	ابوالبصیر بن حارث تیری	۲۴۹

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۷۶	ابوالبصیر یحییٰ بن اسحاق الاسدی	۲۴۹
۱۷۷	عطیہ بن سعید عوفی	۲۴۹
۱۷۸	عماربن معاویہ دہنی	۲۴۹
۱۷۹	مولفات امام	۲۵۱
۱۸۰	شہادت	۲۵۲
۱۸۱	ازواج واولاد	۲۵۳
۱۸۲	شجرہ	۲۵۴
۱۸۳	حضرت جعفربن محمدؑ	۲۵۷
۱۸۴	ولادت باسعادت	۲۵۷
۱۸۵	نام، لقب و کنیت	۲۵۸
۱۸۶	نسب مبارک	۲۵۸
۱۸۷	ابتدائی پرورش وتربیت	۲۶۰
۱۸۸	سراپا ولباس	۲۶۰
۱۸۹	ولادت سے امامت تک	۲۶۲
۱۹۰	واقعات زمانہ امامت	۲۶۵
۱۹۱	زیدبن علی زین العابدینؑ	۲۷۰
۱۹۲	ولادت باسعادت	۲۷۰
۱۹۳	حسب ونسب	۲۷۰
۱۹۴	تعلیم وتربیت	۲۷۱
۱۹۵	حکمرانوں کا رویہ	۲۷۳
۱۹۶	زیدشہیدؒ کی طلبی	۲۷۳
۱۹۷	زیدشہیدؒ کی کوفہ روانگی	۲۷۵
۱۹۸	اہل کوفہ کی سرگرمیاں	۲۷۶
۱۹۹	زیدشہیدؒ کی بیعت	۲۷۶
۲۰۰	زیدی جہاد	۲۷۷
۲۰۱	لاش کی بے حرمتی	۲۷۹
۲۰۲	حضرت زیدشہیدؒ کا قبہ	۲۸۰
۲۰۳	فضائل ومراتب	۲۸۰
۲۰۴	ازواج و اولاد	۲۸۳
۲۰۵	اولاد حضرت زید شہیدؒ	۲۸۴
۲۰۶	یحییٰ	۲۸۴

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۲۰۷	حسین ذوالدمعہ	۲۸۹
۲۰۸	عیسٰی موتم الاشبال	۲۹۰
۲۰۹	شجرہ	۲۹۶
۲۱۰	محمد	۲۹۹
۲۱۱	امویوں کا زوال اور عباسیوں کا عروج	۳۰۱
۲۱۲	سفیانی حکومت کا خاتمہ	۳۰۱
۲۱۳	مروانی حکومت کا قیام وانجام	۳۰۳
۲۱۴	زوال کے اسباب	۳۰۸
۲۱۵	تحریک بنی ہاشم	۳۱۰
۲۱۶	عباسی تحریک	۳۱۱
۲۱۷	اقتدار کی منتقلی	۳۱۳
۲۱۸	فضائل امام	۳۱۵
۲۱۹	فضائل و مناقب	۳۱۵
۲۲۰	درس وتدریس	۳۱۷
۲۲۱	تالیفات امام	۳۱۷
۲۲۲	ارشادات	۳۱۸
۲۲۳	ایک طبیب ہندی اور امامؑ	۳۲۰
۲۲۴	وفات	۳۲۴
۲۲۵	ازواج و اولاد	۳۲۵
۲۲۶	اسمعیل اعرج	۳۲۵
۲۲۷	شجرہ	۳۲۶
۲۲۸	مخدوم لال شہباز قلندر	۳۳۰
۲۲۹	عبداللہ افطح	۳۳۲
۲۳۰	اسحاق موتمن	۳۳۳
۲۳۱	محمددیباج	۳۳۴
۲۳۲	علی عریضی	۳۳۵

سخن ہائے گفتنی

جناب ڈاکٹر پروفیسر مرزا عسکری حسین صاحب
ایم اے ایل ایل بی۔ پی ایچ ڈی۔

جناب ارتضٰی بن رضا نواز پوری لائق تحسین و آفرین ہیں کہ انہوں نے ''تاریخ بنی ہاشمؑ'' تحریر فرما کر فن تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں نیز اس مقدس خاندان کے متعلق صحیح معلومات کی جستجو کرنے والوں کو ایک بیش بہا ذریعہ عطا فرمایا ہے۔

یہ اس سلسلہ کی چوتھی جلد ہے جس میں مصنف نے از حضرت امام حسین علیہ السلام تا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام انتہائی گراں قدر اور یادگار معلومات کو جمع فرمایا ہے۔ یہ دور انتہائی ظالم و جابر اور دشمنانِ بنی ہاشم کا انتہائی ظالمانہ اور مستبد دور تھا۔ بنی امیہ اور بنی عباس کے حکمرانوں نے اس خاندان کو صفحۂ ہستی سے معدوم کرنے کی سعی لاحاصل کی۔ وضعی احادیث خود ساختہ واقعات اور حکمرانوں کے چشم و ابرو کے اشارے پر مورخین نے تواریخ مرتب کر کے اس خاندان کی عظمت و شوکت کو مسخ کرنے کی کوشش کی مگر انتہائی صبر آزما حالات اور ناقابل برداشت ماحول کے باوجود ان حضرات کا کردار اتنا عظیم اور شخصیات اتنی بے مثال و لازوال تھیں کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود وہ آج

بھی زندہ اور ناقابل تسخیر ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ اتنے طویل عرصے کے طوفان بلاخیز میں مستند حقائق اور روایات و واقعات کو خس و خاشاک کی طرح بہہ جانا چاہیے تھا مگر جناب ارتضٰی زیدی کی مساعی جمیلہ قابل ستائش ہیں کہ انہوں نے مستند روایات، صحیح واقعات اور حقائق کو یکجا کر کے قارئین تاریخ کی صحیح سمت میں رہنمائی کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ان مقدس ہستیوں کو تاریخ نے نہیں بلکہ ان کے بے مثال کردار اور لازوال اسوۂ حسنہ نے تاریخ کو بنایا ہے۔ زیر نظر جلد میں امام حسین علیہ السلام کی عدیم النظیر قربانی، کربلا کے مستند واقعات اور امام علی علیہ السلام ابن الحسین علیہ السلام کے زمانے کے سیاسی حالات اور امام علیہ السلام کا ان کا مقابلہ کر کے دشمن کو اس کے عزائم میں کامیاب نہ ہونے دینا امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام کا درس و تدریس کے ذریعہ علوم محمدؐ و آل محمدؐ کو تشنگان علم و معرفت تک پہنچانا بذات خود ایک جہاد عظیم ہے۔ مگر اپنے تمام فیوض و برکات اور درس و تدریس کے مشعل روشن رکھنے نیز خود کو سیاست ملکی سے علیحدہ رکھنے کے باوجود حکومت وقت ان کو برداشت نہ کر سکی اور ان کو منظر عام سے معدوم کرنے کے لئے زہر دغا کا سہارا لیا گیا۔

اس جلد میں ارتضٰی زیدی نے حضرت لال شہباز قلندر اور دیگر اکابرین و مشاہیر کا تفصیلی ذکر کر کے قارئین کی معلومات میں قابل قدر اضافہ فرمایا ہے۔ غرض یہ کہ یہ تاریخ میری نظر میں ہر زاویۂ نگاہ سے مکمل، مستند اور مفید معلومات کا گراں بہا خزینہ ہے جس کا مطالعہ بنی ہاشم کے سیرت و کردار کو سمجھنے اور اس سے

استفادہ کرنے میں بڑا ممد ومعاون ثابت ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جناب ارتضٰی زیدی کی اس کاوش وکوشش نے انہیں ایک لازوال مورّخ اور بے مثال صاحب قلم کا درجہ عطا کیا ہے۔ انتہائی عرق ریزی اور محنت شاقہ سے آپ نے ناقابلِ تردید مواد اور بہترین حوالہ جات فراہم کر کے اس کتاب کو ایک مربوط اور مسلسل دستاویز بنا دیا ہے۔ جو تمام عقائد، افکار اور نظریات کے حامل افراد کو بنی ہاشم کی لازوال، لائق تقلید، متبرک اور مقدس شخصیات کو سمجھنے اور ان کی علمی عظمت، اعلیٰ ترین کردار، بے پناہ صبر وایثار اور ان کے افکار و پیغام سے بہرہ ور ہونے کا زرین موقع فراہم کیا ہے۔

میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور محمدؐ و آل محمد علیہم السلام جناب ارتضٰی زیدی کی ان مساعیٔ جمیلہ کو شرف قبولیت عطا فرمائیں اور ان کے علم وفضل میں مزید اضافہ فرمائیں۔

مرزا عسکری حسین

ابتدائیہ

سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ یہ اللہ رب کریم کا کرم ہے کہ اس نے اس فقیر کو "تاریخ بنی ہاشم" تدوین کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

میں جتنا بھی اپنے معبود کا شکر ادا کروں وہ کم ہے کیوں کہ اسی کی عنایتوں سے "تاریخ بنی ہاشم" کی یہ چوتھی جلد منظر عام پر آئی۔ قبیلہ بنی ہاشم عرب کا وہ قبیلہ ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبوت وامامت اور ولایت وہدایت سے سرفراز فرمایا۔ اس قبیلے کے افراد کو قبل از اسلام اور زمانہ اسلام کے افضل ترین فرد تھے اسی طرح جناب عبدالمطلب اور ان کے فرزند ابوطالب اپنے اپنے زمانہ فضیلت مآب افراد تھے۔ اسی خاندان کے فرد محمدؐ بن عبداللہ کو افضل ترین فرد قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرمائی۔ خداوند عالم نے افضل و مفضول کا یہ سلسلہ صرف انسانوں تک محدود نہیں رکھا بلکہ انبیاء ومرسلین میں بھی اس سلسلہ کو جاری وساری رکھا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے صرف پانچ نبیوں کو منتخب کر کے انبیاء اولو العزم ٹھہرایا۔ اور ان پانچ اولوالعزم نبیوں میں سے رحمت اللعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو افضل ترین قرار دیا۔ اور نبوت ورسالت کو آپ پر ختم فرمایا جس کے بعد ولایت وامامت کا

سلسلہ شروع فرمایا اور اسی خاندان کے یکہ بعد دیگرے بارہ امام تفویض فرمائے اور ہر امام کو اپنے اپنے زمانے کا افضل ترین فرد قرار دیا۔

زیرِ نظر کتاب "تاریخ بنی ہاشم" جلد چہارم میں انہی آئمہ اثناء عشر میں سے چار آئمہ فضیلت مآب یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام، حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ کے چیدہ چیدہ سیاسی واقعات، تاریخی حقائق اور تعلیمی وتبلیغی خدمات کا مختصراً ذکر کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ قارئین کرام پسند فرمائیں گے۔

میں جناب ڈاکٹر پروفیسر مرزا عسکری حسین صاحب کا بے حد مشکور ہوں کہ آپ "تاریخ بنی ہاشم" کی پہلی جلد سے مسلسل کتابت کا مطالعہ فرما کر اپنے تاثرات تحریر فرما رہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو صحت وتندرستی عطا فرمائے۔ (آمین)

ارتضٰی بن رضا نوازپوری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ

یہی وہ لوگ ہیں جن کے نیک عمل ہم قبول فرمائیں گے اور بہشت (کے جانے) والوں میں (ان کے

فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ⑯

گناہوں سے درگزر کریں گے۔ (یہ وہ) سچا وعدہ ہے جو ان سے کیا جاتا تھا۔

(القرآن ۴۶/۱۶)

باب چہارم

حضرت دائم علیہ السلام
تا
حضرت کاظم علیہ السلام

حسینؑ ابن علیؑ
(سید الشہداء)

سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ درود وسلام ہوں اللہ کے اس نبیؐ پر جس نے انسان کو شرک و بت پرستی کے گھٹاٹوپ اندھیروں سے نکال کر وحدانیت والٰہیت کے نور سے منور فرمایا اور صلوٰۃ وسلام ہوں ان اہلبیت رسولؐ پر جنہوں نے دین مبین کی بقاء وسر بلندی کیلئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ اللہ وہی تو ہے جس نے کائنات کو خلق فرمایا' زمین وآسمان کو قائم کیا' دریا اور پہاڑ بنائے' نباتات وحیوانات کو پیدا کیا' حضرت آدمؑ کے ذریعہ نسل انسانی کو دنیا میں پھیلایا اور بنی نوانسان کی ہدایت و رہنمائی کیلئے انبیاء ومرسلین کو مبعوث فرمایا۔ اللہ ہی نے انسان کو قوموں' قبیلوں' برادریوں اور خاندانوں میں تقسیم کیا تاکہ وہ پہچانے جائیں۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ ہی نے ایک قوم کو دوسری قوموں پر' ایک قبیلے کو دوسرے قبیلوں پر' ایک خاندان کو دوسرے خاندانوں پر اور ایک فرد کو دوسرے افراد پر فوقیت وفضیلت عطا فرمائی۔ اللہ ہی نے اقوام عالم میں قوم عرب کو چنا' عربوں کے قبائل میں قبیلہ قریش کو فوقیت بخشی' قبیلہ قریش کے خاندان میں خاندانِ بنی ہاشم کو فضیلت عطا فرمائی اور خاندانِ بنی ہاشم کے افراد میں جناب عبدالمطلب کے پوتے' جناب ابوطالب کے بھتیجے اور جناب عبداللہ وآمنہ کے لخت جگر حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو افضل ترین فرد قرار دیا۔ اللہ ہی نے اپنے پیارے رسول کے نسلی سلسلے کو جاری رکھنے کیلئے آپ کی دختر حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور آپؐ کے چچازاد بھائی

حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے فرزندان حضرت حسنؑ اور حسینؑ کو آپ کی اولاد قرار دیا اور ان دونوں کے ذریعہ نسل رسول کو گوشہائے عالم میں پھیلایا۔

خداوند تعالیٰ کا شکر ہے کہ مداح ہوں اس شاہ ذیشاں کا جس نے ارضِ کربلا کو جنت رضواں بنادیا، نینوا کی بادسموم کو باد بہاراں بنادیا، بنجر زمین کو رشک گلستاں بنادیا، احتساب کو اسلام کو عنواں بنادیا، ذروں کو مہر درخشاں بنادیا، اک شیر خوار کو رستم دوراں بنادیا، ذبح عظیم کو جزِ قرآں بنادیا اور ایک سنگدل کو زود پشیماں بنادیا۔

سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کے واقعات کتب سیرۃ وحدیث وتاریخ میں اس تکرار وتفصیل سے مرقوم ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا دشوار ہے لہٰذا ہم اپنی کتاب کے صفحات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے منتخب واقعات ہی پر روشنی ڈال سکیں گے۔ ویسے بھی ذرہ آفتاب عالمتاب کی درخشانیوں کا احاطہ نہیں کرسکتا۔

ولادت باسعادت: خاندانِ بنی ہاشم کیلئے ہجرت کے چوتھے سال کے ماہ شعبان کی تیسری تاریخ نہایت مبارک ومتبرک ثابت ہوئی کیونکہ یہی وہ ساعتِ سعد تھی جب گلستان محمدؐ میں ایک اور گل خوش جمال وخوش خصال نمودار ہوا۔ اس گل بیمثال کی خوشبو سے علیؑ وفاطمہؑ کا بیت الشرف معطر ہوگیا اور اس کی مہک سے مدینۃ الرسول کے گلی کوچوں کی فضا مشکبار ہوگئی۔ خاندان بنی ہاشم کیساتھ ساتھ اہل مدینہ میں بھی مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ یہ چمنستان زہراؑ کا دوسرا اور گلدستہ پنجتن کا پانچواں پھول ہے جسکی منقبت میں شعراء حضرات نے مدح خوانی کی اور کہے۔ یہاں ہم زائر زیدی کی منقبت کے چند اشعار تحریر کررہے ہیں۔

گلشن مہک رہا ہے فضا مشکبار ہے ۔۔۔ آنے کو کوئی یوسفِ جانِ بہار ہے
ہر پیڑ جھومتا ہے بہ انداز بادہ نوش ۔۔۔ ہر شاخ گل کی مانگ میں سولہ سنگار ہے
ہیں خیر مقدمی میں وہ آگئے جو پیچھے تھے ۔۔۔ بنتے ہیں پھول آمدِ فصلِ بہار ہے
فیضِ حسینؑ میں ہے نموع کا جھمگھٹا ۔۔۔ قرآن جیسے ایک۔ اثر بے شمار ہے
نانا کا ورثہ دار ہے۔ بابا کا جانشین ۔۔۔ گل بزم میں تو رزم میں اِک ذوالفقار ہے

حضرت امام حسینؑ کی تاریخ ولادت کی بابت شیخ محمد عباس قمی تحریر فرماتے ہیں کہ:

"مشہور آنست کہ ولادت آں حضرت در مدینہ در سوم ماہ شعبان بودہ' وشیخ طوسیؒ روایت کردہ کہ بیرون آمد توقیع شریف بسوی قاسم بن علاءِ ہمدانی وکیل امام حسن عسکری علیہ السلام کہ مولای ما حضرت امام حسینؑ درروز پنجشنبہ سوم ماہ شعبان متولد شدہ پس آنروز راروزہ بیدارواین دعا را بخوان: اللھم انی اسئلک بحق المولود فی ھذالیوم۔" (منتھی الامال ص:٣٣٢ ج:١)

یعنی: مشہور ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی ولادت مدینہ میں ٣ر شعبان کو ہوئی۔ شیخ طوسی علیہ رحمہ نے حضرت امام حسن عسکریؑ کے وکیل جناب قاسم بن علاء ہمدانی سے روایت کی ہے کہ میرے مولا حضرت امام حسینؑ بروز جمعرات بتاریخ ٣ر شعبان پیدا ہوئے۔ پس اس روز روزہ رکھیں اور یہ دعا پڑھیں۔ اللھم انی اسئلک بحق المولود فی ھذ الیوم. الخ

مورخین نے روایت بیان کی ہے کہ ام الفضل بنت حارث نے خواب دیکھا کہ رسول اللہؐ کے جسم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر ان کی آغوش میں رکھا گیا۔ اس خواب سے وہ بہت گھبرائیں اور آنحضرتؐ کی خدمت حاضر ہوکر خواب بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا یہ نہایت عمدہ خواب ہے۔ عنقریب میری بیٹی فاطمہؑ کے ایک بچہ پیدا ہوگا جو تمہاری آغوش میں پرورش پائے گا۔ کچھ ہی عرصہ بعد خصوصی مدت حمل صرف چھ ماہ گذار کر حضرت امام حسینؑ بتاریخ ٣ر شعبان ٤ھ مقام مدینہ میں بطن مادر سے آغوش مادر میں آگئے۔ [١]

علامہ سبط ابن جوزی تحریر کرتے ہیں کہ آپ کی ولادت چھ ماہ میں ہوئی اور یہ خصوصیت وفضیلت صرف تین ہستیوں کو حاصل ہے ایک حضرت یحییٰ بن زکریا دوسرے حضرت عیسیٰ بن مریم اور تیسرے حسین ابن علیؑ۔ [٢]

[١] شواہد النبوۃ ص:١٣٠ انوار الحسینیہ ص:٣٣ ج:٣' [٢] تذکرۃ الخواص ص:٢٨٣

نام ونسب: جناب رسالتمآب کو جوں ہی ولادت نومولود کی خبر ملی آپ بیت الشرف علیؑ وفاطمہؑ پر تشریف لائے اور فرمایا "میرے بیٹے کو لاؤ" صفیہ نے باغ ارم کے اس پھول اور جگر گوشہ علی وبتول کو آغوش رسول میں دیا۔ حضرت ختمی مرتبت نے نومولود کو بوسہ دیا اور آپکے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور بحکم خدا جناب رسول خدا نے اپنے نور نظر کا نام حسین رکھا۔ ولادت کے ساتویں روز عقیقہ کی رسم ادا فرمائی۔ [١]

جناب شیخ صدوق علیہ رحمہ نے اپنی کتاب "علل الشرائع وامالی" میں حضرت علی زین العابدینؑ کا ایک ارشاد نقل فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب آپ کے پدر بزرگوار تولد ہوئے تو جبرائیل امین نازل ہوئے اور بعد درود وسلام خداوند عالم کا یہ پیغام پہنچایا کہ جناب ہارون کے دوسرے بیٹے کے نام پر آپ اپنے فرزند ثانی کا نام "شبیر" رکھیں جو عربی میں "حسین" کے ہم معنی ہے لہٰذا رسول خداؐ نے بحکم خدا نومولود کا نام حسین رکھا۔

اسی امر کی بابت شیخ محمد عباس قمی نے شیخ طوسی علیہ رحمہ ودیگر علماء سے بسند معتبر حضرت امام رضا علیہ السلام کی یہ روایت نقل کی ہے۔

"چوں حضرت امام حسینؑ متولد شد حضرت رسولؐ اسماء بنت عمیس را فرمود کہ بیاور فرزند مرا ای اسماء' اسماء گفت آں حضرت را در جامہ سفیدی پیچیدہ بخدمت حضرت رسالتؐ بردم حضرت اورا گرفت ودر دامن گذاشت ودر گوش راست اواذاں ودر گوش چپش اقامت گفت پس جبرئیل نازل شد وگفت حق تعالیٰ ترا سلام میرساند ومیفرماید کہ چوں علی نسبت بتو بہ منزلہ ھرون است نسبت بہ موسیٰ پس اورا باسم پسر کوچک ھرون نام کن کہ شبیر است وچوں لغت تو عربی است اورا حسین نام کن۔" (منتھی الامال ص:٣٣٢ ج:١)

[١] نورالابصار ص:١١٣' روضۃ الشہداء ص:٢٣٦ وغیرہ

''عمران بن سلمان سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ'' حسن وحسین دو نام ہیں اہل جنت کے ناموں میں سے عرب نے جاہلیت میں یہ نام کبھی نہیں رکھے۔[۱]'' رسالت مآب کا ارشاد ہے کہ'' میں نے حسن وحسین اللہ کے حکم سے نام رکھے۔''[۲] مفضل کہتے ہیں کہ'' اللہ تعالیٰ نے حسن اور حسین ناموں کو پوشیدہ رکھا جب تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بیٹوں کے یہ نام رکھے۔''[۳]

عبیداللہ امرتسری نے نزل الابرار میں علامہ بدخشی کی تحریر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

> '' جناب امام حسین علیہ السلام تولد ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سیدھے کان میں اذان اور الٹے کان میں اقامت کہی اور ساتویں روز ختنہ کیا اور ایک مینڈھا عقیقہ کیا یا دو مینڈھے ذبح کئے۔ جناب فاطمہؑ سے فرمایا اس کے بالوں کو وزن کر کے اس کے برابر چاندی خیرات کرو اور دائی کو عقیقہ کے پائے دو۔''
> (ارجح المطالب ص:۳۵۳' مطالب السئول ص:۲۲۱)

حضرت امام حسینؑ بنی ہاشم کے شجر طیبہ کے ایسے پھول ہیں جن کا نسب کائنات میں یکتا ہے۔ دنیا کے پردے پر آپ کے جیسا اعلیٰ نسب مل ہی نہیں سکتا۔ آپ کے نانا رسول خداؐ نانی خدیجۃ الکبریٰؑ' بابا علی مرتضیٰؑ' ماں فاطمہ زہراؑ' بھائی حسن مجتبیٰؑ' بہنیں زینب کبریٰ وصغریٰ' ماموں ابراہیم ابن رسول اللہؐ چچا جعفر طیار' پھوپی ام ہانی ہیں کیا کہنے اس نجیب الطرفین نسب مبارک کے۔ عالم اسلام میں ہے کوئی ایسا جو مادری پدری ہر دو طرف سے اس جیسا نجیب وشریف نسب پیش کر سکے۔

القاب وکنیت: حضرت حسین بن علیؑ کی واحد کنیت ابوعبداللہ تھی۔ آپ کے القاب بہت سے ہیں آپ کا مشہور ترین لقب سید الشہداء ہے۔ جناب وزیر علی خان صاحب نے تاریخ آئمہ میں آپ کے ایک سو پانچ القاب تحریر کئے

[۱] ارجح المطالب ص: ۳۷۹' [۲] کنز الحقائق ص: ۳۶' [۳] تاریخ الخلفاء ص: ۲۱۷

ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔ سیدٔ سبطٔ ذکیٔ رشیدٔ وفیٔ طیبٔ مطہرٔ فصیح بلیغٔ سخیٔ مبارکٔ حبیبٔ ناطقٔ عابد وغیرہ۔

> '' علامہ محمد بن طلحہ شافعی کا بیان ہے کہ سبط اور رشید خود رسول کریم کے معین کردہ القاب ہیں۔'' (مطالب السئول ص:۳۲۱)

سید الشہداء: حضرت امام حسین علیہ السلام کا مشہور ترین لقب سید الشہداء ہے جو ہر مکتبہ فکر کے مسلمانوں میں مقبول ومعروف ہے لیکن مسلمانوں ہی کے ایک مخصوص گروہ کو یہ پریشانی لاحق ہے کہ'' سید الشہداء کا لقب سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کیلئے مخصوص ہے پھر حضرت حسین کے نام کیساتھ اسے کیوں لکھا جاتا ہے۔'' اس قسم کی سوچ سے نہ صرف ذریت رسول کی بدخواہی کا اظہار ہوتا ہے بلکہ یہ تعصب وتنگ نظری کی معراج بھی ہے۔ درآنحالیکہ اہلسنت اور اہل تشیع کے اکابرین وعلمائے دین امام عالی مقام کے نام کیساتھ آپ کے مشہور ترین لقب'' سید الشہداء'' کا استعمال کرتے آئے ہیں اور اپنی تحریر وتقریر میں اس لقب کو برملا لکھتے اور بولتے چلے آرہے ہیں۔ ہم بھی حدیث کی روشنی میں اور علمائے دین کی تقلید میں اس عمل کو جاری رکھے ہوئے ہیں خواہ متعصبین ومخالفین خاندان رسول کو کتنا ہی ناگوار گذرے۔ بدخواہانِ ذریتِ رسول کی بدگمانی کو دور کرنے کی ایک کوشش کے طور پر ہم ذیل میں چند اقتباسات اکابر علمائے اہلسنت والجماعت کے پیش کر رہے ہیں۔

جناب خاتم المحدثین شاہ عبدالعزیز دہلوی علیہ رحمہ نے اپنی مشہور تصنیف'' سر الشہادتین'' میں تحریر فرمایا ہے کہ:

> ترجمہ:'' پس جس طرح یہ شہادت جلی میدان کربلا میں واقع ہوئی وہ اپنی نوعیت میں عدیم النظیر تسلیم کی گئی اور اسی لئے اکابر امت حسین کو سید الشہداء کہتے اور لکھتے چلے آرہے ہیں۔''

جناب شاہ صاحب ممدوح نے اپنی کتاب'' تحفہ اثنا عشریہ'' میں بھی متعدد مقامات پر حضرت امام حسین کو سید الشہداء لکھا ہے۔ مثلاً:

> '' وقصہ دعوت ایشان آنست کہ چوں حضرت امام حسین سید الشہداء از دست اشقیائے شام وعراق شہادت یافت''۔۔ الخ
> (تحفہ اثنا عشریہ ص:۵۲)

جناب مولانا حیدر علی صاحب نے بھی جابجا سید الشہداء تحریر فرمایا ہے۔ مثلاً

> '' ثابت کند کہ از اہل حل وعقد قبل از خروج حضرت سید الشہداء (حسینؑ) کدام کدام در بیعت آں شقی الانام (یزید) درآمدہ بودند تا کلام دراں کردہ شود'' (ازالۃ الغین ص:۲۰۴ ج:۱)

اسی کتاب میں دوسری جگہ مرقوم ہے کہ:

> '' وجناب سید الشہداء اوقت محاربہ ومجاہدہ فی سبیل اللہ اند خواستہ نودند کہ ان کافر فاجر (یزید) را تسلطے بر اہل اسلام حاصل نہ شود کہ در تسلط او فساد عظیم منطوی بود۔'' (ازالۃ الغین ص:۱۷ ج:۱)

جناب مولانا قاسم نانوتوی صاحب بانی دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں کہ:

> '' مگر انجام کار بوجہ نقض عہد کوفیان تدبیر حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ برنشانہ نہ نشست و روز عاشورہ قیامت قبل از قیامت در میدانِ کربلا برخاست۔''
> (قاسم علوم نمبر ۴ ص: ۱۳ منقول از مکتوبات شیخ الاسلام حصہ اول)

الغرض حضرت حمزہ بن عبدالمطلب جو حضرت امام حسینؑ کے دادا اور سید الشہداء مشہور تھے انہی کیساتھ ساتھ حضرت حسین ابن علیؑ کا لقب سید الشہداء اتنا معروف ومقبول ہے کہ مزید کسی تفصیل وتشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تاریخ میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ایک لقب دو یا دو سے زیادہ افراد کیلئے استعمال ہوا ہے اور جسے جائز سمجھا گیا ہے۔ مثال کے طور پر صدیق ہی کے لقب کو لے لیجئے عام طور پر یہ لقب حضرت ابوبکرؓ کے نام کے ساتھ اہلسنت میں بکثرت لکھا اور بولا

جاتا ہے مگر یہی لقب'' صدیق'' حضرت علیؑ کے لئے بھی اہلسنت والجماعت میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ شاہ عبدالحق دہلوی نے تحریر فرمایا ہے کہ۔

> '' پس تسمیہ کرد بہ علی وتسمیہ کردہ است اورا پیغمبر بہ صدیق۔ کذا فی ریاض النضرۃ'' (مدارج النبوۃ ص:۵۳۱ ج:۲)

جناب شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

> '' ودر احادیث صحیحہ کنیت ایشاں باابوتراب وابوالریحانتین وتلقیب ایشاں بذوی القرنین وصدیق وفاروق وسابق ویعسوب الامت ویعسوب المومنین ویعسوب القریش وبیضتا البلد۔۔۔۔''
> (فتاویٰ عزیزیہ ص:۸۰ ج:۲)

نیز یہ حدیث بھی ملاحظہ ہو جو متعدد مستند کتب احادیث میں مرقوم ہے:

> '' الصدیقون ثلاثہ حزقیل مومن آل فرعون وحبیب النجار صاحب ال یٰسین وعلی ابن ابی طالب۔''
> (صواعق محرقہ ص:۲۱۳' کنز العمال ص:۱۵۲ ج:۶' جامع صغیر ص:۳۲' ریاض النضرہ ص:۱۵۳ ج:۲)

ابن تیمیہ نے خود حضرت علی کا ارشاد کہ'' میں صدیق اکبر ہوں'' کو اسطرح نقل کیا ہے:

> '' عن معاذبن عبداللہ قالت سمعت علی ابن ابی طالب علیٰ منبر رسول اللہ صلعم یقول انا الصدیق الاکبر امنت ان یومن ابوبکر و اسلمت قبل ان یسلم ابوبکر۔''(المعارف مطبوعہ مصر ص: ۵۶' ریاض النضرہ ص: ۱۵۲ ج: ۲' انتخاب از کنز العمال ص: ۳۰)

علامہ ذہبی نے بھی جناب علی مرتضیٰ کا قول نقل فرمایا ہے کہ:

> '' انا عبداللہ واخو رسول اللہ وانا الصدیق الاکبر ماقالہا قبلی ولا یقولہا بعدی الا کاذب مفتر ولقد اسمت وصلیت قبل الناس بسبع سنین۔'' (میزان الاعتدال ص: ۱۱ ج: ۲)

جبکہ حضرت ابوبکرؓ کے لقب صدیق سے ملقب ہونیکی بابت متعدد روایات کتب اہلسنت میں موجود ہیں مثلاً شاہ عبدالحق دہلوی علیہ رحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"واتفاق کردہ اندامت براسمیت صدیق از جہت مباورت اوبہ تصدیق رسول۔" (مدارج النبوۃ ص: ۵۳۰ ج: ۲)

اسی طرح متعدد کتب کے اندراجات سے حضرت ابوبکرؓ کے لقب صدیق اکبر کی تصدیق وتائید ہوتی ہے۔ پس مندرجہ بالا تصریحات سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ ایک ہی لقب کا استعمال ایک سے زیادہ اشخاص کیلئے کیا جاتا رہا ہے اور اسے جائز تسلیم کیا گیا۔ اب اگر لوگ حضرت حمزہ کو سید الشہداء کہیں تو "چشم ماروشن" اور اگر انکے پوتے حسینؑ کو سید الشہداء کہیں تو "دل ماشاد" کسی کو کیوں تکلیف ہو؟

پرورش وتربیت: صلب معصوم سے رحم معصومہ میں متنقر ہونے والا یہ معصوم بعد ولادت رسالتمآب کی آغوش عصمت میں دیا گیا۔ اللہ کے رسول نے نومولود کا بوسہ لیا' پیار کیا اور اپنی زبان چسوائی اس طرح رسالتمآب کا لعاب دہن نومولود کی ابتدائی غذا ہوئی اور آغوش رسول پہلا گہوارہ بنا۔ اسی آغوش عصمت وطہارت میں آپؑ کی ابتدائی پرورش وتربیت ہوئی۔ آغوش رسالتمآبؐ جو اسلام کی تربیت کا گہوارہ تھی وہی آغوش حسنؑ وحسینؑ کی بھی تربیت گاہ تھی لہٰذا حسنین علیہم السلام اور اسلام نے ایک ہی گہوارے میں تربیت پائی۔ کیا کہنے اس نورانی ماحول کے جس میں حسینؑ نے ابتدائی پرورش وتربیت پائی۔ ایک طرف اللہ کے رسولؐ جن کی زندگی کا مقصد ہی اخلاق انسانی کی تکمیل' دوسری طرف اللہ کے ولی حضرت علیؑ جو اپنے عمل سے مرضی الٰہی کے خریدار بن چکے تھے۔ اور تیسری طرف رسول اللہ کی اکلوتی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا جو طبقہ خواتین میں پیغمبر اکرم کی رسالت کو عملی طور پر پہنچانے کیلئے پیدا ہوئی تھی۔

حضرت امام حسینؑ کی پرورش کا پہلا دور آپؑ کی ولادت ۴ھ سے

جناب رسالتمآبؐ کی وفات ۱۱ھ تک کا ہے۔ آپ کی زندگی کا یہی وہ ابتدائی ساڑھے چھ سالہ دور تھا جس میں آپ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر سایہ پرورش وتربیت پائی اور پیغمبر اسلامؐ نے بہ حُسن وکمال آپؑ کی تربیت فرمائی یہانتک کہ اس نومولود کو اپنے تمام اوصاف وکمالات کا عکس بنادیا۔ حضرت امام حسینؑ کے لامحدود فضائل وکمالات آغوشِ عصمتِ رسولؐ کی ابتدائی پرورش وتربیت ہی کا فیض ہیں۔

آپکی تربیت کا دوسرا دور وفات رسول ۱۱ھ سے شہادت علیؑ ۴۰ھ تک کا ہے۔ باب مدینۃ العلم نے آپ کی تعلیم وتربیت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اسی دور میں آپ طفلی کی منزل سے گذر کر عالم شباب میں داخل ہوئے۔ اس تیس سالہ دور میں آپ اپنے پدر بزرگوار کے زیر سایہ تبلیغ دین واشاعت اسلام میں مصروف رہے۔ اسی دور میں آپ نے دنیا کے نشیب وفراز کو دیکھا۔ مسلمانوں میں ہونے والے تغیر وتبدل کا مشاہدہ کیا اور جنگ جمل' صفین ونہروان میں شریک رہے۔ حتیٰ کہ ماہ رمضان المبارک میں اپنے روزہ دار وعبادت گذار پدر بزرگوار کی شہادت کا منظر بھی دیکھا اور صبر واستقلال کا مظاہرہ فرمایا۔

حضرت علی مرتضیٰؑ کی شہادت سے حضرت حسن مجتبیٰؑ کی شہادت ۵۰ھ تک کا تیسرا دور آپ کے برادر بزرگ حضرت امام حسنؑ کی زیر سرپرستی گذرا۔ حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد حضرت حسن بن علیؑ ص من اللہ امام ہوئے۔ آپ کو ظاہری خلافت بھی ملی مگر امیر شام کی ریشہ دوانیوں کے باعث آپ نے اسے خیر باد کہدیا۔ حضرت حسین ابن علیؑ کا یہ دس سالہ دور انتہائی صبر آزما تھا۔ اس دور میں آپ نے امیر شام کی سودہ بازی' شامیوں کی چالبازی' کوفیوں کی بدنظمی وبدعہدی اور خوارج بصرہ کی دیدہ دلیری کا مشاہدہ فرمایا۔ آپ نے صلح حسن کے معاہدہ کا بھی مطالعہ کیا اور صلح کے بعد مسجد کوفہ کے منبر سے ہونے والے اس

سب وشتم کو بھی سماعت کیا جو امیر شام کے حکم سے دن میں پانچ وقت ہوا کرتا تھا۔ پھر بھی آپ نہایت صبر واستقلال سے اپنے بھائی کے سائیہ امامت میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تبلیغ' احکامات الٰہی کی حفاظت اور ترویج دین کے فرائض انجام دیتے رہتے تھے۔ صفر ۵۰ھ میں حضرت امام حسنؑ بھی شاہی کی سازشوں کا شکار ہو کر شہید ہوئے تو منجانب رب ذوالجلال حضرت حسین ابن علیؑ کو منصب امامت تفویض ہوا۔

خوفِ الٰہی: حضرت امام حسینؑ کی سوانح عمری کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ خاندانی اور نسبی شرافت ونجابت' فضائل ومناقب' مراتب وعظمت کے علاوہ بچپن سے لیکر وقت شہادت تک آپ کا اخلاق وکردار "ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین" کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ آپکی زندگی میں کوئی ایک عمل بھی ایسا نہیں ملتا جس میں خوف الٰہی کا پہلو نمایاں نہ ہو۔

آپ کی عمر ابھی سات سال ہی کی تھی کہ شفیق ومہربان نانا اور دلداری کرنیوالی مادر گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپ نے پچیس سال تک اپنے پدر بزرگوار کی خانہ نشینی کا دور اور اس میں پیش آنے والے مصائب وآلام کا مشاہدہ کیا اور اپنے والد ماجد کی سیرت کا مطالعہ کیا۔ پھر جب آپکے والد ماجد کی ظاہری خلافت کا زمانہ آیا تو اس دور میں ہونیوالی جنگوں میں اپنے پدر بزرگوار کے ہمراہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔ والد ماجد کی شہادت کے بعد ایک باوفا واطاعت شعار بھائی کی حیثیت سے اپنے بڑے بھائی کا ساتھ دیا۔ امیر شام نے صلح حسنؑ کے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور حضرت امام حسنؑ کو زہر دلوا کر شہید کر دیا۔ شہادت حسنؑ کے بعد حضرت امام حسینؑ منصب امامت پر فائز ہوئے اور آپ نے خاموشی وگوشہ نشینی میں دس سال گذار دیئے۔ آپ کی عبادت الٰہی کا یہ عالم تھا کہ جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا اور جسم مبارک میں لرزہ

طاری ہوتا۔ جب کوئی اس کیفیت کی وجہ دریافت کرتا تو آپ فرماتے "لایامن یوم القیامۃ الا من خاف اللہ فی الدنیا" یعنی قیامت کے دن بس وہی امن میں ہوگا جو دنیا میں خوف الٰہی رکھتا ہوگا۔ عبادت وبندگی کا یہ ذوق وشوق کیوں نہ ہو آپکی تربیت ہی ایسے ماحول میں ہوئی تھی۔ آپکے نانا رسول اللہؐ جنکے شب وروز عبادت' اٹھنا بیٹھنا عبادت' بابا کی عبادت کا یہ عالم کہ پیغمبر اسلام کو انکے حق میں یہ کہنا پڑا "النظر الیٰ وجہ علیٍ عبادۃ" یعنی علی کا چہرہ دیکھنا عبادت ہے اور ماں وہ جو ہمہ وقت محراب عبادت میں مشغول رہے۔ ایسے میں حضرت امام حسینؑ کا شوق عبادت جتنا بھی ہو کم ہے۔

حضرت امام حسینؑ کی معراج نماز کی آخری منزل وہ تھی جب یوم عاشورہ وقت عصر زخموں سے چور گھوڑے کی پشت سے فرش زمین پر تشریف لائے۔ کوئی مونس ومددگار باقی نہیں رہا۔ بھوک وپیاس کی شدت' فوج یزید گھیرے ہوئے آمادۂ قتل ہے۔ پانی میسر نہیں۔ تپتی ہوئی زمین پر زخمی ہاتھوں سے تیمم فرمایا' نماز میں مشغول ہوئے۔ سر نیاز بارگاہ خالق میں جھکا ابھی سجدہ سے اٹھنے نہ پایا تھا کہ شمر لعین نے سر تن سے جدا کر دیا۔

حضرت امام عالی مقام نے رہتی دنیا تک فلسفہ شہادت یعنی قربانی کے ساتھ فلسفہ عبادت یعنی نماز کا درس دیکر یہ ثابت کر دیا کہ "ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین" یعنی میری نماز وقربانی' میرا جینا ومرنا سب اللہ ہی کیلئے ہے جو تمام عالم کا پالنے والا ہے۔ حضرت امام حسینؑ نے میدان کربلا میں' نرغہ اعداء میں' تین دن کی بھوک وپیاس میں' بچوں کی صدائے العطش میں' مخدرات عصمت کے گریہ وبکا میں' عالم بے یارومددگاری میں الغرض ہر آن اور ہر قدم پر اپنی زبان مبارک سے یہی کلمات ادا کئے رضاً بقضائہ وتسلیماً لامرہ۔

حسینؑ فرزندِ رسول: جناب رسالتمآبؐ کے صلب سے پیدا ہونے والے فرزندان طفلی ہی میں فوت ہوئے اور چونکہ آپ کی اولاد ذکور میں سے کوئی باقی نہ رہا تھا لہٰذا کفار مکہ آپ کو مقطوع النسل ہونے کا طعنہ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ

ہمارے بتوں کی ملامت کرنیکی سزا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اپنے رسول کی تسلی و تشفی کیلئے ارشاد فرمایا:

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ○ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ ○ اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ ○ (سورۃ الکوثر)

ترجمہ: اے رسول ہم نے تمہیں کوثر عطا کیا پس تم اپنے رب کی نماز پڑھا کرو اور قربانی کیا کرو تمہارا دشمن ہی مقطوع النسل ہے۔

اس سورہ میں لفظ کوثر سے بعض مفسرین نے حوض کوثر مراد لیا ہے لیکن شانِ نزول کو اس سے کوئی ربط نہیں۔ جبکہ بعض مفسرین نے اس سے کثرتِ اولاد مراد لی ہے جو آیت سے مطابقت رکھتی ہے۔ جناب رسول خداؐ کی اولاد کا سلسلہ آپ کی بیٹی حضرت فاطمہ زہراؑ سے چلا۔ سیرت نگاروں اور تاریخ نویسوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جناب حسن اور حسین علیہم السلام فرزندان رسول ہیں۔ خدا نے رہتی دنیا تک انہی کو اولادِ رسول قرار دیا ہے جیسا کہ آیۂ مباہلہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَکُمْ یعنی (اے رسول) کہدو آؤ ہم اپنے بیٹیوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو۔ اس آیۂ مبارکہ کی بابت جملہ مفسرین متفق ہیں کہ یہاں بیٹوں سے مراد جناب حسنؑ و حسینؑ ہیں۔ دوسرے رسول اللہ کی مشہور حدیث ہے: اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ ذُرِّیَّۃَ کُلِّ نَبِیٍّ فِی صُلْبِہٖ وَجَعَلَ ذُرِّیَّتِیْ فِی صُلْبِ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِب۔ یعنی خدا نے ہر نبی کی اولاد اس کے صلب سے قرار دی ہے لیکن میری اولاد صلب علی ابن ابی طالب سے ہے۔[1] یہی وجہ ہے کہ حضرت حسنؑ اور حسینؑ کو سب ابنائے رسول کہتے ہیں۔ تیسرے رسول خداؐ مثل موسیٰ ہیں حضرت موسیٰ بھی لاولد تھے۔ ان کی اولاد بھی خدا نے ان کے بھائی اور وزیر حضرت ہارون کی اولاد کو قرار دیا۔ چوتھے حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹے تھے اسمٰعیل و اسحاق۔ حضرت اسحاقؑ کی نسل میں آخری حجت بیٹی کی اولاد قرار پائی تھی حضرت عیسیٰؑ اسی حجت سے ہوئے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں بھی ایسا ہی ہوا کہ آخری حجت بجائے اولاد ذکور کے بیٹی کی اولاد حجت قرار پائی یعنی اولاد فاطمہ زہرا

[1] مجمع الامال ص: ۳۳۵ ج: ۱

صلوٰۃ اللہ علیہا۔ پانچویں علی بمصداق آیۂ مباہلہ نفس رسول تھے لہٰذا ان کی اولاد رسول کی اولاد قرار پائی۔

اس کے علاوہ خود حضرت علیؑ بھی حسنؑ و حسینؑ کو فرزندِ رسول کہا کرتے تھے چنانچہ جنگ صفین میں محمد حنفیہ نے دلیرانہ جنگ کی تو علی شیر خدا نے خوش ہو کر فرمایا: اَشْهَدُ اَنَّکَ اِبْنِی حَقًّا یعنی بیشک تو میرا بیٹا ہے۔ اصحاب نے عرض کی کہ یا مولا حسنینؑ بھی تو آپ ہی کے بیٹے ہیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا هُمَا اَبْنَاءُ رَسُوْلِ اللّٰہِ یعنی وہ رسول اللہ کے بیٹے ہیں۔

اسامہ بن زید بن حارثہ کہتے ہیں کہ ایک رات میں نے ایک حاجت کے لئے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارک کے دروازہ کی زنجیر کھٹکھٹائی۔ حضور برآمد ہوئے، حضور کی گود میں کوئی چیز معلوم ہوتی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ کیا چیز ہے جب میں اپنی ضرورت کو عرض کر چکا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ حضور کی گود میں کیا ہے۔ آپ نے اپنی چادر کو کھول دیا۔ جناب امام حسن و حسینؑ گود میں تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا "یہ ے بیٹے اور ی بیٹی کے بیٹے ۔ اے خدا تو جانتا ہے کہ میں ان کو پیار کرتا ہوں تو بھی ان سے پیار کر۔[1]

الغرض کفار حضور کو بے اولاد ہونے کا طعنہ دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ آپ کا سلسلہ منقطع ہو گیا لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو کوثر کا وعدہ دیکر اولاد کثیر کی بشارت دے رہا ہے اور دو اصول مقرر فرما رہا ہے۔ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ یعنی صلوٰۃ کو قائم کرنا اور قربانی دینا۔ حضرت امام حسینؑ کی صلوٰۃ اور ایثار کا یہ کرشمہ ہے کہ دشمن کا لشکر اور اس کے ہر قسم کے حربے ناکام ہو گئے۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت امام حسینؑ جناب رسول خدا کے فرزند ہیں۔

فضائل ومناقب: اللہ رب العزت نے حضرت حسینؑ ابن علیؑ کو جو فضائل ومراتب عطا فرمائے تھے جناب رسول خداؐ اپنی امت کو ان سے آگاہ کرتے

[1] ارجح المطالب ص ۳۸۲ [2] مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۱ ج ۳ [3] یہ حدیث ترمذی نسائی اور طبرانی وغیرہ میں بھی منقول ہے

رہتے تھے۔ لہٰذا آپ کے وہ فضائل ومناقب کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ہر مسلک اور ہر مذہب کی کتب معتبرہ میں مذکور ہیں۔

حسینؑ وہ ہیں جو علیؑ و فاطمہؑ کے نور نظر ہیں، حسینؑ وہ ہیں جنہوں نے آغوش رسالتؐ میں پرورش پائی، حسینؑ وہ ہیں جن کا مہد عصمت مریم ثانی تھی، حسینؑ وہ ہیں جو آرام گاہ سینۂ مخزن اسرار الٰہی تھے، حسینؑ وہ ہیں جن کی لوری علم امامت تھی، حسینؑ وہ ہیں جو صورت و شبہات میں جمال مصطفوی تھے۔ حسینؑ وہ ہیں جو شجاعت و حکمت، عصمت و عفت، علم و فضل، جود و سخا، زہد و تقویٰ اور ایثار و قربانی میں آئینہ کمال محمدیؐ تھے۔ حسینؑ وہ ہیں جنکی مودت خدا نے اہل عالم پر واجب کی، حسینؑ وہ ہیں جنکی عصمت و طہارت کو خدا نے آیۂ تطہیر سے ہویدا فرمایا۔ حسینؑ وہ ہیں جنکو رسالتمآبؐ نے جنت کے جوانوں کا سردار قرار دیا۔ حسینؑ وہ ہیں جنکی بابت اللہ کے رسول نے الحسین منی وانا من الحسین کہہ کر اپنا گوشت و پوست ٹھرایا۔ حسینؑ وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ابناءنا و ابنائکم کے حکم کے تحت رسول اللہ کا بیٹا قرار دیا۔ حسینؑ وہ ہیں جو انما یرید اللہ کی رو سے معصوم و مطہر قرار پائے۔ حسینؑ وہ ہیں جن کی محبت رسولؐ کی محبت اور جن کی دشمنی رسولؐ کی دشمنی ہے۔ حسینؑ وہ ہیں جن کی محبت تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ حسینؑ وہ ہیں جنکے مرقد کی خاک پاک میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کیلئے شفاء ودیعت فرمائی ہے۔ حسینؑ وہ ہیں جنکی قبر مطہر پر مضطر کی دعا مستجاب ہوتی ہے۔ حسینؑ وہ ہیں جو نماز جماعت میں پشت رسولؐ پر سوار ہوں تو آنحضرتؐ سجدہ کو طول دیں۔ حسینؑ وہ ہیں جن کے منہ کو چوم کر رسول اللہ فرمائیں یہ سید ہے اور سید کا بیٹا ہے، امام ہے اور امام کا بیٹا ہے، اللہ کی حجت ہے اور حجت کا بیٹا ہے۔ حسینؑ شجر رسالت کا وہ خوشبودار پھول ہیں جو عرش کے دو گوشواروںؑ میں سے ایک ہیں۔

حسینؑ وہ ہے جو آفتاب بن کر افقِ مدینہ سے طلوع ہوئے اور مکہ مکرمہ سے ہوتے ہوئے نینوا کی سرزمین پر اپنی پوری ضیا کیساتھ ایسا چمکے کہ پورے عالم کو روشن کر دیا۔ حسینؑ وہ ہیں جنہوں نے بہتر رفیقوں کی قربانی دیکر سفینہ اسلام کو

دریائے ضلالت سے پار لگا دیا۔ حسینؑ وہ ہیں جنہوں نے نخل اسلام کو بادِ سموم کے جھونکوں سے محفوظ رکھا۔ حسینؑ وہ ہیں جنہوں نے سر کٹا کر باطل کو مٹایا اور حق کو سربلند کیا۔ حسینؑ وہ ہیں جن کیلئے محبوب خدا دعا کرتے ہیں کہ خداوندا حسینؑ سے محبت رکھنے والے کو تو بھی محبوب رکھ اور دشمنی کرنیوالے کو تو بھی دشمن رکھ۔ حسینؑ وہ ہیں جو ستودہ صفات ہیں جنکی اولاد میں خداوند عالم نے امامت کو مختص فرمایا۔

چونکہ حسینؑ فرزندِ رسولؐ ہیں لہٰذا ان کے افعال واعمال اور حرکات و سکنات رسول خداؐ کا نمونہ اور آپؐ کے اخلاق و اوصاف کا پرتو ہیں۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی فرماتے ہیں کہ: جعلتها مراتین الملاحظة وخدین بجمالة یعنی عنایت الٰہی نے حسن و حسین علیہم السلام کو پرتو انوار محمدی کیلئے دو آئینے اور جمال نبوی کے دو رخسار بنائے۔ پس جسکو جمال نبوی و نور محمدی کا ملاحظہ کرنا ہو وہ ان کو دیکھے اور ان کی صورت وسیرت سے چشم بصیرت و بصارت کو روشن کرے۔

واقعہ کربلا کی پیشنگوئیاں

واقعہ کربلا کوئی اتفاقی واقعہ یا ناگہانی حادثہ نہ تھا جو اچانک رونما ہوگیا ہو۔ یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے طے شدہ امر تھا جو حضرت امام حسینؑ کی شہادت عظمیٰ کیلئے پہلے سے بلکہ بہت پہلے سے مطعین کیا جاچکا تھا اور جسکی بابت اگلے پیغمبروں کو بھی اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمادیا تھا۔ اسی وجہ سے کتب سابقہ میں اس واقعہ کی بابت اشارات کئے گئے ہیں اور پیغمبر اسلام نے بھی بار بار اس کا ذکر فرمایا ہے اور اپنے اصحاب کو یہ کہہ کر متوجہ کیا کہ ''تم میں سے جو اس وقت زندہ ہو اسے چاہئے کہ حسین کی نصرت کرے''۔ رسول خدا کی اس پیشنگوئی اور ہدایت کے مطابق حضرت انس بن حارث کربلا گئے اور امام حسینؑ کیساتھ شہید ہوئے[1] اس طرح یہ واقعہ رونما ہونے سے پہلے ہی مسلمہ حقیقت بن چکا تھا۔ چونکہ جناب رسالتمآبؐ نے حضرت امام حسینؑ کو ان کے بچپن ہی میں اس واقعہ سے مطلع فرمادیا تھا لہٰذا آپؑ کو واقعہ کربلا کی بابت سب کچھ معلوم تھا آپ کو اس کے بارے میں کسی غور وفکر یا تجدید نظر کی قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی۔ یہی سبب تھا کہ جب آپکے عزیز واقارب اور بہی خواہوں نے بہت سے مشورے دیئے' نصیحتیں کیں تو آپ نے سب کی باتیں سنیں لیکن آپ منجانب اللہ جس مہم پر مامور کئے گئے تھے اور جس امتحان میں مبتلا فرمائے گئے تھے اس کیلئے نہایت اطمینان قلب سے مستعد رہے۔ ایسے میں ان لوگوں کے تبصروں کی کوئی وقعت نہیں رہتی جو کہتے ہیں کہ '' حضرت امام حسین نے (معاذ اللہ) جلد بازی

[1] ینابیع المودۃ ص:۳۱۸

سے کام لیا اور اس وقت کی نمایاں شخصیتوں کی مخالفت کے باوجود آپ عراق کیلئے نکل کھڑے ہوئے۔'' حضرت حسینؑ قربانیوں پر مامور تھے اور آپ بہر قیمت منزل پر پہنچنے کیلئے بے چین تھے۔ انکار بیعت اور قبول شہادت آپ کیلئے طے شدہ تھا جس کی پیشنگوئیاں آسمانی کتب میں بھی کی گئیں اور احادیث نبوی میں بیان فرمائی گئیں ہیں۔

پیشنگوئی کی اہمیت: مذاہب عالم اور پیغمبران ادیان کی سچائی کے ثبوت میں پیشنگوئیاں ہمیشہ دلیل محکم کا کام دیتی رہی ہیں۔ اور علمائے اسلام ابتدا سے اسلام اور پیغمبر اسلام کی سچائی کے ثبوت میں انبیائے سلف اور عارفین وصادقین کی پیشنگوئیاں بطور دلیل پیش کرتے رہے ہیں۔ مختلف مذاہب کی کتب میں باوجود تحریف کے اب بھی بہت سی پیشنگوئیاں ملتی ہیں۔ توریت' زبور اور انجیل کی پیشنگوئیوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام دین الٰہی اور پیغمبر اسلام اللہ کے آخری نبی ہیں۔ قرآن مجید نے بھی ان پیشنگوئیوں کو اسلام کی سچائی کی سند میں پیش کیا ہے۔ مثلاً سورۂ بقر آیت:۱۴۷' سورۂ انعام آیت:۹۱' سورۂ اعراف آیت:۱۵۷' سورۂ صف آیت:۶' سورۂ فتح آیت:۲۸ وغیرہ۔ توریت' زبور اور انجیل کی طرح قرآن مجید نے بھی اپنی صداقت کے جائزے کیلئے پیشنگوئیاں کیں اور واقعات نے انہیں سچ ثابت کیا۔

کتب آسمانی میں واقعہ کربلا کی پیشنگوئیاں: واقعہ کربلا تاریخ انسانی کا ایک مثالی واقعہ ہے جو تحفظِ دین کے   کی آخری اور کامل ترین قربانی ہے۔ اسی لئے کتب آسمانی اور تاریخ انبیاء واوصیاء میں اسکی پیشنگوئیاں ملتی ہیں۔ صحف انبیاء' آیات قرآنی اور احادیث نبوی کا اگر ایک ساتھ مطالعہ کیا جائے تو اس واقعہ کے عجیب راز منکشف ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

ترجمہ:''اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ خدا نے مومنین سے انکی جانیں اور انکا مال بہشت کے عوض خرید لیا ہے یہ لوگ خدا کی راہ

میں لڑتے ہیں تو دشمنان الٰہی کو قتل کرتے ہیں اور خود بھی قتل ہو جاتے ہیں۔ یہ پکا وعدہ خدا پر لازم ہے جو توریت' انجیل اور قرآن سب میں ہے۔''
(سورۂ توبہ آیت : ۱۱۱)

توریت' انجیل اور قرآن کے ''شہید'' کے کل اوصاف کا مرقع حضرت امام حسینؑ ہیں جنہوں نے رضائے الٰہی کیلئے اپنی' اپنے خاندان اور اپنے اصحاب کی حیرت انگیز قربانی دی۔ دشمنان خدا کو قتل کیا اور خود بھی شہید ہو گئے۔ حضرت برمیا نبی جو حضرت ابراہیمؑ سے تقریباً تین سو سال بعد مبعوث ہوئے واقعہ کربلا کی بابت فرماتے ہیں کہ:

''خداوند رب الافواج کی راہ میں اتر (مشرق) کی جانب نہر فرات کے کنارے قربانی مقرر ہے۔''
(توریت: ۱۰/۱۳۶ ص: ۷۵۵ مطبوعہ ۱۹۲۲ء)

حضرت موسیٰ کی کتاب (صبار:۱۶/۱۱۵ توریت) میں یوم عاشورہ کو ہمیشہ کیلئے یوم غم کی حیثیت دی گئی ہے۔ مرقوم ہے کہ:

''اور تمہارے لئے 'قانون دائمی' ہوگا کہ ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ تم میں سے ہر ایک خواہ وہ تمہارے دیس کا ہو خواہ پردیسی ہو جس کی بود وباش تم میں ہے اپنی جان کو دکھ دے اور کسی طرح کام نہ کرے کیونکہ اس روز تمہارے واسطے پاکیزگی کیلئے کفارہ دیا جائیگا کہ تم اپنے سارے گناہوں سے خداوند کے پاک ہو جاؤ۔''

اسی کتاب میں ایک اور مقام پر لکھا ہے کہ:

''ساتویں مہینہ میں اسکے دسویں دن کفارہ دینے کا دن ہوگا تمہاری مقدس جماعت تم اس دن کو غمزدہ بناؤ اور خداوند کیلئے آگ کی قربانی سے گزرو تم عین اس دن کوئی کام نہ کرو کیونکہ وہ کفارہ کا دن ہوگا کہ تم خداوند اپنے خدا کے آگے اپنے لئے کفارہ دو جو کوئی انسان عین اس دن غمگین نہ ہوگا وہ اپنی قوم سے کٹ جائیگا اور جو انسان عین اس دن

کوئی کام کریگا میں اس انسان کو اسکی قوم میں فنا کردوں گا۔ تم کسی طرح کا کام مت کرنا یہ تمہارے سارے گھروں میں تمہارے قرنوں کیلئے قانون ابدی ہوگا۔'' (صبار: ۲۳/۲۶ ص: ۱۲۶ توریت)

عبرانی کا ساتواں مہینہ عربی کے ماہ محرم کے عین مطابق ہے اور ساتویں مہینہ کی دسویں تاریخ ''یوم عاشورہ محرم'' ہے اس سے ثابت ہوا کہ واقعہ کربلا کوئی نسلی یا علاقائی غم نہیں بلکہ یہ فرمان الٰہی سے ''ابدی غم'' بتایا گیا ہے۔

عہد نامہ جدید میں ستائیس تحریریں ہیں ان میں سے چار کتابوں کو انجیل کہا جاتا ہے۔ (۱) انجیل لوقا' (۲) انجیل متی' (۳) انجیل مرقس اور (۴) انجیل یوحنا۔ یہ کتابیں حضرت عیسیٰ کے شاگردوں' ساتھیوں اور بعد میں آنے والے تابعین کی مرتب کردہ ہیں۔ ان میں آخری کتاب ''مکاشفہ یوحنا'' ہے جس کی بابت کہا جاتا ہے کہ یہ اصل انجیل ہے جو حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئی۔ ''مکاشفہ یوحنا'' حیرت انگیز پیشنگوئیوں کا خزانہ ہے۔ اس کتاب کے پانچویں اور سترویں باب میں شہادت حسین کی پیشنگوئیاں نہایت شرح وبسط سے ملتی ہیں۔ ایک پیشنگوئی میں ''ذبح کئے ہوئے برّہ'' کی بابت تفصیل سے لکھا ہے۔ علماء کا بیان ہے کہ ''ذبح کئے ہوئے برّہ'' سے مراد امام حسینؑ ہیں۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو بحار الانوار جلد دہم اور ناسخ التواریخ وغیرہ۔ قرآن مجید میں انجیل کے بہت سے حوالے موجود ہیں ان میں واقعہ کربلا سے متعلق بیانات ''ستارۂ نور'' کی طرح چمک رہے ہیں۔

قرآن مجید میں واقعہ کربلا: خداوند عالم کی مصلحت سے حضرت اسمٰعیلؑ ذبح سے محفوظ رہ گئے اور ذبح عظیم کی صورت میں ان کا فدیہ مقرر ہوگیا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ:

ترجمہ:''اس میں شک نہیں کہ یہ یقینی بڑا (سخت اور) صریحی امتحان تھا اور ہم نے اسمٰعیلؑ کا فدیہ ایک ذبح عظیم (بڑی قربانی) قرار دیا۔''
(سورۂ الصّٰفٰت آیت: ۱۰۷)

آیت کی تصریح کے مطابق فدیہ اسمعیل کو عظیم ہونا چاہئے اور اس کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ذبح کی شکل میں ہو۔ "ذبح عظیم" کی تفسیر میں دو اقوال پیش ہوتے رہے ہیں۔ پہلا قول ہے کہ ذبح عظیم سے مراد وہ دنبہ ہے جو حضرت اسمعیل کے عیوض ذبح ہوا۔ لیکن ایک انسان اور وہ انسان جو نبی اور نبی زادہ ہو اسکے مقابلہ میں ایک جانور کو ذبح عظیم تسلیم کرنے سے عقل انسانی قاصر ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ذبح عظیم سے مراد حسین ابن علیؑ ہیں جنہیں کربلا میں ذبح کیا گیا۔ جیسا کہ روضۃ الصفاء میں مرقوم ہے "ذبح عظیم حسین ابن علیؑ وفدیہ اسمعیل است نہ کبش زیرا کہ گوسفند ایں ہمہ رتبہ نباشد کہ حق تعالی در اورا کلام مجید 'ذبح عظیم' گوید"۔ اس قول کو اہلبیت کرام کی تائید بھی حاصل ہے اور عقل انسانی بھی قبول کرتی ہے۔

علامہ اقبال نے اپنے ایک شعر میں اس قول کی اسطرح ترجمانی کی ہے۔ ع

غریب وسادہ ورنگین ہے داستان حرم　　نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسمعیلؑ

قرآن مجید میں سرکش قوموں کی بابت پیشنگوئی کی گئی ہے کہ:

فَمَابَکَتْ عَلَیہِمُ السَّمَآءُ وَالاَرضُ وَمَاکَانُوا مُنظَرِینَ ○

ترجمہ: "پس نہ تو ان پر آسمان رویا نہ زمین روئی اور نہ ان کو مہلت ملی"

(سورۃ الدخان آیت: ۲۹)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ جلال الدین سیوطی نے حسب ذیل روایت تحریر کی ہے۔

"ابن ابی حاتم عبید کاتب سے روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم نے کہا جب سے دنیا پیدا ہوئی آسمان صرف دو آدمیوں پر رویا۔ جب یحیٰ بن زکریا قتل ہوئے تو آسمان سرخ ہو گیا اور خون برسا اور جب حسینؑ قتل ہوئے تو آسمان سرخ ہوا۔" (تفسیر در منثور ص ۳۱ ج ۶ مطبوعہ مصر)

مولانا فرمان علی صاحب نے مترجمہ قرآن کے حاشیہ پر صحیح مسلم کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ جب امام حسینؑ شہید ہوئے تو اس مصیبت پر آسمان وزمین روئے۔ آسمان کا رونا اس کا سرخ ہو جانا ہے اس کی موید وہ روایت ہے جسے علامہ ابن

حجر عسقلانی نے صواعق محرقہ میں ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی علیہ السلام کا کربلا سے گذر ہوا۔ جب قبر حسینؑ کی جگہ پر پہنچے تو فرمایا "یہی ہمارے اونٹوں کے بٹھانے کی جگہ ہے۔ یہی ہمارے خون بہانے کی جگہ ہے۔ رسولؐ کی اہلبیت میں سے کچھ لوگ اس میدان میں شہید کئے جائیں گے جن پر آسمان بھی روئے گا اور زمین بھی"۔

زمین کا رونا یہ تھا کہ بعد شہادت امام حسینؑ کربلا میں جہاں کہیں سے بھی کوئی پتھر اکھاڑا وہاں سے تازہ خون برآمد ہوتا تھا اور آسمان کا رونا یہ تھا کہ عاشورہ محرم کو تمام آسمان میں سرخی پھیل گئی تھی۔

حدیث میں واقعہ کربلا: جملہ کتب احادیث ومسانید اور جوامع ومناقب میں واقعہ کربلا کی پیشنگوئی سے متعلق احادیث مرقوم ہیں ان میں سے چند ذیل میں منقول ہیں:

"انس بن مالک روایت کرتے ہیں ایک دن فرشتہ بارش رسولؐ کے پاس آیا حضرت نے ام سلمہؓ کو حکم دیا کسی کو اندر نہ آنے دینا مگر حسین آگئے اور رسول اللہ کی پشت اور شانے پر بیٹھنے لگے۔ فرشتہ نے آنحضرت سے پوچھا کیا آپ ان سے محبت کرتے ہیں فرمایا ہاں کہا آپ کی امت انھیں قتل کریگی۔ اگر آپ چاہیں تو ان کی قتل گاہ آپ کو دیکھا دوں۔ فرشتے نے سرخ مٹی حضرت کو دی جسے اُم سلمہ نے محفوظ کرلیا۔ ثابت جنہوں نے انس سے روایت کی کہتے ہیں ہمیں خبر پہنچی ہے کہ یہ جگہ کربلا ہے۔" (مسند احمد بن حنبل ص: ۲۳۳ ج: ۳)

دوسری روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ:

"ام الفضل بنت الحارث سے مروی ہے کہ ایک دن میں حسین کو ہوئے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی میں نے حسین کو حضور کی گود میں دیدیا۔ میں نے دیکھا کہ پیغمبر کی آنکھوں سے اشک کی جھڑی لگ گئی۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ قربان ہوں حضور اس وقت کیوں آبدیدہ ہوئے۔ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا جبرئیل ابھی مجھ

کو خبر دے گئے ہیں کہ میرے اس بیٹے کو میری امت قتل کریگی۔ میں نے تعجب سے دریافت کیا کہ ایسا ہوگا۔ پیغمبر نے جواب دیا جبرئیل نے مجھ کو وہاں کی سرخ مٹی لاکر دکھائی ہے جہاں حسین شہید ہوں گے اور وہ فرات کا کنارہ بھی دکھایا ہے۔" (مشکوۃ ص: ۱۳۹ ج: ۸)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے روایت بیان کی ہے کہ:

"ایک دن رسول خدا کی آنکھیں اشکبار تھیں امیر المومنین کے گھر تشریف لانے کی کسی کو ہمت نہ تھی کہ سبب دریافت کرے۔ نانا کو روتا دیکھ کر خود (حسین) بھی رونے لگے۔ رسول خدا نے بیٹے کے آنسو پونچھے اور فرمایا میرے ماں باپ تم پر نثار ہوں کیوں روتے ہو۔ حسین نے جواب دیا آپکے رونے سے رو پڑا۔ آنحضرت نے فرمایا آج میں تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ جبرئیل درگاہ الٰہی سے آئے اور خبر دی کہ میری امت تم کو قتل کریگی۔" (جذب القلوب الی دیار المحبوب ص: ۱۳۹۰)

انس بن حارثؓ جو صحابی رسول واصحاب صفہ میں تھے بیان کرتے ہیں کہ:

"میں نے دیکھا کہ ایک دن رسول خداؐ حضرت حسینؑ کو گود میں لئے ہوئے انکو پیار کر رہے تھے۔ اس دوران آپؐ نے فرمایا "ان ابنی ھذا یقتل بارض یقال لھا کربلاء فمن شھد ذالک منکم فلینصرہ" یعنی میرا یہ فرزند (حسین) اس زمین پر قتل کیا جائے گا جس کا نام کربلا ہے۔ دیکھو تم میں سے اُس وقت جو بھی موجود ہو اس کیلئے ضروری ہے کہ اسکی مدد کرے۔ لہٰذا راوی کا بیان ہے کہ اصل راوی اور چشم دید گواہ اُنس بن حارث حضرت امام حسینؑ کے ہمراہ کربلا میں شہید ہوئے۔"

(اسد الغابہ ص: ۱۲۳ ج: ۱، اصابہ ص: ۶۸ ج: ۱
کنز العمال ص: ۲۲۳ ج: ۶، ذخائر العقبی ص: ۱۴۶)

واقعہ کربلا سے متعلق یہ احادیث مختلف اوقات میں مختلف راویوں نے مختلف انداز میں بیان کی ہیں جس سے قرینہ یہی بتاتا ہے کہ آنحضرت کو واقعہ کربلا سے متعلق ایک سے زیادہ بار خبر دی گئی۔ اس پیشنگوئی کو متعدد معتبر راویوں نے

بیان کیا اور مستند محدثین نے نقل کیا ہے جیسے کہ ابی امامہ باہلی سے طبرانی نے، انس بن حارث سے ابن مندہ وابونعیم وابن عساکر نے۔ حضرت عائشہؓ سے ابن سعد وطبرانی نے، ابی سلمہ بن عبدالرحمن سے بیہقی نے، ام الفضل بنت حارث سے ابوداؤد، حاکم وبیہقی نے حضرت ام سلمیٰؓ سے احمد بن حنبل، ابن اسحاق، بیہقی وابونعیم وغیرہ نے، معاذ بن جبل سے ویلمی نے، ابن عباس سے حاکم واحمد وترمذی نے اور ان کے علاوہ بہت سے دیگر محدثین ومورخین نے بیان کیا ہے۔

حضرت سید الشہداء امام حسینؑ سے بہتر ان پیشنگوئیوں کا علم کس کو ہوسکتا تھا یہی وجہ تھی کہ آپ کا ہر قدم قطعی وثوق اور حقیقی علم پر اٹھ رہا تھا۔ آپ نے بار بار اپنی شہادت کی خبر لوگوں کو اس یقین اور وثوق سے دی کہ جس میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

تحریک ولی عہدی یزید

مورخین عام طور سے یزید کی ولیعہدی کی تحریک کا محرکِ اول مغیرہ بن شعبہ والی کوفہ کو قرار دیتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ جب امیر معاویہ نے مغیرہ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کرنے کا ارادہ کیا تو مغیرہ نے معاویہ بن ابوسفیان کو یزید کی ولی عہدی کی تجویز پیش کی۔ جبکہ دیگر مورخین کا خیال ہے کہ حصول اقتدار کے بعد ہی سے امیر معاویہ کے دل میں اپنے بیٹے کی ولیعہدی کی خواہش کروٹیں لے رہی تھی جس کا اندازہ ان کارگذاریوں سے ہوتا ہے جن پر صلح نامہ حسن کے بعد ہی سے امیر معاویہ عمل پیرا ہوتے رہے جن میں شرائط معاہدہ کو پیروں تلے روندنا' افراد بنی ہاشم کی تذلیل وتحقیر کرنا' حضرت علیؑ پر سب وشتم کرنا اور جعدہ بنت اشعث کے ذریعہ مسند نشینِ امامت کو سازش کا نشانہ بنانا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ ایسے افعال تھے جن سے امیر شام کی پوشیدہ قلبی کیفیت کا اندازہ لگانا دشوار نہیں۔ بقول ابومحمد احمد بن اعثم کوفی:

> ''حضرت امام حسنؑ کی شہادت کی خبر سن کر عمر بن عاص نے معاویہ کے پاس آکر کہا' اب میدان خالی رہ گیا ہے۔ خلافت بغیر کسی جھگڑے کے تیرے اور تیرے فرزندان کے لئے رہ گئی ہے'۔ معاویہ نے کہا' تیری رائے بہت درست ہے'۔ اس کے بعد اپنے عاملوں اور جملہ سرداروں کو تحریری اطلاع بھیجی کہ میں یزید کو اپنا ولی عہد قرار دینا چاہتا ہوں۔'' (تاریخ اعثم کوفی ص: ۲۹۔۷)

امیر معاویہ کی کوشش: چونکہ اسلامی حکومت شاہی میں بدل چکی تھی جس کے پہلے بادشاہ معاویہ بن ابوسفیان تھے جنکی بابت تاریخ میں بہت سے اقوال موجود ہیں۔ ہم یہاں صرف مولانا مودودی صاحب کے حوالے سے حافظ ابن کثیر کا ایک قول نقل کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں۔

> ''سنت بھی یہی ہے کہ ان (معاویہ) کو خلیفہ کے بجائے بادشاہ کہا جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ 'میرے بعد خلافت ۳۰ سال رہے گی' پھر بادشاہی ہوگی' اور یہ مدت ربیع الاول ۴۱ھ میں ختم ہوگئی جب امام حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوئے۔''
>
> (البدایہ ص: ۱۶ ج: ۸ بحوالہ خلافت وملوکیت ص: ۱۴۸)

اس بیان سے یہ حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت حسنؑ بن علیؑ کی خلافت بھی خلافت راشدہ کا حصہ ہے یعنی حضرت امام حسنؑ پانچویں خلیفہ راشد ہیں۔ بہرحال مغیرہ بن شعبہ نے بھی اسی دوران اپنی گورنری کو بچانے کیلئے یزید کی ولی عہدی کی تجویز پیش کی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ امیر معاویہ کی دلی تمنا سے آگاہ تھے۔ اس کے بعد میں معاویہ بن ابوسفیان نے اپنی پوشیدہ قلبی کیفیت کا اعلانیہ اظہار کرنا شروع کردیا اور فرامین کے ذریعہ تمام عمال وحکام کو اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی ہدایت جاری کیں اور مسلسل سات سال تک اپنے مقصد کے حصول کیلئے کوشاں رہے۔ اس تمام کاروائی کی بابت جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے تحریر فرمایا ہے:

> ''مگر اس روداد سے دو باتیں بالکل واضح ہیں۔ ایک یہ کہ یزید کی ولی عہدی کیلئے ابتدائی تحریک کسی صحیح خدبہ کی بنیاد پر نہیں ہوئی تھی' بلکہ ایک بزرگ نے اپنے ذاتی مفاد کیلئے دوسرے بزرگ کے ذاتی

> مفاد سے اپیل کرکے اس تجویز کو جنم دیا' اور دونوں صاحبوں نے اس بات سے قطع نظر کرلیا کہ وہ اس طرح امت محمدیہ کو کس راہ پر ڈال رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یزید بجائے خود اس مرتبہ کا آدمی نہ تھا کہ حضرت معاویہؓ کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے قطع نظر کرتے ہوئے کوئی شخص یہ رائے قائم کرتا کہ حضرت معاویہؓ کے بعد امت کی سربراہی کیلئے وہ موزوں ترین آدمی ہے۔'' (خلافت وملوکیت ص: ۱۵۰)

احکام شاہی کے اجراء کے بعد لوگوں کے دین اور ایمان کی خرید وفروخت کا بازار گرم ہوا۔ سب سے پہلے مغیرہ بن شعبہ نے اہل کوفہ کے دس آدمیوں کا ایمان مبلغ تیس ہزار درہم میں خرید کرانہیں اپنے بیٹے موسیٰ بن مغیرہ کی سرکردگی میں دمشق بھیجا تاکہ یہ لوگ یزید کو ولیعہد بنانے کیلئے معاویہ سے کہیں۔ اس وفد نے دمشق پہنچ کر اپنا کام پورا کیا۔ معاویہ نے موسیٰ سے علیحدگی میں دریافت کیا ''تمہارے باپ نے ان لوگوں سے کتنے میں ان کا دین خریدا ہے؟'' انہوں نے کہا ''تیس ہزار درہم میں'' معاویہ نے کہا ''تب تو ان کا دین ان کی نگاہ میں بہت ہلکا ہے''۔[1]

خود امیر معاویہ نے بھی دولت ومنصب وخلعت عطا کرکے بہت سے بڑے بڑے سرداروں اور مشہور لوگوں کو اپنے ساتھ ملایا نیز بااثر اشخاص کو انکے عہدے ومرتبے کے مطابق انعام واکرام دیکر اس خدمت پر مامور کیا کہ وہ لوگوں کو ترغیب وتحریص کے ذریعہ یزید کی ولیعہدی پر رضامند کریں۔ اور جو انعام واکرام کے لالچ سے راضی نہ ہوں انہیں قہر وغضب سے ڈرائیں۔ اس سلسلہ میں امیر شام نے خطوط بھی ارسال کئے' وفود بھی طلب کئے اور خود بنفس نفیس مدینہ اور مکہ کے سفر پر بھی گئے۔ الغرض اپنے مقصد کے حصول کی خاطر امیر معاویہ نے زر وزور کا ہر حربہ استعمال کیا اور قومی خزانہ سے بے دریغ دولت لٹائی۔ حتیٰ کہ اس مقصد کیلئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بھی ایک لاکھ درہم بھجوائے مگر جناب عبداللہ نے یہ رقم واپس لوٹادی۔ جیسا کہ ابن اثیر وغیرہ نے تحریر کیا ہے:

---

[1] ابن الاثیر ص: ۲۴۹ ج: ۳' البدایہ ص: ۷۹ ج: ۸' ابن خلدون ص: ۱۵ ج: ۳' بحوالہ خلافت وملوکیت ص: ۱۴۹

> ''زیاد کی وفات (۵۳ھ) کے بعد حضرت معاویہؓ نے یزید کے ولی عہد بنانے کا فیصلہ کرلیا اور بااثر لوگوں کی رائے ہموار کرنیکی کوشش شروع کردی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ایک لاکھ درہم بھیجے اور یزید کی بیعت کیلئے راضی کرنا چاہا۔ انہوں نے کہا 'اچھا یہ روپے اس مقصد کیلئے بھیجے گئے ہیں پھر تو میرا دین میرے لئے بڑا ہی سستا ہوگیا' یہ کہکر انہوں نے روپیہ لینے سے انکار کردیا۔''
>
> (ابن الاثیر ص: ۲۵۰ ج: ۳' البدایہ ص: ۸۹ ج: ۸' خلافت وملوکیت ص: ۱۵۰)

امیر معاویہ کے اقدامات: یزید کی ولی عہدی کے سلسلہ میں امیر معاویہ نے جو اقدامات کئے ان کا ذکر معتبر کتب تاریخ میں تفصیلاً درج ہے۔ ہم ان چند بیانات کو مختصراً تحریر کررہے ہیں جو معززین واکابرین نے امیر معاویہ کے جواب میں کہے اور جن سے یزید کی ولی عہدی کی مخالفت واضح ہے۔

بصرہ کے گورنر زیاد بن ابیہ کو جب معاویہ کا فرمان ملا تو چونکہ وہ یزید کے افعال قبیحہ سے بخوبی واقف تھا تشش وپنج میں پڑ گیا۔ معاویہ کی مخالفت کا انجام بھی اس کے پیش نظر تھا لہٰذا اس نے عبید بن کعب نمیری کو تفصیل سے آگاہ کرکے مشورہ طلب کیا اور اس کے رائے سے اتفاق کرکے اسے دمشق بھیجا تاکہ وہ ایک طرف یزید کو اپنے طور طریقے بدلنے کا مشورہ دے اور دوسری طرف معاویہ سے درخواست کرے کہ وہ اس معاملہ میں جلدبازی سے کام نہ لیں۔

امیر معاویہ نے اپنے بھائی کے بیٹے عبداللہ بن یزید بن ابوسفیان کو بلاکر اپنے بیٹے یزید کی جانشینی کیلئے مشورہ طلب کیا تو اس نے جواب میں کہا کہ:

> ''اس امر میں تجھے بہت کچھ سوچ لینا چاہئے کیوں کہ اگر تو اسے ولی عہد مقرر کرے گا تو ایسا نہ ہو کہ شرمندگی اٹھانی پڑے اور مجھے اس معاملہ میں غور کرنے کی ضرورت نہیں۔'' (تاریخ اعثم کوفی ص: ۳۰۔۷)

مولانا مودودی نے احنف بن قیس کا ایک واقعہ اس طرح تحریر کیا ہے:

> ''اسی زمانہ میں حضرت معاویہؓ نے مختلف علاقوں سے وفود بھی طلب

کئے اور یہ معاملہ انکے سامنے رکھا۔ جواب میں لوگ خوشامدانہ تقریریں کرتے رہے' مگر حضرت احنف بن قیس خاموش رہے۔ حضرت معاویہ نے کہا' ابو بحر تم کیا کہتے ہو؟' انہوں نے کہا' ہم سچ کہیں تو آپ کا ڈر ہے۔ جھوٹ بولیں تو خدا کا ڈر۔ امیر المومنین' آپ یزید کے شب وروز' خلوت وجلوت' آمد ورفت ہر چیز کو خوب جانتے ہیں اگر آپ اس کو اللہ اور اس امت کیلئے واقعی پسندیدہ جانتے ہیں تو اسکے بارے میں کسی سے مشورہ نہ لیجئے اور اگر آپ کے علم میں وہ اس سے مختلف ہے تو آخرت کو جاتے ہوئے دنیا اسکے حوالے کر کے نہ جایئے۔ رہے ہم' تو ہمارا کام تو بس یہ ہے کہ جو حکم ملے اس پر سمعنا واطعنا کہہ دیں۔"

(ابن الاثیر ص: ۲۵۰ ج ۳' البدایہ ص: ۸۰ ج ۸' بحوالہ خلافت وملوکیت ص: ۱۵۱)

امیر معاویہ نے اپنی آخری خواہش کی تکمیل کیلئے اکابرین وعمائدین کو یزید کی ولی عہدی کی جو دعوت دی' اسکے جواب میں ان حضرات نے جو کچھ لکھا یا کہا اس کے چند اقتباسات ابن قتیبہ الدینوری کی کتاب "الامامۃ والسیاسۃ" جلد اول سے منقول ہیں:

امیر معاویہ نے حضرت عبداللہ بن جعفر کو بیعت یزید کے سلسلہ میں خط لکھا جس کے جواب میں عبداللہ بن جعفر نے تحریر کیا کہ:

"(اے معاویہ) میرے پاس تمہارا خط آیا۔ تم نے جو یہ لکھا ہے کہ تم مجھ کو دوسروں پر ترجیح دیتے ہو تو میں اس کا مطلب سمجھا۔ اگر تم ایسا کرتے ہو تو تم نے اپنے کو فائدہ پہنچایا اور اگر انکار کرتے ہو تو خود اپنا ہی نقصان کیا اور تم نے جو یہ لکھا ہے کہ تم مجھ کو بیعت یزید پر مجبور کرو گے (تو یہ ہرگز ممکن نہیں) میری عمر کی قسم تم مجھ کو بیعت (یزید) پر کیا مجبور کرو گے (بلکہ) ہم نے تم کو اور تمہارے باپ (ابوسفیان) کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا تھا اور تم دونوں اگرچہ (اسلام قبول کرنے کو) مکروہ سمجھتے تھے اور اس پر تیار نہ تھے مگر ہم نے تم دونوں کو (مجبور کر کے) اسلام کے دائرہ میں داخل کر لیا۔" (الامامت والسیاست ص: ۱۸۷ ج: ۱)

امیر معاویہ نے ایک خط میں عبداللہ بن عباس کو لکھا "مجھے خبر ملی کہ تم یزید کی بیعت میں تاخیر کر رہے ہو۔ اگر میں نے تم کو عثمانؓ کے بدلے قتل کر دیا ہوتا تو کر سکتا تھا۔" اس کے جواب میں ابن عباس نے لکھا کہ:

ترجمہ: "(اے معاویہ) میرے پاس تمہارا خط آیا۔ جو کچھ تم نے لکھا میں نے اس کو سمجھا۔ میں کبھی تم سے امان کا طالب نہیں ہوا۔ (اے معاویہ) تم سے کبھی امان نہیں مانگی جا سکتی۔ امان تو صرف خدا سے طلب کی جاتی ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے تم مجھے جو قتل کی دھمکی دیتے ہو تو اگر تم مجھے قتل کر دو تو میں بہت خوش ہوں (کیونکہ) اس وقت تم خدا سے اس حالت میں ملاقات کرو گے کہ حضرت محمدؐ تمہارے دشمن ہوں گے اور جسکے رسول خداؐ دشمن ہوں اسکو کبھی فلاح وحیت اور نجات نہیں مل سکتی۔" (الامامت والسیاست ص: ۱۸۷ ج: ۱)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ نے معاویہ سے کہا کہ:

ترجمہ: "خدا کی قسم تم نے یزید کی بیعت کے سلسلہ میں جو جسارت کی ہے تو تم چاہتے ہو کہ اس معاملہ میں ہم تم کو خدا کے حوالے کر دیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ ہم اس کیلئے شوریٰ بنائیں گے یا اس کی وہی صورت اختیار کریں گے جو پہلے تھی۔" (الامامت والسیاست ص: ۱۹۷)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب اس موضوع پر بات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ:

ترجمہ: "خدا کا شکر ہے کہ اس نے اپنے دین کے ذریعہ ہم کو بزرگ قرار دیا اور اپنے نبی سے ہم کو شرافت بخشی۔ (اے معاویہ) یہ خلافت نہ ہرقلیہ ہے' نہ قیصریہ اور نہ کسرویہ ہے جہاں بیٹے اپنے باپ کے وارث ہوتے ہیں اور اگر ایسا ہوتا تو اپنے باپ کے بعد خلافت پر میں باقی رہتا۔ اے معاویہ! تم سے پہلے بھی خلیفہ تھے اور ان کے لڑکے بھی تھے' اور تمہارا لڑکا ان کے لڑکوں سے بہتر نہیں۔ پھر بھی انہوں نے اپنے لڑکوں کے بارے میں وہ نہ سوچا جو تم نے اپنے لڑکے کے متعلق سوچا ہے۔" (الامامت والسیاست ص: ۱۹۷)

حضرت عثمانؓ بن عفان کے فرزند سعید جب دمشق میں معاویہ کے پاس گئے تو انہوں نے کہا:

ترجمہ: "اے امیر المومنین تم کس بنیاد پر بیعت یزید کی کوشش کر رہے ہو اور مجھ سے بے اعتنائی برت رہے ہو۔ بخدا تم جانتے ہو کہ میرا باپ اس (یزید) کے باپ سے بہتر تھا' اور میری ماں اسکی ماں سے بہتر اور میں یزید سے بہتر ہوں' اور جو کچھ تم نے پایا وہ میرے باپ ہی کی وجہ سے پایا۔" (الامامت والسیاست ص: ۲۰۰)

بیعتِ ولیعہدی: امیر معاویہ خود بھی یزید کو قابل خلافت نہیں سمجھتے تھے مگر محبت پدری کے جذبے سے اتنے مرعوب ہوئے کہ ہر حال میں یزید کو بادشاہ بنانے پر آمادہ تھے۔ اس کی ایک مثال ابن قتیبہ الدینوری کا یہ بیان ہے۔

"جب دمشق میں معاویہ کے پاس تمام شہروں کے وفد آ گئے تو معاویہ نے ضحاک بن قیس کو بلایا اور اس سے کہا' جب میں منبر پر بیٹھوں اور اپنے وعظ اور گفتگو سے فارغ ہو جاؤں تو تم مجھ سے کھڑے ہونے کی اجازت مانگنا اور جب میں اجازت دیدوں تو اللہ کی تعریف کرنا اور یزید کا تذکرہ کرنا اور جتنا تم سے ہو سکے یزید کی خوب تعریف کرنا اور مجھ کو دعوت دینا کہ میں یزید کو اپنا والی بناؤں۔ کیونکہ میں نے طے کر لیا ہے کہ میں یزید کو والی بناؤں گا۔ میں یزید اور یزید کے علاوہ دوسروں کے معاملہ میں خدا سے خیریت کا طالب ہوں' (یہ جملہ بتاتا ہے کہ معاویہ خود یزید کے حالات سے مطمئن نہ تھے) پھر معاویہ نے عبدالرحمٰن بن عثمان' عبداللہ بن مسعود' ثور بن معن اور عبداللہ بن عصام کو بلایا اور ان سے کہا کہ ضحاک کے بعد تم بھی کھڑے ہو جانا' ضحاک کے قول کی تصدیق وتائید کرنا اور اس کو بیعت یزید کی طرف دعوت دینا۔" (الامامت والسیاست ص: ۱۷۶ ج: ۱)

احمد بن اعثم کوفی نے بھی اسی واقعہ کو بیان کیا ہے لیکن تصدیق وتائید کرنیوالوں کے نام سعید بن عاص' یزید بن مقنع کندی' حصین بن نمیر وغیرہ تحریر کئے ہیں۔[۱] حسن ابراہیم حسن مصری نے تحریر کیا ہے کہ "اس طرح امیر معاویہ نے یزید

[۱] تاریخ اعثم کوفی ص: ۷۳۱

کی بیعت کیلئے حالات کو سازگار بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا جن سے مخالفت کا کھٹکا تھا انہیں مقرب بارگاہ بنا لیا۔ بڑے بڑے عہدے دیئے' ان سے رواداری برتی اور ان کی کوتاہیوں سے درگذر کیا اس طرح اکثریت ان کی ہمنوا ہو گئی اور لوگ یزید کی بیعت پر آمادہ ہو گئے۔ جب شام وعراق کے باشندوں نے بیعت کر لی تو معاویہ یزید کی بیعت لینے مدینہ تشریف لے گئے۔"[۱]

الغرض امیر شام نے حصول مقصد کیلئے خوف ودہشت' وعدہ ووعید' ترغیب وتحریص اور جیسا کہ مذکورہ بالا بیانات سے ظاہر ہوتا ہے دھوکہ وفریب وغیرہ ہر حربے کو استعمال کیا۔ جبکہ دوسری طرف حضرت حسینؑ بن علیؑ ہدایت رسول اور شرائط صلح حسنؑ کے مطابق نہایت صبر وسکوت سے فرائض امامت انجام دیتے رہے اور اسوقت کا انتظار کرتے رہے جسکی بابت حضرت رسول خداؐ نے پیشنگوئی فرمائی تھی۔

امیر معاویہ کی مدینہ میں ترغیب: چونکہ اسلام کی باثر شخصیات جن سے معاویہ کو مزاحمت کا اندیشہ تھا مدینہ میں رہتی تھیں ویسے بھی مدینہ اسلام کا مرکز تھا وہاں کوئی بھی یزید کی بیعتِ ولی عہدی پر آمادہ نہ تھا۔ والئی مدینہ نے جب بھی یزید کی ولیعہدی کی بابت معاویہ کے فرمان کے مطابق بات کی اسے سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ خاص طور پر حسین ابن علیؑ' عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ' عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمرؓ جنکا شمار اسلام کے اہل حل وعقد میں کیا جاتا تھا کسی طرح آمادہ بیعت یزید نہ تھے۔ والئی مدینہ اس صورتحال سے معاویہ کو آگاہ کرتا رہتا تھا۔ لہٰذا شام وعراق کے علاقوں میں یزید کی ولیعہدی کی راہ ہموار کر کے امیر معاویہ بنفس نفیس مدینہ پہنچے۔ جب ان حضرات سے سامنا ہوا تو امیر شام نے تیوری چڑھالی اور سخت کلمات ادا کئے۔ اپنے قیام کے دوسرے روز امیر شام مسجد میں گئے منبر پر بیٹھ کر تقریر شروع کی۔ جس میں یزید کی تعریف وتوصیف بیان کی' اس کی سیاست دانی کا

[۱] مسلمانوں کا نظم مملکت ص: ۵۶

ذکر کیا' اسکے عیوب پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی اور اپنے بعد اسے حاکم و امیر بنانے کی خواہش و تجویز پیش کی۔ نواسہ رسول نے حسب معمول اسوقت بھی معاویہ کا جواب دینا فریضہ امامت سمجھتے ہوئے بعد حمد باری و درود و سلام نبی آخرالزماںؐ ارشاد فرمایا:

"اے معاویہ تعریف کرنے والا کتنی ہی تعریف کرے لیکن صفات رسول کا ایک جز بھی بیان نہیں کرسکتا' اور تم خوب جانتے ہو کہ آنحضرت کی وفات کے بعد لوگوں نے آنحضرت کی صفات بیان کرنے میں کتنی کمی کردی۔ اور جن امور میں پیغمبر سے بیعت کی تھی اس سے کس طرح انحراف کیا۔

ہاں ہاں اے معاویہ بیشک صبح کے نور نے رات کی تاریکی کو دور اور آفتاب کی چمک نے چراغوں کی روشنی کو مدہم کردیا۔ تم نے بہت سی باتوں کے اظہار میں زیادتی کی' اور خودغرضی و جانبداری سے کام لیا۔ یہانتک کہ حدِ انصاف سے متجاوز ہوگئے' اور بعض ذکر کرنے والی باتوں کو بیان نہیں کیا بلکہ اس کے اظہار میں بخل کیا۔

اور جو کچھ تم نے یزید کے کمالات اور امت مسلمہ کیلئے اسکی سیاست دانی کا تذکرہ کیا اسے میں سمجھا تم چاہتے ہو کہ یزید کے بارے میں لوگوں کو ایسے دھوکے میں رکھو کہ گویا تم اسکے سامنے کسی غیر معروف انسان کی صفات بیان کررہے ہو یا مخفی شخص غائب کی تعریف کررہے ہو۔ یا ایسی چیز کی خبر دے رہے ہو جسے تم نے مخصوص ذرائع سے حاصل کیا ہے۔ حالانکہ یزید نے اپنا تعرف خود اپنے اعمال ہی کے ذریعہ کرادیا ہے لہٰذا تم کو چاہئے کہ یزید کے متعلق وہی چیزیں ظاہر کرو جو یزید نے اپنے لئے اختیار کی ہیں جیسے لڑائی کیلئے کتوں کا پالنا' کبوتر بازی کیلئے کبوتروں کی پرورش' گانے بجانے والیاں اور مختلف اقسام کے کھیل کود اور جو تم یزید کو حاکم بنانا چاہتے ہو تو اس خیال کو ترک کردو۔ تمہارا کیا فائدہ ہے کہ خدا سے اس حالت میں ملاقات کرو کہ خلائق کا جتنا بوجھ اس وقت تمہارے اوپر ہے اس سے زیادہ ہو۔ خدا کی قسم! تم ہمیشہ ظلم و ستم کی آڑ میں باطل کا ارتکاب اور بغض و کینہ کا

اظہار کرتے چلے آرہے ہو یہانتک کہ برائیوں کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کرلیا ہے۔ حالانکہ اب تمہارے اور موت کے درمیان صرف آنکھ جھپکنے بھر کی دیر ہے لہٰذا ایسے کام کرو جو روز قیامت تمہارے لئے نفع بخش ہوں اور اس دن سے تو چھٹکارہ ممکن ہی نہیں۔

میں تو دیکھتا ہوں کہ تم امر خلافت کا اپنے بعد کیلئے بھی انتظام کررہے ہو اور ہمیں ہمارے آباؤاجداد کی میراث سے روک دینا چاہتے ہو حالانکہ قسم بخدا ہم نسلی و پیدائشی طور پر رسول اللہ کے وارث ہیں اور ہمارے پاس امر خلافت کی وہی دلیل ہے جو تم نے وقتِ وفات رسول خلافت کے سلسلہ میں پیش کی تھی۔ اور (سعد ابن ابی عبیدہ سے) کہا تھا کہ رسول قریش سے تھے اس لئے خلافت قریش کا حق ہے۔ اور سعد ابن ابی عبیدہ کو تمہاری دلیل ماننی پڑی تھی۔ اسی طرح ہم بھی کہتے ہیں کہ "چونکہ رسول ہم میں سے تھے اسلئے خلافت ہمارا حق ہے" مگر اس کے بعد بھی تم لوگوں نے مکاریاں کیں' طرح طرح کی برائیاں کیں اور بہت کچھ کہتے رہے یہانتک کہ ناقہ خلافت اے معاویہ! ایسے راستے سے چلا جس کا رخ تمہارے علاوہ دوسرے کی طرف تھا۔ اے بصیرت والو غور کرو! یہی عبرت حاصل کرنے کا موقع ہے پھر تم نے امر خلافت کیلئے صحابی چھوڑ کر ایک تابعی کو منتخب کیا۔ اس کے علاوہ اگرچہ تمہارے اردگرد ایسے ہی لوگ جمع ہیں جن کے ایمان اور دین پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا لیکن تم نے ان کو بھی چھوڑا اور ایسے کو حاکم بنانا چاہتے ہو جو مسرف اور فاسق و فاجر ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ تم یزید کے اچھے صفات بیان کرکے یہ بھی چاہتے ہو کہ لوگوں کو یزید کے بارے میں دھوکے میں رکھو۔ حالانکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رہنے والا (یزید) تو دنیا میں کچھ دنوں مزے اڑائیگا اور تمہاری اسکی وجہ سے آخرت برباد ہوگی۔ یہی تو کھلا ہوا گھاٹا ہے کاش تم سمجھ سکتے۔" (الامامت والسیاست ص:۱۹۵ ج:۱)

امام کی تقریر کے بعد امیر معاویہ نے سخت پیچ و تاب کی حالت میں لوگوں کو ہدایت کی کہ وہ اپنے کام سے غرض رکھیں اور کسی قسم کی دخل در معقولات کی کوشش نہ

کریں ورنہ جو کچھ افتاد پڑے گی وہ ان کے افعال کی وجہ سے ہوگی۔ حضرت امام حسینؑ و دیگر حضرات کا نام لیکر کہا "اگر انہوں نے یزید کی خلافت کو مان لیا تو بہتر ہے ورنہ میں ان کیساتھ وہی سلوک کروں گا جو کرنا چاہیے"۔ اسی قسم کی باتیں کرکے معاویہ منبر سے اترے اور قیام گاہ کی راہ لی۔ امیر معاویہ کے انتہائی درشت رویہ کے پیش حضرت امام حسینؑ و دیگر معززین رفع شر کی غرض سے وقتی طور پر مکہ چلے گئے۔

مکہ میں ولیعہدی کی بیعت: چند روز مدینہ میں قیام کے بعد امیر معاویہ بھی مکہ تشریف لے گئے۔ شہر کے باہر قیام کیا اور ان چاروں اصحاب یعنی حضرت امام حسینؑ' عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ' عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر کو بلا کر ان سے ملاقات کی' ان سے بڑی مہربانی سے پیش آئے اور انہیں اپنے ساتھ لئے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ پھر تخلیہ میں انہیں یزید کی بیعت پر راضی کرنیکی کوشش کرتے رہے۔ جب ہر طرح ناکام ہوگئے تو جوشِ غضب میں کہا:

"اب میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا۔ خدا کی قسم اگر ایک لفظ بھی کسی کی زبان سے مخالفت کا نکلا تو لفظ ادا ہونے سے قبل اس کی گردن اڑادی جائے گی۔ خیریت اسی میں ہے کہ خاموش رہو۔ اسکے بعد اپنے پولیس افسر کو بلا کر حکم دیا۔ ان میں سے ہر شخص کے پاس دو دو آدمی ننگی تلواریں لیکر کھڑے ہوجائیں۔ اگر ایک لفظ بھی مخالفت کا انکی زبان سے نکلے تو فوراً گردن اڑادی جائے۔ پھر ان حضرات کو ہمراہ لے کر مسجد میں گئے۔ منبر پر کھڑے ہوکر اعلان کیا۔ یہ لوگ مسلمانوں کے سردار اور ممتاز افراد ہیں۔ مسلمانوں میں یہ پختہ کار اور دانشمند خیال کئے جاتے ہیں اور ان کے مشورہ کے بغیر کوئی اہم کام نہیں کیا جاتا۔ ان حضرات نے یزید کی بیعت کرلی ہے تم بھی خدا کا نام لیکر بیعت کرلو۔ یہ سنکر لوگوں نے بیعت کرلی۔ لوگ انہی حضرات کی بیعت کے منتظر تھے۔"
(تاریخ طبری ص: ۲۱۷ ج: ۳' مسلمانوں کا نظم مملکت ص: ۵۶'
ابن الاثیر ص: ۲۵۲ ج:۳' خلافت و ملوکیت ص: ۱۵۳)

اس طرح دھوکہ وفریب' قہر وغضب' ترغیب و تحریص غرضیکہ ہر حیلے بہانے سے ولیعہدی یزید کی بیعت لی گئی۔

بیعت کیا ہے؟: لفظ بیعت کا مصدر باع ہے جسکے معنی فروخت کرنا ہے چونکہ کسی شہ کے فروخت کرنے میں بائع (فروخت کرنے والا) اور مشتری (خریدنے والا) کا عہد و پیمان ہوتا ہے اسلئے لفظ بیعت کا استعمال عہد و پیمان کے معنی میں ہونے لگا۔ [1] شرح نودی میں تحریر ہے کہ "ایک دوسرے کی بیعت کرنے یعنی مبایعت سے مراد آپس میں معاہدہ اور عہد و پیمان کرنا ہوتا ہے اور مبایعت لفظ بیع بمعنی خرید وفروخت سے ماخوذ اور مشتق ہے۔ چونکہ خرید وفروخت کرنے والے چیز لیتے دیتے وقت ایک دوسرے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ اسی طرح معاہدہ کرنے والے بھی مصافحہ کرتے ہیں۔" [2]

اسلامی نقطہ نظر سے بیعت کی بڑی اہمیت ہے زمانہ اسلام میں سب سے پہلی بیعت' بیعت عقبہ اولیٰ ہے۔ اسلامی اصطلاح میں لفظ بیعت مخصوص معنی میں استعمال ہوتا ہے جس کی کچھ شرائط ہوتی ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱) اسلام میں بیعت صرف مذہبی اصول پر ہوتی ہے۔ خلاف شرع اصولوں پر بیعت نہیں لی جاسکتی لہٰذا بیعت صرف مسلمانوں ہی سے لی جاتی ہے۔ کفار سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

۲) بیعت میں جبر وزور کی قطعی گنجائش نہیں ہے۔ بیعت لینے والا اور بیعت کرنے والا اپنی اپنی رائے میں آزاد اور خودمختار ہوں یعنی بیعت بلا جبر و کراہ ہونی چاہئے۔ اگر بیعت لینے والا جبراً بیعت لے تو وہ بیعت نہیں ظلم ہوگا۔

۳) بیعت لینے والا اور بیعت کرنے والا دونوں خدا کی وحدانیت' آنحضرت کی رسالت اور افعال حسنہ بجالانے کا اقرار کریں جس طرح ختمی مرتبت نے قبائل اوس وخزرج سے' حضرت علی و حضرت حسنؑ نے عام مسلمانوں سے اقرار لیا تھا' اور حضرت حسینؑ نے حضرت مسلم کو انہی اصولوں پر بیعت لینے کیلئے کوفہ بھیجا تھا۔

۴) اگر کسی شخص کے اقوال و افعال سے اعلانیہ خلاف شرع امور ظاہر ہوں تو نہ وہ بیعت کا حقدار ہے اور نہ ہی اس کی بیعت کرنا شرعاً جائز ہے۔

[1] منتہی الارب ص: ۱۳۳ ج: ۱' [2] نودی شرح صحیح مسلم ص: ۱۲۵ مطبوعہ دہلی

بیعتِ یزید کی حقیقت: یزید کیلئے لی جانے والی بیعت کو کسی طور پر بھی اسلامی اصطلاح میں بیعت نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ بیعت کی تمہید کے وقت ہی سے ہر قسم کے ناجائز اور غیر اسلامی حربے استعمال کئے گئے بلکہ بقول مولانا مودودی صاحب اس کی "ابتدائی تحریک کسی صحیح جذبہ کی بنیاد پر نہیں ہوئی بلکہ ایک بزرگ نے اپنے ذاتی مفاد کیلئے دوسرے بزرگ کے ذاتی مفاد سے اپیل کرکے اس تجویز کو جنم دیا"۔ حاکم وقت حضرت معاویہ نے قومی خزانہ سے گراں بہا رقم بے دریغ رشوتوں میں لٹائی۔ بادشاہ وقت نے بذات خود اپنی قلمرو میں اپنے بیٹے کی جانشینی کیلئے عوام وخواص پر ہر قسم کا دباؤ ڈالا۔ جسکے نتیجہ میں جبراً ودرہماً ودیناراً حاصل کردہ بیعت ہرگز اسلامی نقطۂ نظر کی حامل نہیں ہوسکتی۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اس کا بہت عمدہ تجزیہ فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

"اس طرح جس تغیر کی ابتداء ہوئی تھی یزید کی ولیعہدی کے بعد سے وہ ایسا مستحکم ہوا کہ موجودہ صدی میں مصطفیٰ کمال کے الغائے خلافت تک ایک دن کیلئے بھی اس میں تزلزل واقع نہ ہوا۔ اس سے جبری بیعت اور خاندانوں کی موروثی بادشاہت کا ایک مستقل طریقہ چل پڑا۔ اس کے بعد سے آج تک مسلمانوں کو انتخابی خلافت کی طرف پلٹنے کا کوئی موقع نصیب نہ ہوسکا۔ لوگ مسلمانوں کے آزادانہ اور کھلے مشورے سے نہیں بلکہ طاقت سے برسر اقتدار آتے رہے۔ بیعت سے اقتدار حاصل ہونے کے بجائے اقتدار سے بیعت حاصل ہونے لگی۔ بیعت کرنے یا نہ کرنے میں مسلمان آزاد نہ رہے۔ بیعت کا حاصل ہونا اقتدار پر قابض ہونے اور قابض رہنے کیلئے شرط نہ رہا۔ لوگوں کو اول تو یہ مجال نہ تھی کہ جس کے ہاتھ میں اقتدار آیا ہوا تھا اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے لیکن اگر وہ بیعت نہ بھی کرتے تو اس کا نتیجہ ہرگز یہ نہ ہوتا تھا کہ جس کے ہاتھ میں اقتدار آگیا ہو وہ انکے بیعت نہ کرنیکی وجہ سے ہٹ جائے۔" (خلافت وملوکیت ص:۱۵۹)

یہ امر حقیقت ہے کہ اقتدار کی مخالفت میں عملی اقدام تو کجا محض لب کشائی کی جرات بھی بجز خاصان خدا کوئی نہیں کرسکتا ایسے میں نمائشی وفود کی بیعت جو اس وقت کی گئی یا کرائی گئی اور جس پر آج بھی فخر کیا جاتا ہے وہ اس وقت کے مخصوص حالات کا لازمی نتیجہ تھا جو شرعاً کسی طرح حجت نہیں ہوسکتا۔ ان حالات میں یہ کہنا کہ یزید کی ولیعہدی پر اجماع ہوگیا تھا درحقیقت "شرعی اور حقیقی اجماع" کی توہین ہے۔ یزید کی بیعت کے ضمن میں ابن حجر مکی نے تحریر کیا ہے۔

ترجمہ: "اس لشکر کا امیر (مسرف) راضی نہیں ہوا سوائے اس شرط کے کہ یزید کی بیعت اس شرط سے مشروط ہو کہ بیعت کرنے والے کو یزید اگر چاہے تو بیچ ڈالے یا آزاد کردے اور جب کسی شخص نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ پر بیعت کرنے کو کہا تو اس کی گردن ماردی۔" (صواعق محرقہ ص:۱۳۲)

یہی رائے طبری' ابن اثیر وغیرہ کی ہے اور مسعودی نے بھی یوں ہی تحریر کیا ہے۔

"وبایعوا النّاس علیٰ انھم عبد لیزیدومن ابی ذلک امرہ مسرف علیٰ السیف۔" (مروج الذہب ص:۵۰ ج:۶)

یعنی لوگوں نے اس شرط پر یزید کی بیعت کی کہ ہم یزید کے غلام ہیں اور جس کسی نے انکار کیا اسے امیر لشکر یزید مسرف نے تلوار کے حوالہ کردیا۔

عموماً یہ ذہن نشین کرانیکی کوشش کی جاتی ہے کہ یزید کی بیعتِ ولیعہدی پر اجماع صحابہ عظام ہوگیا تھا۔ یہ تاثر قطعی غلط ہے کیونکہ جماعت صحابہ کے اہل حل وعقد نے متفقہ طور پر اس ولیعہدی سے اپنی نفرت وبیزاری کا علی الاعلان اظہار فرمایا تھا۔ جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کا واقعہ بخاری ونسائی اور بہت سی دیگر مستند کتب میں مرقوم ہے کہ آپ نے یزید کی ولیعہدی کی بدعت کو سنت قیصر وکسریٰ قرار دیا تھا۔ اسی طرح عبداللہ بن زبیرؓ' حسین بن علیؑ' عبداللہ بن عمرؓ' عبداللہ بن جعفرؓ' سعید بن عثمان' احنف بن قیس' عبداللہ بن عباس وغیرہ کے بیانات بھی کتب تواریخ میں مرقوم ہیں۔

یزید کی ولی عہدی کو جائز ثابت کرنے والوں کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ:

"سب سے زیادہ حیرت مجھے اُس استدلال پر ہے جس سے یزید کی ولیعہدی کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بعض حضرات یہ تو مانتے ہیں کہ اس کاروائی سے برے نتائج برآمد ہوئے۔ مگر وہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ اگر یزید کو جانشین نامزد کرکے اپنی زندگی ہی میں اس کیلئے بیعت نہ لیتے تو ان کے بعد مسلمانوں میں خانہ جنگی ہوتی اور قیصر روم چڑھ آتا اور اسلامی ریاست ہی کا خاتمہ ہوجاتا' اس لئے ان بدترین نتائج کی بہ نسبت وہ نتائج کمتر ہی برے ہیں جو یزید کی ولیعہد بنانے سے رونما ہوئے۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر فی الواقع حضرت معاویہ کا یہ خیال تھا کہ ان کے بعد کہیں جانشینی کیلئے امت میں خانہ جنگی برپا نہ ہو' اور اس بنا پر وہ یہ ضرورت محسوس فرماتے تھے کہ اپنی زندگی ہی میں اس کا فیصلہ کرکے اپنے ولیعہد کیلئے بیعت لے لیں' تو کیا وہ اس نہایت مبارک خیال کو عمل میں لانے کی یہ صورت اختیار نہ فرما سکتے تھے کہ بقایائے صحابہ اور اکابر تابعین کو جمع کرتے اور ان سے کہتے کہ میری جانشینی کیلئے ایک موزوں آدمی کو میری زندگی ہی میں منتخب کرلو اور جس کو وہ لوگ منتخب کرتے اس کے حق میں سب سے بیعت لے لیتے؟ اس طریق کار میں آخر کیا امر مانع تھا؟ اگر حضرت معاویہ یہ راہ اختیار کرتے تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ خانہ جنگی پھر بھی برپا ہوتی اور قیصر روم پھر بھی چڑھ آتا اور اسلامی ریاست کا خاتمہ کرڈالتا؟" (خلافت وملوکیت ص:۳۳۶)

اب رہا یہ سوال کہ مسلمانوں نے یزید کی بیعت کیوں کی تو تاریخ کا مطالعہ کرنیوالے جانتے ہیں کہ خوفزدہ مسلمانوں نے یزید کی نہیں بلکہ اقتدار بنی امیہ کی بیعت کی تھی اور اس کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ جب بنی امیہ کی تلوار کند ہوئی' ان کا شیرازۂ اقتدار منتشر ہوا تو یزید کی بیعت کرنیوالوں ہی نے واقعہ کربلا کی آڑ میں یزید

کے خلاف نعرہ بلند کرکے بنی امیہ کو صفحۂ ہستی سے مٹادیا۔ جنہوں نے یزید کی بیعت کی تھی انہوں ہی نے یزید کی گلی سڑی ہڈیوں کو قبر کھود کر نکالا اور نذرِ آتش کردیا۔[۱] ان حالات کی موجودگی میں یہ کہنے کی قطعی گنجائش نہیں کہ مسلمانوں نے بہ رضا ورغبت اور یزید کو حکومت کا اہل جان کر اسکی بیعت کی تھی۔

امیر معاویہ کی وفات: بیعت ولی عہدی کے بعد امیر معاویہ کامیاب وکامران حجاز سے دمشق کی جانب روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک مقام ابوموضع میں قیام کیا۔ شب کے وقت رفع حاجت کیلئے خیمہ سے نکلے قریب ہی پانی کا ایک کنواں تھا جس میں انہوں نے جھانک کر دیکھا۔ کنویں کے بخارات کے اثر سے مرض لقوہ لاحق ہوگیا۔ بہ مشکل تمام اپنے خیمہ میں واپس آئے' بستر پر دراز ہوگئے۔ جب سب لوگ چلے گئے اور آپ تنہا رہ گئے تو آپ بہت گھبرائے اور رونے لگے ایسے میں مروان وہاں پہنچا اور رونے کا سبب دریافت کیا جواب ملا" میں بہت سے کام نہ کرسکا اسکے سبب افسردہ ہوں اور جو گناہ مجھ سے سرزد ہوئے ہیں ان کا افسوس آتا ہے۔ دوسرا سبب یہ کہ یہ بیماری ایک ایسے عضو پر لاحق ہوئی ہے جو ہمیشہ کھلا رہتا ہے اور تمام اعضاء سے اچھا ہے۔" بہرحال سفر کی منزلیں طے کرتے ہوئے اپنے دارالخلافہ پہنچ گئے۔ مرض نے شدت اختیار کی، حالت دن بدن خراب ہوتی گئی۔

اسی علالت کے آخری ایام میں یزید کے اصرار پر اپنے تمام دوستوں' امیروں اور سرداروں کو طلب کیا اور دربان کو حکم دیا جو کوئی بھی اندر آئے اسے نہ روکے۔ جب لوگ جمع ہوگئے تو ضحاک بن قیس اور مسلم بن عقبہ نے جو امیر شام کے دست راست و رازدار تھے' درخواست کی کہ یزید کو خلیفہ بنادیں۔ امیر معاویہ نے انہیں زیادہ مُصر دیکھ کر ضحاک سے کہا" یزید سے بیعت کر" اس نے بیعت کی۔ اسکے بعد مسلم بن عقبہ نے اور پھر سب لوگوں نے بیعت کرلی۔ اسکے بعد امیر معاویہ

[۱] یزید نامہ' خواجہ حسن نظامی

نے یزید سے کہا خلافت کا لباس پہن۔ اس نے وہ لباس پہنا اور مسجد میں جا کر خطبہ دیا۔ ہر قسم کی باتیں کرتا رہا حتیٰ کہ شام ہوگئی۔ منبر سے اتر کر باپ کے پاس پہنچا' دیکھا کہ وہ نزع کی حالت میں بے چین ہیں۔ نصف شب کے وقت جب ہوش میں آئے تو ضحاک اور مسلم کو طلب کیا اور وصیت نامہ دیا جسے ضحاک نے پڑھنا شروع کیا۔ ابن اعثم کوفی نے اس وصیت نامہ کو اپنی تاریخ میں رقم کیا ہے جو اسطرح ہے۔

وصیت نامہ: یہ عہد نامہ معاویہ ابن ابوسفیان کی طرف سے اپنے بیٹے یزید کیساتھ ہے اور وہ اس کیساتھ خلافت کیلئے بیعت کرتا اور عہدۂ خلافت اسکے حوالہ کرتا ہے بایں شرط وہ عدل وانصاف کے طریقہ پر چلے۔ میں اسے خلافت دیتا ہوں اور امیر لقب دیتا ہوں اور حکم دیتا ہوں کہ یزید انصاف کرنیوالوں اور صاحبانِ تسلیم ورضا کی خصلتوں پر قائم رہے۔ مجرموں اور خطا کاروں کو انکی خطاؤں کی موافق سزا دے۔ عالموں اور امن پسندوں کو اچھی طرح رکھے انکے حال پر احسان اور شفقت کرتا رہے۔ عوام الناس اور عربی قبیلوں خاص کر قبیلہ قریش پر رعایت کرنی لازم سمجھے۔ اور دوستوں کے قاتلوں کو اپنے پاس سے دور رکھے۔ مظلوم مقتول یعنی عثمان کی اولاد کو اپنے پاس رکھے انہیں آلِ ابوتراب پر ترجیحی دیتا رہے۔ بنی امیہ وآلِ عبدشمس کو بنی ہاشم اور دوسرے شخصوں سے مقدم رکھے اور جو شخص اس عہد نامہ کو پڑھے اپنے امیر یزید کی اطاعت وفرمانبرداری کرے پس اس پر مرحبہ اور شاباش ہے اور جو شخص اس سے منحرف ہو اور انکار کرے اسکے واسطے اجازت ہے کہ تلوار سے اسکی خبر لی جائے اور انہیں قتل کریں جبتک یزید کی خلافت اور امارت کا اقرار نہ کریں اور مطیع وفرمانبردار نہ ہو جائیں۔ جس شخص کے ہاتھ میں یہ کاغذ ہو اور اسے وہ قبول کرے اس پر سلام ہو۔"[1]

پھر اس عہد نامہ کو لپیٹ کر اور اس پر مہر کر کے ضحاک کے حوالہ کر دیا کہ کل صبح کے وقت منبر پر بیٹھ کر اور اس کاغذ کو لیکر تمام آدمیوں کے سامنے اس طرح پڑھکر

[1] تاریخ اعثم کوفی ص: ۷۴۴

سنا دے کہ سب چھوٹے بڑے' ادنیٰ واعلیٰ سنیں۔ ضحاک نے کہا میں یہی کرونگا۔ پھر امیر معاویہ نے یزید کو بہت سی نصیحتیں کیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ "میں خلافت کے معاملہ میں تیری طرف سے چار قریشی شخصیتوں سے ڈرتا ہوں یعنی ابوبکر کے بیٹے عبدالرحمٰن' عمر بن خطاب کے فرزند عبداللہ' عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علیؑ بن ابیطالب" پھر ان میں سے ہر ایک کی بابت نصیحتیں کیں۔ بالاخر انکی آواز بند ہوگئی۔ یزید وہاں سے اٹھ کر باہر چلا گیا اور شام کے ایک موضع جسے حوران مثنۃ کہتے ہیں سیر وشکار کو نکل گیا اور ضحاک سے کہہ گیا کہ امیر کے حال کی خبر دیتا رہے۔ جب معاویہ کا انتقال ہوا تو یزید اسکے پاس نہ تھا خبر ملنے پر تین دن بعد دمشق پہنچا۔ اسطرح انیس سال تین ماہ بادشاہت کر کے پچھتر سال کی عمر میں ۱۵/رجب ۶۰ھ بروز اتوار امیر معاویہ نے وفات پائی۔[1]

مطالبہ بیعت: امیر معاویہ جب مدینہ میں یزید کی بیعت کیلئے گئے تھے اور حضرت امام حسینؑ سے ان کی ملاقات ہوئی تھی اس وقت ان کا پہلا فقرہ یہ تھا کہ "نہ تمہارے لئے خوشی ہو نہ برکت' تم ایک قربانی کا دنبہ ہو جس کا خون جوش کھا رہا ہے۔ خدا کی قسم یہ خون ضرور بہایا جائیگا۔"[2] اپنی زندگی میں تو امیر معاویہ اپنی قسم کو پورا نہ کر سکے البتہ اسکا بار اپنے بیٹے کے کاندھوں پر ڈال گئے۔ یزید نے تخت حکومت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلا کام یہی کیا کہ حضرت امام حسینؑ کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔ بقول علامہ سبط ابن جوزی "باپ کی موت کے بعد یزید کا کوئی مقصد نہ تھا مگر یہ کہ ان اشخاص سے بیعت لے جن کے نام باپ نے اسے گنوائے تھے۔"[3] پس یزید نے ولید بن عقبہ بن ابوسفیان حاکم مدینہ کو لکھا کہ ان اشخاص سے بیعت لے اس میں کسی قسم کی ڈھیل نہ کرے۔ ابن اثیر کے بیان کے مطابق یزید نے ولید کو معاویہ کی خبر مرگ سے آگاہ کیا اور لکھا کہ:

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو تاریخ اعثم کوفی ص: ۷۴۴ تا ۷۵۳ [2] تاریخ کامل ص: ۲۵۴ ج: ۳ [3] تذکرۃ الخواص ص: ۲۸۸

"فخذ حسینا وعبداللہ بن زبیر بالبیعۃ اخذاً لیس فیہ رخصۃ حتیٰ یبایعوا"۔ (الکامل ص: ۶ ج: ۴)

یعنی حسین اور عبداللہ بن زبیر سے بیعت لو۔ بیعت کے سوا ان کیلئے اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

ابن اعثم کوفی کے مطابق یزید نے ولید کو لکھا کہ "تو اس خط کے مضمون سے واقف ہوتے ہی مدینہ والوں سے بیعت لے لے اور ان کے بعد حسین ابن علیؑ' عبداللہ بن زبیر' عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے بیعت لے اگر وہ بخوشی بیعت کر لیں تو اچھا ہے ورنہ ان سے بہ جبر بیعت لے اور ان میں سے جو شخص بیعت نہ کرے اسے قتل کر کے سر میرے پاس روانہ کر۔"[1] گویا اس خط کے ذریعہ ہر حال میں بیعت لینے کی ہدایت کی گئی تھی اور جو بیعت سے انکار کرے اسے قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں لکھ آئے ہیں اور بکثرت کتب ثقاۃ میں بتواتر درج ہوتا چلا آ رہا ہے کہ یزید کی بیعت سے مراد یہ اعتراف تھا کہ ہم بادشاہ کی ملکیت ہیں بیعت میں کتاب وسنت کی شرط لگانا ایک ایسا سیاسی جرم تھا جس کی سزا قتل تھی۔ اسطرح اس عہد میں بیعت کے معنی ہی بدل گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ بیعت کا یہ نیا مفہوم نہ اسلامی دستور کے مطابق تھا اور نہ انسانی شرافت وعزت اور آزادی ضمیر کیلئے قابل برداشت۔

الغرض جب ولید نے خط پڑھا تو مروان بن حکم کو طلب کیا۔ اسے یزید کے خط سے آگاہ کر چکے بعد اس سے مشورہ کیا کہ تیری کیا رائے ہے۔ میں ان کیساتھ کیا سلوک کروں۔ مروان نے جواب دیا "میری رائے یہ ہے کہ اسی وقت کسی کو بھیج کر انہیں بلا لے اور انہیں بیعت واطاعت کی دعوت دے اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان کی گردنیں اڑا دے قبل اس کے کہ انہیں معاویہ کی موت کا علم ہو کیونکہ اگر انہیں علم ہو گیا تو ہر ایک کو دوڑے گا اور اختلاف ومخالفت کا اظہار کرے گا اور اپنی طرف لوگوں کو بلائیگا۔" ابن اعثم کوفی نے مروان کی رائے کو تفصیل سے لکھتے ہوئے

[1] تاریخ اعثم کوفی ص: ۷۵۵

اس کا یہ بیان بھی لکھا ہے کہ "اور خوب سمجھ لے کہ حسین ہرگز ہرگز یزید کی بیعت اختیار نہ کریگا۔ خدا کی قسم اگر میں تیری جگہ ہوتا تو حسین سے کچھ بھی نہ کہتا اُسے قتل ہی کر ڈالتا اور ذرا نہ ڈراتا۔" ولید نے سر جھکا لیا اور کچھ دیر تک غور وفکر میں رہا۔[1]

پس ولید نے عبداللہ بن عمر بن عثمان کو امام حسین اور عبداللہ بن زبیر کی طرف بھیجا اس نے دونوں کو مسجد میں روضہ رسولؐ پر پایا۔ ان سے کہا "امیر تمہیں بلا رہا ہے" انہوں نے کہا تم جاؤ ہم ابھی آتے ہیں۔ زبیر نے امام حسینؑ سے کہا "اس نے ہمیں کیوں بلایا ہے حالانکہ اس وقت وہ کسی خاص کام کے علاوہ نہیں بیٹھا کرتا" آپ نے فرمایا "میرا خیال ہے کہ ان کا سرپرست سرکش مر گیا ہے پس اس نے اس لئے بلایا ہے کہ ہم سے یزید کی بیعت لے قبل اس کے کہ لوگوں میں وفات سرکش کی خبر پھیلے۔"[2]

اس واقعہ کو جملہ علماء ومورخین قدیم نے اپنے اپنے انداز میں بیان کیا ہے ہم یہاں چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ جناب شیخ مفید علیہ رحمہ نے اپنی کتاب "الارشاد" میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

ترجمہ: "ولید نے امام حسین کے پاس شب کے وقت ایک آدمی بھیجا اور آپ کو طلب کیا' حضرت نے سمجھ لیا کہ اس کا مطلب کیا ہے لہٰذا آپ نے اپنے مخصوصین کی ایک جماعت کو بلا کر فرمایا کہ وہ مسلح ہو جائیں اور کہا کہ ولید نے اس وقت مجھے بلایا ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھ سے کسی ایسے امر کی خواہش کرے گا جسے میں منظور نہیں کروں گا اور وہ خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ لہٰذا تم لوگ میرے ساتھ رہو اور جب میں اندر جاؤں تو تم دروازے پر بیٹھنا۔ اگر سننا کہ میری آواز بلند ہوئی تو تم میری حفاظت کیلئے اندر داخل ہو جانا۔"

جناب ابوحنیفہ الدنیوری کا بیان ہے کہ:

ترجمہ: "جب یزید کا خط ولید کے پاس پہنچا تو وہ پریشان ہو گیا اور

[1] تاریخ اعثم کوفی ص: ۷۵۶ [2] ایضاً

اسے فتنہ سورش کا اندیشہ ہوا لہٰذا مروان کو بلا بھیجا۔ حالانکہ ان دونوں کے تعلقات اس زمانہ میں کشیدہ تھے۔ مروان آیا تو ولید نے وہ خط دکھایا اور مشورہ چاہا۔ مروان نے کہا کہ عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمن بن ابوبکر کی طرف سے تمہیں کوئی اندیشہ نہ کرنا چاہئے' وہ اس منصب کے کسی حیثیت سے بھی طلب گار نہیں ہوں گے مگر ہاں حسین ابن علی اور عبداللہ بن زبیر کا تدارک تم پر لازم ہے انہیں اسی وقت بلوا بھیجو اور اگر بیعت کرلیں تو خیر' ورنہ ان دونوں کے سر قلم کردو۔ اس سے قبل کہ اس خبر کا اعلان ہو' اور ان میں سے ہر ایک ایک سمت کو جست وخیز کرنے لگے اور اختلاف ظاہر کرے۔ یہ سنکر ولید نے عبداللہ بن عمر بن عثمان سے جو اس وقت موجود تھا اور وہ بھی کم سن نو جوانی کے حدود سے قریب تھا' کہا کہ بیٹا تم حسین بن علی اور عبداللہ بن زبیر کے پاس جاؤ اور انہیں بلا لاؤ وہ لڑکا روانہ ہوا یہانتک کہ مسجد میں پہنچا دیکھا کہ وہ دونوں بیٹھے ہیں' اس نے کہا امیر نے آپ کو بلایا ہے۔ دونوں نے کہا کہ تم چلو ہم ابھی آتے ہیں۔ وہ لڑکا چلا گیا۔ ابن زبیر نے امام حسین سے پوچھا' آپ کا کیا خیال ہے' ہمیں اس وقت کیوں بلایا گیا ہے۔ حضرت نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ معاویہ کا انتقال ہو گیا ہے اور ہمیں بیعت کیلئے بلایا گیا ہے۔ ابن زبیر نے کہا کہ میرا بھی یہی خیال ہے اور دونوں اپنے اپنے مکان کی طرف واپس گئے۔ امام حسین نے اپنے عزیزوں اور غلاموں کی ایک جماعت کو جمع کیا پھر دارالحکومت کی طرف تشریف لے گئے اور اپنے جوانوں کو حکم دیا کہ وہ دروازہ پر بیٹھیں اور جب آپ کی آواز سنیں تو مکان میں داخل ہو جائیں۔" (الاخبارالطوال ص: ۲۲۸)

علامہ طبری نے اس واقعہ کو مزید تفصیل سے لکھا ہے۔

ترجمہ:" جب معاویہ کے انتقال کی خبر ولید کے پاس پہنچی تو وہ گھبرا گیا اور اسے اس کی بڑی اہمیت محسوس ہوئی اور اس نے مروان

بن حکم کے پاس آدمی بھیجا اور اسے اپنے پاس آنے کی دعوت دی۔ حالانکہ ولید جب مدینہ کا حاکم ہو کر آیا تو مروان نے اس پر ناگواری محسوس کی تھی اور ولید نے اس کی بے رخی دیکھ کر اسے اپنے دربار میں کچھ برا بھلا کہا تھا۔ یہ خبر مروان کو پہنچی تو وہ اس سے کھنچ گیا اور آمد ورفت کم کردی۔ یہ حالت یوں ہی قائم رہی اس موقع تک کہ جب معاویہ کی خبر پہنچی' تو چونکہ معاویہ کے مرنے اور پھر ان لوگوں سے جن کے نام لکھے گئے تھے' بیعت لینے کے لئے مسئلہ کی اہمیت ولید نے بہت محسوس کی تھی اس لئے مجبوراً مروان کو بلایا۔ ولید نے اسے یزید کا خط پڑھ کر سنایا تو اس نے کلمہ استرجاع زبان پر جاری کیا اور دعائے مغفرت کی اس کے بعد ولید نے اصل معاملہ میں مشورہ چاہا اور کہا کہ تمہاری رائے میں ہمیں کیا صورت اختیار کرنا چاہئے۔ اس نے کہا' میری رائے یہ ہے کہ اسی وقت تم ان لوگوں کے پاس آدمی بھیجو اور انہیں بیعت کرنے اور حلقہ اطاعت میں داخل ہونے کی دعوت دو۔ اگر وہ ایسا کریں تو خیر' ان سے پھر تعرض نہ کرو لیکن اگر انکار کریں تو معاویہ کے انتقال کی خبر ہونے سے پہلے ہی ان کی گردنیں ماردو اس لئے کہ اگر ان کو معاویہ کے انتقال کی خبر ہو گئی تو ہر ایک ایک طرف جست کر کے کھڑا ہو جائے گا اور اختلاف کا اعلان کردے گا اور لوگوں کو اپنی طرف بلانا شروع کردے گا پھر کیا جانے کیا نتیجہ ہو۔۔۔۔۔۔ اس گفتگو کے بعد عبداللہ بن عمرو بن عثمان کو جو ایک کمسن لڑکا تھا ان دونوں کے پاس بلانے کیلئے بھیجا گیا۔ اس نے دیکھا کہ دونوں مسجد میں بیٹھے ہیں۔ یہ بلانے ایسے وقت آیا تھا جس وقت عموماً ولید لوگوں سے ملاقات کیلئے نہیں بیٹھتا تھا اور نہ لوگ ایسے وقت ملاقات کے لئے جاتے تھے اس نے کہا امیر نے آپ دونوں کو بلایا ہے۔ دونوں نے جواب دیا کہ جاؤ ہم ابھی آتے ہیں۔ پھر ایک نے دوسرے کی طرف رخ کیا اور عبداللہ بن زبیر نے امام حسین سے کہا کہ آپ کا کیا خیال ہے ہم کو ایسے بے

وقت کیوں بلایا گیا ہے۔ امام نے فرمایا میرا خیال تو یہ ہے کہ ان کا ستم گار حاکم ہلاک ہو گیا اور ہم کو اس لئے بلایا گیا ہے کہ خبر پھیلنے سے پہلے ہم سے بیعت حاصل کرلی جائے انہوں نے کہا میرا بھی یہی خیال ہے۔ (الطبری ص: ۱۸۹ ج: ۶)

مذکورہ بالا بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ متفق علیہ واقعہ تھا جو ان سب کے پیش نظر تھا۔ بیان کرنے میں کسی نے اختصار سے اور کسی نے تفصیل سے کام لیا۔ شیخ مفیدؒ کے مختصر بیان میں یہ تصریح زیادہ ہے کہ "ولید نے امامؑ کے پاس رات کے وقت بھیجا" جبکہ دینوری اور طبری نے ظاہر کیا کہ وہ وقت ایسا تھا جس میں عموماً ولید سے ملاقات نہ ہوتی تھی۔ اس سے بھی مراد رات ہی ہے۔ اسکے علاوہ دینوری نے ولید اور مروان کے باہمی نزاع کا اجمالی تذکرہ کیا جبکہ طبری نے اس نزاع کا ابتدائی سبب بھی بیان کردیا۔ اس نزاع کے باوجود ولید کا مروان کو مشورہ کیلئے بلوانا اس کے انتہائی اضطراب کا پتہ دیتا ہے یعنی یزید کا خط ولید کی شدید پریشانی باعث تھا۔ اسی تشویش کے پیش نظر اس نے مروان سے مشورہ طلب کیا تا کہ اس کے اختیار کردہ طرز عمل میں مروان بھی شریک ہو جائے۔

نیز مروان کا یہ مشورہ دینا کہ "اگر یہ دونوں بیعت نہ کریں تو فوراً ان کا سر قلم کردو" اس امر کی دلیل ہے کہ یزید نے اپنے خط میں مطالبہ بیعت کے ساتھ قتل حسینؑ کا حکم دیا تھا تب ہی تو مروان نے یہ مشورہ دینے کی جرأت کی۔ مگر ولید نے خوف خدا محسوس کرتے ہوئے مروان کے مشورے اور یزید کے حکم پر عمل نہیں کیا جس کے لازمی نتیجہ کے طور پر ولید کو معتوب ہونا پڑا۔

اس تمام تفصیل کی موجودگی کے باوجود ان لوگوں کے خیال کی کیا حقیقت ہے جو ایسا گمان کرتے ہیں یا دوسروں کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ "یزید بذاتِ خود امام حسینؑ کے قتل کا خواہاں نہ تھا، اور یہ ابنِ زیاد کا بطور خود ایک اقدام تھا جسکے متعلق یزید کی کوئی ہدایت موجود نہ تھی"۔ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ شروع ہی سے یزید نے طے کرلیا تھا کہ بیعت نہ کرنیکی صورت میں امام حسینؑ کا قتل لازمی ہے جسکی

تعمیل ولید نہ کر سکا اس لئے معتوب ہوا اور ابنِ زیاد نے اس کی تعمیل کی لہٰذا اس کے اثر ورسوخ میں اضافہ ہوا۔

الغرض یہ دونوں صاحبان وہاں سے جدا ہوئے اور ابنِ زبیر راتوں رات مکہ کی طرف ایک غیر معروف راستے سے اپنے بھائی جعفر بن زبیر کیساتھ نکل گئے۔ ان کے پیچھے کچھ لوگ بھیجے گئے لیکن وہ آگے نکل چکے تھے۔ [1]

حضرت امام حسینؑ گھر آئے، غسل کیا اور لباس تبدیل کر کے دو رکعت نماز پڑھی۔ تیس یا پچاس جانثارانِ بنی ہاشم کو اپنے ساتھ لیا اور ان کو ہدایت کی "میں ولید سے ملنے جاتا ہوں۔ جب میں بلاؤں یا میری آواز بلند ہو تو تم سب میرے پاس چلے آنا ورنہ جب تک میں باہر نہ آؤں اپنی جگہ پر ٹھہرے رہنا۔" [2]

ولید کی دعوتِ بیعت: ادھر مروان کا ولید کو مشورہ تھا کہ معاویہ کی خبر انتقال سے پہلے بیعت لے لینا۔ اگر یہ لوگ بیعت کریں تو خیر ورنہ ان کی گردن اڑا دینا۔ بہر حال امام حسینؑ ولید کے پاس گئے۔ مروان اور ولید دونوں کو ایک جگہ بیٹھے دیکھا تو آپ کو تعجب ہوا کیونکہ پہلے ان میں بدمزگی و نااتفاقی تھی۔ ان کے اتفاق کو دیکھ کر آپ نے فرمایا۔ "میل قطع تعلق سے اور صلح فساد سے بہتر ہے۔ یہ موقع آگیا کہ تم دونوں مل جاؤ، خدا تم دونوں میں موافقت پیدا کرے"۔ امام کے ان ارشادات کا اثر مروان نے تو نہیں لیا البتہ ولید پر آپ کی صلح جوئی کا ضرور اثر پڑا' ولید نے امام کو معاویہ کی خبر مرگ سنائی اور یزید کی بیعت کی دعوت دی۔ آپ نے فرمایا کہ بیعت کی دعوت دی۔ آپ نے فرمایا کہ "یہ معاملہ تو بہت مشکل ہے۔ تنہائی کی بات ٹھیک نہیں ہوتی۔ کل جسوقت یہ خبر عام ہو جائے اور تو اور لوگوں سے بیعت لینے لگے اسوقت مجھے بھی بلا لینا۔ پھر جو کچھ مناسب ہوگا دیکھا جائے گا۔" [3]

علامہ محسن عاملی نے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "امام نے یہ نہ چاہا کہ انکار بیعت کا اظہار بصراحت کریں۔ صلح کیساتھ بچنا چاہا اس لئے مراد کو اشارہ سے ظاہر کیا"۔ [4]

۱ تذکرۃ الخواص: ۲۸۹ ۲ الکامل ص: ۸ ج: ۷ ۳ تاریخ اعثم کوفی ص: ۵۸ ۴ ... ص: ۱۵۳ ج: ۴

ولید نے امام کی یہ تجویز منظور کر لی اور کہنے لگا آپ خدا کی عافیت و پناہ میں تشریف لے جائیں۔ ابن اثیر نے ولید کیلئے ایک خاص نفسیاتی لفظ منتخب کیا ہے "کان یحب العافیہ" یعنی وہ عافیت پسند تھا۔ لیکن علامہ محسن عاملی لکھتے ہیں کہ "ولید خدا سے خوف کرتا تھا کہ کہیں امام کو اس سے کچھ گزند نہ پہنچ جائے اس لئے کہ وہ امام کے مرتبہ سے واقف تھا۔ صرف یہ نہ تھا کہ وہ عافیت پسند ہی تھا"[1] مروان کو ولید کی آدمیت پسند نہ آئی اس نے کہا "اگر اس وقت حسین بچ گئے اور بیعت نہ کی تو ایسا موقع تمہیں کبھی نہ ملے گا یہاں تک کہ تمہاری اور ان کی بہت سے جانیں جائیں۔ انہیں قید کر لو اگر بیعت کر لیں تو خیر ورنہ گردن اڑا دو"۔ امام حسینؑ فوراً کھڑے ہو گئے فرمایا "اوزرقہ کے بیٹے وہ مجھے قتل کریگا تو جھوٹ بکتا ہے"[2] ادھر امام کی آواز بلند ہوئی ادھر آپ کے ساتھی آواز سنتے ہیں شمشیر بکف ولید کے پاس پہنچنا ہی چاہتے تھے کہ امام باہر چلے آئے اور ساتھیوں کو روک دیا۔ امام کے چلے جانے کے بعد مروان نے ولید سے کہا "تم نے میری مخالفت کی۔ بخدا تم ان پر کبھی قابو نہ پاسکو گے۔" ولید نے جواب دیا کہ "بخدا میں ساری دنیا کے مال و دولت کو قتلِ حسینؑ کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتا ہوں۔ بخدا بروز حشر خونِ حسین کے جرم میں جب کسی کا حساب ہوگا تو اس کے ترازوئے عمل پر کوئی نیکی نہ ہوگی"۔

حضرت امام حسینؑ کے چلے جانے کے بعد ولید نے یزید کو حالات سے مطلع کیا۔ جس کے جواب میں یزید نے لکھا کہ "مجھے اطاعت گزاروں اور مخالفوں کے نام لکھ کر بھیجو اور خط کے ساتھ حسین کا سر بھی بھیجو"۔ قبل اس کے کہ یزید کا خط ولید کو پہنچے حضرت امام حسینؑ مدینہ چھوڑ چکے تھے۔ جب یزید کو اس کا علم ہوا تو اس نے ولید کو معزول کر کے اس کی جگہ عمر بن سعید اشدق کو مدینہ کا گورنر بنا دیا۔

بیعت پر اصرار: یزید اور یزیدیوں کو اپنی حیثیت اور کمزوریوں کا علم تھا اسی لئے انہوں نے حضرت امام حسینؑ سے بیعت کا اصرار انتہائی شدت، سختی اور عجلت

[1] اعیان الشیعہ ص:۱۵۴ ج:۴ [2] الکامل ص:۷ ج:۷

سے کیا اور انہوں نے سب کچھ چھوڑ کر آپؑ کو اور آپ کے بیعت کر لینے ہی کو سب کچھ سمجھ لیا۔ حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ سابق خلفاء کے عہد میں ایک جماعت ایسی تھی جو بیعت سے الگ رہی اور اس وقت کی حکومت نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا کیونکہ شرعاً خلیفہ کے انتخاب کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ "اگر اہل حل وعقد کسی شخص کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر متفق ہو جائیں تو جمہور پر ایسے شخص کی بیعت لازمی ہے"۔ خود امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت عبداللہ بن عمر اور سعد بن وقاص وغیرہ نے نہیں کی تھی۔ امام نے ان کو بیعت پر مجبور نہیں کیا اسلئے کہ جب جمہور نے بیعت کر لی تو چند آدمیوں کے بیعت نہ کرنے سے حکومت کے قیام و نظم میں کسی ابتری کا اندیشہ نہیں رہتا۔

یزید نے امام حسینؑ سے بیعت کا جس شدت سے اصرار کیا وہ طریقہ دوسروں کیساتھ نہیں تھا مثلاً دیگر افراد کے علاوہ خاندانِ بنی ہاشم ہی کے عبداللہ بن جعفر، محمد حنیفہ، عباس ابنِ علیؑ وغیرہ سے بیعت پر کوئی اصرار نہیں کیا۔ حقیقت یہ تھی کہ امام حسینؑ سے بحیثیت پیشوائے امت و روحانی رہنما کے بیعت طلب کی جا رہی تھی تا کہ یزید کی مذہب و اخلاق سے بے پرواہ حکومت کیلئے سندِ جواز حاصل کی جا سکے اور عوام کی نظر میں اسکی درباری معاشرت کو اسلامی معاشرت ثابت کیا جا سکے۔

امام حسینؑ کی ذات کا اثر اگر جمہور پر نہ بھی پڑتا تب بھی وہ اپنی انفرادی رائے کا انتہا مصرف قرار دینے پر کسی طرح بھی راضی نہیں ہو سکتے تھے۔ جبکہ ان کی رائے اس وقت اور بعد میں لاکھوں انسانوں کیلئے خدا اور رسولؐ کے حکم کی ترجمان تھی۔ آپ کیلئے محال تھا کہ آپؑ خلقِ خدا کے حسنِ ظن کو ضائع کرتے اور یزید کی بیعت کر کے دین و ملت کی تاراجی پر آمادہ ہو جاتے۔

انکارِ بیعت: حضرت امام حسینؑ نے صرف یزید کی بیعت ہی سے انکار نہیں کیا بلکہ غیر اللہ کی حکومت سے انکار کیا' باطل کی سربلندی سے انکار کیا' قرآنی جمہوریت

کی فنا سے انکار کیا۔ ایمان کی فروختگی سے انکار کیا' حق و باطل کو گڈمڈ کرنے سے انکار کیا' سیاسی جوڑ توڑ سے انکار کیا' مصلحت اندیشی سے انکار کیا' ملوکیت کا آلۂ کار بننے سے انکار کیا' خدا کے اولوالعزم بندے ابن الوقت نہیں ہوتے بلکہ ابوالوقت ہوتے ہیں وہ زمانہ کے رخ پر نہیں چلتے بلکہ زمانہ کو اپنے رخ پر چلاتے ہیں۔ اور فرزندِ رسول نے بیعت یزید سے انکار کر کے "قرآنی حریت وحق نوازی" کا دیباچہ قائم کر دیا جس کیلئے آگے چل کر آپ کے پاک خون کی سرخی سے کتاب شہادت کی کتابت ہونے والی تھی۔

تاریخ کے اس بھیانک دور میں حضرت امام حسینؑ کیلئے صرف تین صورتیں تھیں جن میں سے کسی ایک کو منتخب کرنا تھا۔ اول یا تو آپ یزید کی بیعت کر لیتے دوئم یا پھر آپ یزید کے خلاف اعلان جنگ کرتے' سوئم یا پھر راہ حق میں شہید ہو جاتے۔ ان میں سے پہلی صورت تو قطعی ناممکن تھی۔ البتہ دوسری صورت ممکن تھی جس میں مدینہ' مکہ' بصرہ' کوفہ' یمن وغیرہ کے قبائل آپ کی مدد کو حاضر ہو جاتے لیکن جمل' صفین' نہروان اور جنگ و صلح حسنؑ کے معرکے فرزندِ رسول کے پیش نظر تھے۔ آپ اُن لڑائیوں کے نتائج سے بھی اچھی طرح واقف تھے اور جنگ کے اثرات پر بھی ناظر تھے۔ اس لئے آپ نے دوسری صورت کو بھی اختیار نہیں کیا۔ اب رہ گئی تیسری صورت جس کیلئے بحکم خدا اور رسولؐ آپ شہادت کے درجات عالیات کو حاصل کرنے کیلئے بخوشی تیار ہو گئے۔ جو انبیاء کرام اور پیغمبر اسلام کی پیشگوئیوں کے عین مطابق تھی۔

مقصدِ عظیم: چونکہ آپ امام وقت اور ہادی برحق تھے لہٰذا فرائض امامت اور امور ہدایت کی انجام دہی آپ کیلئے ضروری تھی۔ ان مقاصد کی تکمیل کیلئے آپ نے وہ طریقہ اختیار فرمایا جس کے اثرات دیرپا اور قیامت تک باقی رہنے والے تھے۔ خواہ اس مقصدِ عظیم کے حصول میں کتنی ہی مصیبتوں کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے اور کتنی ہی

بیش بہا قربانیوں کیوں نہ دینی پڑیں۔

حضرت امام حسینؑ کا مقصدِ عظیم مدینہ میں رہ کر پورا نہیں ہو سکتا تھا اگر آپ ایسا کرتے تو مدینۃ الرسول کی حرمت زائل ہو جاتی جو آپ کسی طرح بھی گوارہ نہ تھی لہٰذا آپ نے مدینہ سے رخصت ہونے کا ارادہ فرمایا اور مخدراتِ عصمت وطہارت اور چند جوانانِ بنی ہاشم کو جن کے نام محضر نامہ کربلا میں تھے سامان سفر تیار کرنے کا حکم دیا اور خود روضۂ رسول پر تشریف لے گئے۔ نماز ادا کی اور بصد رنج وغم مناجات کرتے اور روتے روتے سو گئے۔ خواب میں رسالتمآبؐ کو دیکھا کہ ختمی مرتبت آپ کی پیشانی کا بوسہ لے رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اے نورِ نظر عنقریب تم شہید کر دیئے جاؤ گے۔ امام عالی مقام نیند سے بیدار ہوئے تو نانا کے روضہ سے لپٹ کر دل کی باتیں کرتے رہے حتیٰ کہ صبح صادق کے قریب دولت سرا پر تشریف لائے۔ اسی طرح دوسری شب بھی روضۂ رسولؐ پر تشریف لے گئے۔ بھائی اور ماں کے مزارات پر بھی حاضری دی اور ان سب کو آخری سلام کیا رات بھر عبادت کی۔ حال دل بیان کیا اور رخصت آخر لے کر واپس تشریف لائے۔[1]

مدینہ سے ہجرت: روانگی سے قبل امام حسینؑ نے اپنے بھائی محمد حنفیہ کے نام ایک وصیت تحریر فرمائی اور حفاظت خود اختیاری جو اسلام کا بنیادی حکم ہے کے تحت نانا کا جوار' ماں کی لحد اور بھائی کا مزار چھوڑا اور ۲۸/رجب ۶۰ھ کو مدینہ سے جلاوطن ہو کر مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ مورخین کا بیان ہے کہ مدینہ سے روانگی کے وقت آپ کی زبان پر وہ آیت تھی جو فرعونیوں سے جدا ہوتے وقت حضرت موسیٰ نے تلاوت فرمائی تھی یعنی "فخرج منها خائفا يترقب قال رب نجني من القوم الظالمين" ترجمہ: موسیٰ وہاں سے ڈرتے ہوئے نکلے اور بولے اے

[1] مناقب شہر آشوب ص:۸۸ ج:۴ [2] ابومخنف ص:۱۵

میرے رب اس ظالم قوم سے مجھے بچالے۔ شاہراہِ عام سے سفر کی منازل طے کرتا ہوا قافلہ حسینی ۳ر شعبان ۶۰ھ کو مکہ کی حدود میں داخل ہوا۔ جب آپ نے مکہ کی پہاڑیوں کو دیکھا تو یہ آیت تلاوت فرمائی" ولما توجه تلقاء مدين قال عسى ربي ان يهديني سواء السبيل " ترجمہ: اور جب مدین کی طرف رخ کیا تو کہا کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ لے جائے۔ امام حسینؑ کی مدینہ سے ہجرت ایک عظیم انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ علامہ ابن حجر کا کہنا ہے کہ نفر لمكة خوفاً على نفسه [1] یعنی امام حسینؑ جان کے خوف سے مکہ تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ مخدرات عصمت وطہارت، چھوٹے چھوٹے بچے اور چند جوانانِ بنی ہاشم تھے البتہ آپکی صاحبزادی جناب فاطمہ صغریٰ جنکی عمر سات سال تھی شدید علالت کے باعث آپکے ہمراہ نہ جاسکیں۔ انکی تیمارداری کیلئے حضرت عباس کی مادر گرامی جناب ام البنین کو امام حسینؑ نے مدینہ میں ہی چھوڑ دیا تھا۔ انکے علاوہ ام المومنین جناب ام سلمہؓ بھی کچھ فرائض کی ادائیگی کے سبب مدینہ ہی میں قیام فرما رہیں۔

مکہ میں قیام: کیا انقلابِ زمانہ ہے کہ نانا کو مدینہ میں پناہ ملی مگر نواسے پر مدینہ کی زمین تنگ کردی گئی اور وہ مکہ میں پناہ لینا چاہتے ہیں۔ مکہ وہ شہر ہے جہاں شریعت اسلامی کی رُو سے کسی جانور تک کو اذیت دینا جائز نہیں۔ مگر نواسۂ رسول کو قتل کرنیکی نیت سے اسی سرزمین پر شامی درندے حاجیوں کے بھیس میں روانہ کئے گئے۔ اور فرزندِ رسول بیت اللہ کی حرمت کو قائم رکھنے کیلئے حج ادا کئے بغیر وہاں سے بھی ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔

امام حسینؑ جب مکہ پہنچے تو آپ کی آمد سے اہل مکہ نہایت شاد ومسرور ہوئے۔ اور ہر روز صبح وشام لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ ان ملاقات کرنیوالوں میں عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر بھی شامل تھے۔ اپنے قیام مکہ کے دوران اور اہل کوفہ کے خطوط آنے سے قبل امام عالیمقام نے بصرہ کے پانچ زعما کو اس مضمون کے خطوط ارسال فرمائے۔

[1] صواعق محرقہ ص: ۴۷

"واضح ہو کہ میں اپنے پیامبر کے ہاتھ تم کو یہ خط بھیج رہا ہوں اور تم کو کتاب اللہ اور اللہ کے نبی کی سنت کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔ آگاہ ہو کہ سنت رسولؐ مردہ کی جارہی ہے اور بدعت زندہ کی جارہی ہے۔ اگر تم میرا کہا ماننے پر آمادہ ہو تو میں تم کو راہ ہدایت دکھانے کیلئے مستعد ہوں۔" (الطبری ص: ۲۰۰ ج: ۶)

اسی طرح امام حسینؑ نے جن کو ہدایت کا اہل سمجھا انھیں دعوت دی۔ ان خطوط میں حصول حکومت کا یا فوجیں جمع کرنیکا یا مال واسلحہ کی طلبی کا کوئی تذکرہ نہیں بلکہ راہِ ہدایت دکھانے کی پیشکش کی گئی تھی۔ بہر حال آپ نے ۳ر شعبان ۶۰ھ سے ۸ر ذی الحجہ ۶۰ھ تک مکہ میں قیام فرمایا۔ حج کا زمانہ آیا تو تیس خارجیوں کو حاجیوں کے لباس میں خاص طور پر بھیجا گیا جنکا قائد عمر ابن سعد تھا۔[1] اسکے علاوہ ایک سازش یہ کی گئی کہ ایام حج میں تین سو شامیوں کو بھیجدیا گیا کہ وہ گروہ حجاج میں شامل ہو جائیں اور جہاں، جس حال میں بھی حضرت امام حسینؑ کو پائیں قتل کردیں۔[2]

دوسری طرف اہل کوفہ جو امویوں کے ظلم وجور سے تنگ آئے ہوئے تھے انھیں جب علم ہوا کہ سبطِ رسول مکہ میں قیام پذیر ہیں تو انہوں نے آپکو خطوط ارسال کرنے اور پیغامات بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا۔ ایک خط جس پر اہل کوفہ کی جانب سے سلیمان بن صرد، مسیّب بن نجبہ، رفاعہ بن شداد اور حبیب ابن مظاہر نے دستخط کئے تھے اور جو رمضان ۶۰ھ کو موصول ہوا تھا اس کا خلاصہ پیش ہے۔

"یہ شخص (معاویہ بن ابوسفیان) امت پر مسلط ہو گیا تھا۔ انکے (عوام کے) حقوق چھین لئے تھے۔ بیت المال کو غصب کرلیا تھا۔ ان کی رضامندی کے بغیر ان پر حاکم بن بیٹھا تھا ان کے نیکوں کو قتل کر ڈالا بدوں کو چھوڑ رکھا۔ خدا کے مال کو جباروں اور امیروں کیلئے غرور اور گھمنڈ کا سبب بنا دیا اس کیلئے ویسی ہی تباہی ہو جیسی ثمود پر نازل ہوئی تھی۔ اس وقت ہم پر کوئی امیر نہیں ہے آپ آیئے تاکہ خدا آپ کے ذریعہ سے ہمیں حق پر جمع کردے۔"

[1] تاریخ التواریخ ص: ۲۱ ج: ۶، [2] شہید اعظم ص: ۷۱

اس خط کے دو ہی دن بعد اہل کوفہ کے اکٹھے ۵۳ خطوط امامؑ کو موصول ہوئے اس کے بعد تو کثرت سے خطوط پہنچنے شروع ہوگئے جن میں خدا اور رسولؐ کا واسطہ دے کر لکھا تھا کہ:

"ہم اپنے نفوس کو آپ کیلئے روکے ہوئے ہیں۔ حاکمانِ وقت کے ساتھ نماز میں شرکت نہیں کرتے۔ آپ ہماری طرف آیئے۔ ہم میں ظلم وجور عام ہوگیا ہے اور ہم میں کتابِ خدا اور سنتِ رسول اللہ کے خلاف عمل ہو رہا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ خداوند عالم آپ کی وجہ سے ہمیں حق پر جمع کرے گا اور آپ کے ذریعہ ہم سے ظلم کو دور کرے گا آپ امر خلافت کے زیادہ حق دار ہیں یزید اور اس کے باپ سے جس نے امت سے اس بارے میں غاصبانہ معاملہ کیا ہے جو شراب پیتا ہے بندروں اور تنبوروں سے کھیلتا ہے اور دین کا مذاق اڑاتا ہے۔" (مختصر نہضۃ الحسین از علامہ ہبۃ الدین ص: ۲۱)

ان خطوط کا حضرت امام حسینؑ نے یہ اثر ہرگز نہیں لیا کہ فوراً رخت سفر باندھ لیا ہو بلکہ غور وخوص کے بعد آپ نے فیصلہ کیا اہل کوفہ جو کچھ کہہ رہے تھے وہ شریعت کے اعتبار سے درست اور برمحل تھا ایسے حالات میں ضروری ہوگیا کہ آپ حق کی پکار پر لبیک کہیں اس میں آپ کیلئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہ گئی تھی اہل کوفہ نے تو یہاں تک لکھ دیا تھا کہ "اگر آپ ہماری ہدایت کو نہ آئے تو ہم روزِ قیامت رسول اللہؐ سے شکوہ کریں گے"۔ اسلئے فرزند رسولؐ نے اہل کوفہ کو جواب میں لکھا کہ:

"میں تمہارے خطوط کا مطلب سمجھ گیا اور تم میرے آنے کی جس محبت سے خواہش کر رہے ہو۔ اس سے مطلع ہوا میں تمہارے پاس اپنے چچازاد بھائی، اپنے معتمد علیہ اور اپنے اہلبیت کے ایک فرد مسلم بن عقیل کو بھیج رہا ہوں تاکہ وہ میری طرف سے تمہارے معاملات کی حقیقت معلوم کریں اور پھر مجھے مطلع کریں پس اگر تمہارا وہی معاملہ ہے جو تم نے لکھا ہے اور جو تمہارے وفود نے بیان کیا ہے تو میں انشاء اللہ جلد آؤں گا۔" (اخبار الطوال ص: ۲۲۸)

اس جواب سے قطعی طور پر یہ تاثر نہیں لیا جاسکتا کہ فرزند رسولؐ اپنی ذات

کیلئے کچھ کرنا چاہتے تھے بلکہ آپ جو کچھ کر رہے تھے وہ ایک مقصد اعلیٰ کے حصول کے خیال سے خلقِ خدا کی بھلائی کے پیش نظر اور اصلاح ونیکی کا راستہ اختیار کرنے کی خواہش کو پورا کرنے کیلئے تھا۔ لہٰذا آپ نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ جانے کا حکم دیا۔

دوست احباب کے مشورے: اہلِ کوفہ کے صحیح حالات، ان کی بے وفائی وزمانہ سازی کے پیشِ نظر تو دنیاوی سیاست کا تقاضہ یہ تھا کہ امام حسینؑ عراق کا رخ بھی نہ کرتے یا اگر جاتے بھی تو کم سن بچوں اور مخدرات عصمت کو مکہ میں چھوڑتے یا مدینہ بھیج دیتے اور خود جوانان بنی ہاشم ودیگر طرفداروں کو لیکر غیر معروف راستوں سے چھپتے چھپاتے کوفہ پہنچ جاتے لیکن یہ اس وقت ممکن تھا جب آپ کا مقصد ملک گیری یا حصول سلطنت ہوتا۔ آپ کے پیشِ نظر جو عظیم مقصد تھا اس سے دنیا والے بے خبر تھے۔ دنیا کا تو دستور ہی یہ ہوگیا تھا کہ حکومت واقتدار حاصل کرنے کیلئے سازش، ڈپلومیسی، پالیسی اور اس قسم کے سیاسی حربوں سے کام نکالا جائے مگر علیؑ کے لختِ جگر کے پاس ان حیلوں کی قطعی گنجائش نہیں تھی۔ آپ تو وہی کرتے تھے جس کی قرآن تعلیم دیتا ہے اور وہی کہتے تھے جو قرآن کہتا ہے کوفہ والوں کے بارہ ہزار خطوط موصول ہونے کے بعد سیاست الٰہیہ اور احکامات شرعیہ کا تقاضہ یہی تھا کہ آپ طالبان دین وہدایت کی آواز پر لبیک کہہ کر فرائض امامت سے عہدہ برآ ہوں لہٰذا آپ نے سفر عراق کا ارادہ ظاہر فرمایا۔

مکہ میں جونہی یہ خبر پھیلی آپ کے بہی خواہ خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اس سفر سے باز رہنے کی تلقین کرنے لگے۔ امام وقت نے انکے جواب میں جو کچھ کہا اس کا ماحصل یہ تھا کہ آپ عراق کی جانب بحکم خدا اور رسولؐ اصلاح امت کیلئے جارہے ہیں آپ کا مقصد فساد یا جنگ قطعی نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کوفہ والوں کی ظاہری حالت پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ کو روکنے کی کوشش کی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اقتدار حکومت کو ہی سب کچھ جان کر کہا کہ "ہم آپ

کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ آپ مکہ سے نہ جائیں۔" اس پر امام حسینؑ نے جواب دیا۔ "مکہ میں ایک شخص ظاہر ہوگا جو اسکی حرمت کو باقی نہیں رکھے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ شخص میں ہوں۔" آپ کے عم زاد حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے مدینہ سے ایک خط بھیجا جس میں لکھا "خدانخواستہ اگر آپ قتل ہو گئے تو زمین کا نور بجھ جائے گا اس وقت صرف آپ ہی ہدایت کا نشان اور اہل ایمان کی امیدوں کا مرکز ہیں۔" حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حاکم مدینہ سے ایک خط لکھوا کر بھجوایا جس میں آپ سے امان کا عہد کیا گیا تھا۔ لوگوں نے جب دیکھا کہ امام کا ارادہ راسخ ہے تو انہوں نے درخواست کی کہ "اگر آپ نہیں مانتے تو اتنا کیجئے کہ مخدرات عصمت وطہارت کو یہیں رہنے دیجئے۔" آپ نے اسے بھی مسترد کر دیا۔ شہادت امام حسینؑ کے بعد رونما ہونے والے واقعات سے ظاہر ہو گیا کہ واقعہ کربلا میں مخدرات عصمت کا کتنا عظیم کردار تھا۔ جسکی تفصیل ہم حضرت زینب کے عنوان میں بیان کر چکے ہیں۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے امام حسینؑ کو اہل ضلالت (یزید اور یزیدیوں) سے بیعت کرنیکا مشورہ دیا اور جنگ وجدال سے ڈرایا تو امامؑ نے جواب دیا "اے ابوعبدالرحمٰن کیا تم مرضی خدا کے خلاف دنیا والوں کے بدترین عمل کو نہیں جانتے کہ حضرت یحییٰ ابن ذکریہ علیہ السلام کا سر بنی اسرائیل کے بدکاروں میں سے ایک بدکار کے پاس تحفہ کے طور پر بھیجا گیا؟ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ بنی اسرائیل وقت صبح سے طلوع آفتاب تک ستر انبیاء کو قتل کرتے تھے اور نہایت اطمینان سے بازاروں میں بیٹھ کر خرید وفروخت کرتے تھے جیسے کہ انہوں نے کچھ کیا ہی نہیں۔ لیکن خدا نے ان پر عذاب نازل کرنے میں عجلت نہیں کی بلکہ ان کو مہلت دی اسکے بعد ان سے زبردست انتقام لیا۔ اے ابوعبدالرحمٰن خدا سے ڈرو اور میری نصرت ترک نہ کرو۔"

زراہ بن صالح کا بیان ہے کہ "ہم کچھ لوگ حسینؑ ابن علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم نے حضرت کو اہل کوفہ کے خیالات سے مطلع کیا اور بتایا کہ ان کی

[1] تاریخ بنی ہاشم جلد سوئم میں ملاحظہ کیجئے

تلواریں آپ کے خلاف کھینچی جائیں گی۔ حضرت نے فرمایا مجھے بالکل یقینی طور پر معلوم ہے کہ وہاں میری اور میرے اصحاب کی شہادت ہوگی۔"

محمد حنفیہ مدینہ سے مکہ آئے خدمت امامؑ میں حاضر ہوئے اہل کوفہ کی بے وفائیاں بیان کیں اور امامؑ کو حرم مکہ میں قیام کرنے کا مشورہ دیا۔ امام نے فرمایا "یزیدی مجھے دھوکے سے اچانک قتل کرنے کا قصد کئے ہوئے ہیں مجھے یہ پسند نہیں کہ میری وجہ سے اس محترم گھر کی بے حرمتی ہو۔"

مندرجہ بالا چند بیانات ان واقعات سے ماخوذ ہیں جو مستند کتب میں بالتفصیل مرقوم ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کو پیش آمدہ واقعات کا واضح طور پر علم تھا اور آپؑ نے یہ قدم سوچ سمجھ کر اٹھایا تھا۔ آپ منجانب اللہ اس مہم کیلئے مامور کئے گئے تھے پروردگار عالم نے آپکو اس امتحان میں مبتلا فرمایا تھا جسکے نتیجہ میں امت مسلمہ اور دین الٰہی کی حیات جاودانی کا راز مضمر تھا اسکے بعد ان حضرات کے تبصروں کی کیا وقعت رہ جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ "حضرت امام حسینؑ نے جلد بازی سے کام لیا اور اسوقت کی نمایاں شخصیتوں کی مخالفت کے باوجود آپ عراق کیلئے نکل کھڑے ہوئے۔"

حضرت مسلم بن عقیل

کوفہ روانگی: حضرت مسلم بن عقیل ۱۵ ررمضان المبارک کو مکہ سے روانہ ہو کر مدینہ پہنچے ایک روز قیام کیا اور اپنے دونوں بیٹیوں محمد وابراہیم (جنکی عمریں سات اور آٹھ سال بتائی جاتی ہیں) کو ساتھ لیکر کوفہ کی جانب روانہ ہوئے اور ماہ شوال کی پانچویں تاریخ کو آپ کوفہ پہنچے۔ عوسجہ نامی ایک محبّ اہلبیت کے مہمان ہوئے۔ معززین کوفہ ملاقات کیلئے حاضر ہوئے تو حضرت مسلم نے امام حسینؑ کا خط پڑھ کر سنایا اس پر عابس ابن شبیب شاکری نے کھڑے ہو کر کہا "میں ان لوگوں کی بابت نہیں بتلا رہا ہوں نہ مجھے معلوم ہے کہ انکے دلوں میں کیا ہے نہ میں انکی مدد پر بھروسہ کرنے کی ترغیب دے رہا ہوں میں تو فقط اپنے نفس کا حال بتلا رہا ہوں کہ جب آپ بلائیں گے میں حاضر ہوں آپ کے دشمن سے لڑنے پر آمادہ ہوں اور اپنی تلوار سے آپکی حمایت پر کمربستہ ہوں یہاں تک کہ اللہ سے ملاقات کروں اور اسکے عیوض مجھے سوائے رضائے الٰہی کے اور کچھ مطلب نہیں ہے۔" انکے بعد حبیب ابن مظاہر اسدی اور سعید بن عبداللہ حنفی نے کہا "عابس نے ہمارے دل کی بات کہہ دی قسم ہے وحدہ لاشریک کی ہمارا بھی یہی عقیدہ ہے۔"

کوفہ میں حضرت مسلم کی موجودگی کا علم ہوتے ہی اہل کوفہ جوق درجوق آپ کے پاس آنے لگے اور چند ہی دنوں میں اٹھارہ ہزار کے لگ بھگ افراد نے آپ کی بیعت کر لی۔ تب آپ نے حضرت امام حسینؑ کو خط کے ذریعہ تمام حالات سے آگاہ کیا۔

جب یزید کو معلوم ہوا کہ حضرت مسلم کوفہ میں ہیں تو اس نے والئی بصرہ ابن زیاد کو بصرہ کے ساتھ کوفہ کا بھی گورنر بنایا ہے۔ اور حکم دیا کہ "حسینؑ کوفہ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں ان سے بچاؤ کی تدبیر کر اور مسلم بن عقیل کوفہ میں ہیں ان کو قتل کر دے۔" ابن زیاد بصرہ کے سرداروں کی ایک جماعت کے ہمراہ روانہ ہوا اور شام کے وقت منہ پر کپڑا لپیٹے کوفہ میں داخل ہوا جب وہ اہل کوفہ کی بیٹھک کے سامنے سے گزرتا تو لوگ کہتے "آپ پر سلام ہو اے فرزند رسولؐ" چونکہ اہل کوفہ حضرت امام حسینؑ کی آمد کے منتظر تھے وہ یہ سمجھے کہ امام تشریف لے آئے۔ لہٰذا لوگ گروہ در گروہ اس کے ساتھ ہو گئے اور اسے امام حسینؑ جان کر آمد کی مبارک باد دیتے رہے آخر کار مسلم بن عمر باہلی نے لوگوں کو بتایا کہ یہ حسینؑ ابن علیؑ نہیں بلکہ عبیداللہ ابن زیاد ہے یہ سنکر تمام مجمع چھٹ گیا۔ دوسرے دن ابن زیاد کے حکم سے سب لوگ مسجد جامع میں جمع ہوئے تو اس نے منبر پر جا کر اپنے تقرر کا اعلان کیا لوگوں کو فرمانبردار رہنے کی تاکید کی اور بتایا کہ "میری عادت ہے کہ میں گنہگاروں کے عوض بے گناہوں کو پکڑتا ہوں۔ غائب ہو جانیوالوں کے بدلے حاضر اشخاص کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہوں۔ دوست کے بدلے دوست سے بازپرس کرتا ہوں۔"

ابن زیاد کی عیاری: حضرت مسلم بن عقیل ابن زیاد کی آمد کی اطلاع پا کر ہانی بن عروہ کے مکان میں منتقل ہو گئے اور پوشیدہ رہنے لگے۔ ادھر ابن زیاد نے اپنے ایک غلام معقل کو تین ہزار درہم دیکر اسے ہدایت کی کہ وہ اپنے آپکو شیعہ ظاہر کرے اور حضرت مسلم کا کھوج لگا کر ان سے ملاقات کرے اور یہ کہہ کر انہیں یہ رقم دے کہ اسے دشمن کے خلاف استعمال کریں۔ یہ جاسوس غلام مسلم بن عوسجہ سے مسجد میں ملا اور ان کو بتایا کہ "میں شام کا باشندہ ہوں میرے پاس کچھ رقم ہے سنا ہے کہ خاندان اہلبیت میں سے کوئی شخص یہاں آیا ہوا ہے اور فرزند رسولؐ کیلئے بیعت لے رہا ہے اگر تو مہربانی کرے تو میں آپکی زیارت سے مشرف ہوں اور یہ

مال ان کے حوالے کردوں تا کہ وہ اسے دشمن کے خلاف استعمال میں لائیں۔" مسلم بن عوسجہ نے کچھ پس وپیش کے بعد اس پر یقین کرلیا اور حضرت مسلم سے ملاقات کرانے کا وعدہ کیا اور ایک روز اس جاسوس کو لیکر حضرت مسلم کے پاس پہنچے وہاں ہانی بن عروہ بھی موجود تھے۔ اس جاسوس نے آپ کی بیعت کی اور وہ مال سُپرد کیا۔ واپس آکر تمام ماجرا عبیداللہ سے بیان کردیا۔ ابن زیاد نے اسے ہدایت کی کہ وہ حضرت مسلم کے پاس جاتا رہے تا کہ لوگوں کو شک بھی نہ ہو اور حالات بھی معلوم ہوتے رہیں۔

نامہ بر کی جانثاری: اسی اثنا میں ابن زیاد کے ایک خدمت گار نے آکر بتایا کہ ایک ایسا شخص پکڑا گیا ہے جو کوفہ سے ایک خط لیکر مکہ کی طرف جارہا تھا ابن زیاد نے خط طلب کر کے پڑھا اس کا مضمون یہ تھا۔

> "مسلم بن عقیل کی طرف سے حسینؑ ابن علیؑ کو معلوم ہو کہ میں کوفہ میں پہنچا تمام شیعوں سے ملا آپ کیلئے بیعت لی۔ بیس ہزار اشخاص نے برضا ورغبت آپ کی بیعت اختیار کرلی ہے میں نے انکے نام لکھ لئے ہیں آپ اس خط کے مضمون سے مطلع ہوتے ہیں فوراً چلے آئیں۔ کسی بھی وجہ سے دیر نہ کریں کیوں کہ کوفہ والے آپکے خیرخواہ اور دوست ہیں اور یزید سے متنفر ہیں۔" (تاریخ اعثم کوفی ص: ۷۸۳)

ابن زیاد نے نامہ بر کو بلا کر اس سے پوچھ گچھ کی اور کہا تو دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کر یا تو خط دینے والے کا نام بتادے یا پھر قتل کیلئے تیار ہوجا۔ اس نے جواب دیا میں نام ہرگز نہیں بتاؤں گا خواہ میری جان ہی کیوں نہ جاتی رہے ابن زیاد نے اس کے قتل کا حکم دیا اور وہ قتل کردیا گیا۔

ہانی کی گرفتاری: اسکے بعد ابن زیاد نے محمد بن اشعث، عمر بن حجاج اور اسما بن خارجہ کے ذریعہ ہانی کو بلوایا اور انہیں دیکھ کر کہا "خائن شخص کو اسکے اپنے پاؤں لائے ہیں" پھر اس نے حضرت مسلم کی بابت دریافت کیا ہانی نے لاعلمی ظاہر کی تو ابن زیاد

نے معقل کو بلا کر ہانی سے پوچھا "کیا تو اسے پہچانتا ہے؟" ہانی معقل کو دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہ شخص محب اہلبیت نہیں تھا بلکہ جاسوسی کررہا تھا تب ہانی نے پریشان ہو کر کہا "بخدا میں نے انہیں نہیں بلایا" ابن زیاد نے کہا "پھر اسے میرے پاس لے آ" ہانی نے جواب دیا "خدا کی قسم اگر وہ میرے دونوں قدموں کے سائے میں بھی ہوتے تو بھی میں اپنے قدموں کو بلند نہیں کرتا" ابن زیاد نے ہانی کو چھڑی سے اتنا مارا کہ خون بہنے لگا۔ ہانی نے چاہا کہ قریب کھڑے ہوئے سپاہی کی تلوار چھین لیں لیکن دوسرے سپاہی نے انہیں پکڑلیا۔ ابن زیاد نے چیخ کر کہا کہ اسے گرفتار کر کے ایک کوٹھڑی میں بند کردو۔ اس پر اسما بن خارجہ نے کہا کہ اے امیر ہم تیرے کہنے پر اسے لائے تھے اسکے آنے سے پہلے تو تو نے اس کے واسطے اچھے اچھے وعدے کئے لیکن اب تو غیض وغضب سے پیش آرہا ہے تو نے اس کے چہرے اور داڑھی کو خون میں رنگین کردیا پھر اسے قید خانہ میں ڈال کر قتل کرنا چاہتا ہے۔ اس پر ابن زیاد نے غصہ کی حالت میں حکم دیا کہ اس (ہانی) کو اتنا مارو کہ وہ مرجائے۔

جب ہانی کے قبیلہ والوں کو خبر ہوئی تو بنی مدحج کے تمام جوان دارالامارہ کے دروازہ پر جمع ہوگئے اور بلند آواز سے ہانی کی رہائی کا مطالبہ کرنے لگے۔ ابن زیاد نے قاضی شریح سے کہا کہ وہ ان لوگوں سے جا کر کہے کہ ہانی کو پوچھ گچھ کیلئے روکا ہوا ہے۔ یہ سن کر ہانی نے قاضی شریح سے کہا "خدا سے ڈر و یہ مجھے قتل کرنے والا ہے" لیکن قاضی نے مجمع کے قریب جا کر ابن زیاد کے حکم کی تعمیل کی۔ لوگ قاضی کے بیان پر یقین کر کے لوٹ گئے اور ہانی قید کردیئے گئے۔

حضرت مسلم کی کوشش: جب حضرت مسلم کو ہانی کی گرفتاری کا پتہ چلا تو انہوں نے بیعت کرنے والی جماعت کو طلب کیا فوراً چار ہزار افراد اپنے اپنے جھنڈے لیکر انکے گرد جمع ہوگئے۔ ہانی کو آزاد کرانیکی غرض سے یہ لوگ دارالامارہ کی طرف بڑھے۔ دارالامارہ کا دروازہ بند کردیا گیا۔ حضرت مسلم کے ساتھیوں نے

بلند آواز سے ہانی کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ اتنے میں ابن زیاد کا لشکر آگیا اور حضرت مسلم کے حامیوں سے جنگ کرنے لگا۔ انہوں نے بھی بہادری کا مظاہرہ کیا۔ خونریز معرکہ ہوا۔ جب ابن زیاد نے دیکھا کہ طاقت سے ان پر قابو نہیں پایا جاسکتا تو اس نے حسب عادت عیاری سے کام لیا۔ اس وقت جو سرداران کوفہ اس کے پاس موجود تھے ان سے اس نے کہا کہ وہ اپنے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو ڈرا دھمکا کر حضرت مسلم کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ کریں ورنہ ان کی گردنیں اڑادی جائیں گی۔ موت کے خوف سے یہ تمام سردار قصر پر چڑھ گئے اور اپنے اپنے قبیلے والوں کو پکار پکار کر کہنے لگے "اپنے اہل وعیال کے دشمن نہ بنو! مقابلے سے باز آؤ! اگر تم نے مسلم کا ساتھ نہ چھوڑا تو تمہاری جائیدادیں ضبط کرلی جائیں گی اور تمہارے گھر لوٹ لئے جائیں گے۔" ان کی مسلسل ترغیب کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ رفتہ رفتہ حضرت مسلم کا ساتھ چھوڑنے لگے اور رات کی تاریکی پھیلنے تک حضرت مسلم تنہا رہ گئے۔

ہر طرف تاریکی پھیل چکی تھی حضرت مسلم کوفہ کی گلیوں میں گھوڑا دوڑاتے پھر رہے تھے آخر وہ ایک دروازے کے پاس آکر بیٹھ گئے اس گھر سے ایک بوڑھی عورت نکلی تو حضرت مسلم نے اس سے کہا "اے کنیز خدا مجھے پانی پلادے" اس نے پانی لاکر دیا۔ آپ نے پانی پیا اور اسکے حق میں دعا کی اس نے آپ کی حالت دیکھ کر آپ کا نام ونسب دریافت کیا جب اسے معلوم ہوا کہ آپ فرزندِ رسولؐ کے ایلچی ہیں تو وہ نہایت عزت واحترام سے گھر کے اندر لے گئی۔ اس عورت کا نام طوعہ تھا۔ طوعہ نے کھانا پیش کیا لیکن حضرت مسلم نے کچھ نہیں کھایا دوسرے دن ابن زیاد نے مسجد جامع میں اعلان کیا کہ "جو شخص مسلم کا پتہ بتائے گا اسے دس ہزار درہم بطور انعام دیا جائے گا اور جسکے گھر میں وہ پائے جائیں گے اس گھر کے مالک کو قتل کردیا جائے گا اور اس کا مال واسباب برباد کردیا جائے گا۔" طوعہ کے بیٹے نے دولت کے لالچ میں یا موت کے خوف سے حضرت مسلم کی مخبری کردی جس پر ابن زیاد نے اپنے نائب عمرو بن حریث مخزومی کو تین سو سوار دیکر حضرت مسلم کی گرفتاری کیلئے بھیجا۔

حق کی راہ کا پہلا شہید: گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سن کر حضرت مسلم سمجھ گئے کہ یزیدی لشکر انکی گرفتاری کیلئے آیا ہے لہٰذا انہوں نے طوعہ کا شکریہ ادا کیا اور تلوار سونت کر غضب ناک شیر کی طرح باہر نکلے اس وقت آپکی زبان پر یہ کلمات تھے "میں قسم کھاتا ہوں کہ آزاد ہی رہوں گا اور آزاد ہی رہ کر عزت کیساتھ قتل ہوں گا۔" حضرت مسلم نے حملہ کیا ایک ہی حملہ میں بہت سے یزیدیوں کو موت کے گھاٹ اتاردیا۔ ابن زیاد کو اس حملہ کا علم ہوا تو اس نے عمرو کو پیغام بھیجا کہ "میں نے تجھے تین سو جراروں کے ہمراہ صرف ایک شخص کی گرفتاری کیلئے بھیجا تھا تو نے اسے جنگ کرنے اور کئی افراد کے ہلاک کرنیکا موقع ہی کیوں دیا" اس نے جواب میں کہلایا "کیا تو خیال کرتا ہے کہ مجھے کسی بنئے کے مقابلہ پر بھیجا ہے خدا کی قسم وہ ایک ہزار جوانوں کے ہم پلہ ہے اور اگر ایسے شخص کا کوئی ساتھ دینے اور مدد کرنیوالا ہوتو دنیا کو ہماری نظروں میں تاریک کردیتا۔"[1] حضرت مسلم مقابلہ کرتے ہوئے زخموں سے چور ہو کر ایک جگہ بیٹھ گئے۔ ابن زیاد کے لشکر نے متحد ہو کر حملہ کیا اور ایک کوفی بکر بن حمیران نے تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ آپکا نچلا ہونٹ کٹ گیا۔ حضرت مسلم نے پلٹ کر ایک ہی وار میں اس کو راہی جہنم کیا اسی وقت دوسرے آدمی نے پشت سے نیزہ مارا جس کے صدمے سے آپ منہ کے بل گرے۔ یزیدیوں نے دوڑ کر آپ کو پکڑلیا اور ابن زیاد کے سامنے پیش کیا۔ ابن زیاد نے حضرت امام حسینؑ کی شان میں ذلت آمیز کلمات کہے حضرت مسلم نے جواب دیا تو ابن زیاد نے برہم ہو کر ایک شامی کو جو حضرت مسلم کے ہاتھوں زخمی ہوگیا تھا حکم دیا کہ وہ حضرت مسلم کو قتل کر کے اپنا بدلہ لے۔ لہٰذا وہ شامی آپ کو پکڑ کر قصر امارت کی چھت پر لے گیا اور آپ کا سر تن سے جدا کردیا۔

ہانی کا قتل: اس کے بعد ابن زیاد نے ہانی کو طلب کیا تو محمد بن اشعث نے ہانی کی جان بخشی کی درخواست کی لیکن ابن زیاد نے ایک نہ سنی اور آخر کار ہانی کو

[1] تاریخ اعثم کوفی ص: ۷۸۹

بھی قتل کر دیا گیا۔ ابن زیاد نے حضرت مسلم اور ہانی کی لاشیں سولی پر الٹی لٹکوا دیں اور سروں کو یزید کے پاس دمشق بھیج دیا۔ جب یہ سر یزید کے پاس پہنچے تو اس نے حکم دیا کہ ان دونوں سروں کو دمشق کے دروازے پر لٹکا دیا جائے۔ حکم کی تعمیل ہوئی اور اسطرح حضرت مسلم کی لاش کوفہ میں اور سر دمشق میں آویزاں کیا گیا۔ سانحہ کربلا میں حضرت مسلم خاندان اہلبیت کے پہلے شہید ہیں اور انکا سر پہلا سر تھا جو یزید کے پاس دمشق بھیجا گیا۔[1]

اہل کوفہ میں خوف و ہراس: شہر کوفہ کی سختی سے ناکہ بندی کر دی گئیں تھی کوئی شخص بھی یزیدیوں سے بچ کر نہ شہر سے باہر جا سکتا تھا اور نہ ہی شہر میں داخل ہو سکتا تھا۔ حضرت مسلم اور ہانی کی شہادت کے بعد ابن زیاد نے اجلاس عام کیا اہل کوفہ کے دلوں میں اس کا خوف اس شدت سے بیٹھ چکا تھا کہ کوفہ کا ہر فرد اجلاس میں دست بستہ حاضر ہوا۔ ابن زیاد مرصع تخت پر انتہائی متکبرانہ انداز میں بیٹھا ہوا تھا اس کی آنکھوں سے مکر و دغا کے شرارے پھوٹ رہے تھے۔ معززین کوفہ اور سرداران لشکر اسکے روبرو خاموش بیٹھے تھے اور کثیر تعداد میں عوام جمع تھے ہر طرف سکوت طاری تھا ابن زیاد نے سکوت کو توڑا اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا "میں نے جو کچھ کہا تھا اس کو پورا کر دکھایا ہانی اور مسلم بغاوت کی سزا پا چکے ضرورت ہے کہ میں تم میں سے ان سب کو جنہوں نے دروازہ حکومت (دارالامارۃ) پر حملہ کیا سخت سزا دوں مگر اپنے رحم و کرم سے معافی کا عام اعلان کرتا ہوں۔ لیکن تم لوگ اچھی طرح سمجھ لو کہ آئندہ کوفہ میں بغاوت کا نام بھی میں نے سنا تو گھر کے گھر صاف کر دوں گا۔ اگر یزید کی خلافت سے تم لوگوں نے انکار تو درکنار تامل بھی کیا تو میری تلوار تمہاری نافرمانی کا مزا چکھانے کو کافی ہے۔ حسین ابن علی آنیوالے ہیں یاد رکھو اگر ایک متنفس نے بھی ان کو پناہ دی یا ان کی طرف متوجہ ہوا تو سارے گھر پر بلا نازل کر دوں گا۔"[2]

[1] مزید تفصیل کیلئے روضۃ الشہداء ص: ۲۹۰، ۲۹۱، کشف الغمہ ص: ۹۸، خلاصۃ المصائب ص: ۳۶ وغیرہ
[2] وکالال (علامہ راشد الخیری) ص: ۱۹

پسران حضرت مسلم کی شہادت: دوسرے دن ابن زیاد نے منادی کرائی کہ پسران حضرت مسلم کوفہ میں موجود ہیں جو شخص ان کو پکڑ کر لائے گا ان کو مالا مال کر دیا جائے گا اور جس نے ان بچوں کو پناہ دی اسکے سارے خاندان کو قتل کرا دوں گا۔ اس وقت یہ بچے قاضی شریح کے گھر میں پناہ گزیں تھے ابن زیاد کے خوف سے قاضی شریح نے رات کے وقت ان بچوں کو مدینہ کی راہ پر چھڑوا دیا۔ تاریک رات سن سنا تا جنگل سات اور آٹھ برس کے بچے انتہائی خوف و ہراس کے عالم میں چل پڑے لیکن کہاں جاتے اور کیسے جاتے۔ ہر طرف نظر دوڑائی مگر کوئی مددگار نہ پایا، باپ کا سایہ سر سے اٹھ چکا، گھر سے دور، بے یار و مددگار، چھوٹے چھوٹے سن خوف سے کانپنے لگے۔ آخر کار چلتے چلتے دریا کے کنارے پہنچ گئے، رات بسر کرنے کیلئے ایک درخت پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ صبح کو ایک عورت پانی بھرنے کیلئے آئی اسے پانی میں بچوں کا عکس نظر آیا۔ تو اس نے پلٹ کر درخت پر دیکھا بچے سہم کر ایک دوسرے سے لپٹ گئے ان بچوں کی سہمی ہوئی شکلیں دیکھ کر وہ عورت سمجھ گئی ہو نہ ہو یہ حضرت مسلم کے یتیم ہیں۔ اس نے بڑی شفقت و محبت سے بچوں کو نیچے اتارا۔ وہ تھر تھر کانپ رہے تھے عورت نے ان کو گلے سے لگایا تسلی دی اور اپنے ساتھ لے آئی۔ اپنی مالکن سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ مالکن نے شفقت سے یتیموں کے سروں پر ہاتھ رکھا۔ کھانا پیش کیا اور دل بہلانے کی کوشش کی رات ہوئی تو ایک کوٹھڑی میں سلا دیا۔

رات کا ابتدائی حصہ گذر گیا مالک مکان جس کا نام حارث تھا گھر آیا اور اپنی زوجہ سے کہنے لگا "ابن زیاد نے مسلم کے بچوں پر انعام رکھا ہے میں تمام دن انکو تلاش کرتا رہا لیکن وہ کہیں نہ ملے۔" اسکی بیوی نے کہا "دولت و انعام کے لالچ میں تم یتیموں کی جان لینے پر تلے ہو کیا تمہیں خدا کا خوف نہیں؟" حارث نے اپنی زوجہ کو جھڑک دیا اور بستر پر کروٹیں بدلنے لگا ادھر کوٹھڑی میں دونوں بھائی باہوں

میں باہیں ڈالے سو رہے تھے چھوٹے بھائی نے خواب میں باپ کو دیکھا بے تاب ہو گیا بڑے بھائی نے تسلی و تشفی دینے کی کوشش کی مگر معصوم جذبات قابو سے باہر ہو گئے دونوں بھائی مل کر رونے لگے حارث نے بچوں کی سسکیوں کی آواز سنی تو اس کوٹھڑی میں گیا جہاں یہ دونوں بھائی دبکے بیٹھے تھے اس نے پوچھا "تم کون ہو؟" بچوں نے کہا "ہم مسلم کے یتیم ہیں" حارث آپے سے باہر ہو گیا۔ "میں تو تمہاری تلاش میں سارے شہر کی خاک چھانتا رہا اور تم میرے ہی گھر میں چھپے ہو"۔ وہ بچوں کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا باہر لایا ان کی مشکیں باندھیں۔ اسکی بیوی اور کنیز نے لاکھ منتیں کیں کہ وہ بچوں کو چھوڑ دے لیکن اس ظالم نے ایک نہ سنی صبح ہوتے ہی وہ بچوں کو دریا کے کنارے لے گیا اس کی بیوی اور کنیز بچوں کو چھڑانے کیلئے دریا تک گئیں لیکن اس بدبخت نے ان دونوں کی ایک نہ سنی۔ بچے یہ منظر دیکھ کر اور زیادہ گھبرائے۔ جب وہ ملعون ان کی طرف پلٹا تو بڑے بھائی نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ پہلے اسے قتل کر دے تا کہ وہ اپنے چھوٹے بھائی کو قتل ہوتے نہ دیکھ سکے۔ چھوٹے بھائی نے بھی یہی التجا کی کہ بڑے بھائی سے پہلے اس کا کام تمام کرے۔ اس شقی نے دونوں کو ساتھ کھڑا کر کے ایک ہی وار میں دونوں کے سرتن سے جدا کر دیئے۔ قالوا اناللہ وانا الیہ راجعون.

سفر و منازلِ سفر

امام کی مکّہ سے روانگی: حضرت امام حسینؑ ۲۸ رجب ۶۰ھ بروز اتوار مدینہ سے کوچ کر کے ۳ شعبان ۶۰ھ شب جمعہ کو مکہ میں وارد ہوئے۔[1] اور عبادت و بندگی میں مصروف رہے حتیٰ کہ شعبان، رمضان، شوال اور ذیقعد یعنی چار ماہ گذر گئے۔ ذی الحجہ کا چاند دکھائی دیا عالم اسلام میں حج بیت اللہ و عید قربان کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ کون جانتا تھا کہ نواسہ رسول جگر گوشہ بتولؑ جس نے مدینہ میں قیام کے دوران پچیس حج پا پیادہ ادا کئے وہ حرم کعبہ میں ہونیکے باوجود فریضہ حج ادا نہ کر سکے گا۔ اسلام کے شیدائی سنت ابراہیمی ادا کرنے کیلئے خانہ خدا میں آنے شروع ہو گئے۔ یزید نے اپنے باپ کی آخری نصیحت کو عملی جامہ پہنانے کیلئے بنی امیہ کے شیطانوں میں سے تیس شیطان اس کام پر معمور کئے کہ بیت اللہ کے حاجیوں کیساتھ سفر کر کے حسینؑ کو مکہ میں گرفتار کر لیں اور اگر یہ نہ کر سکیں تو قتل کر دیں۔[2] یزید نے شمع امام گل کرنے کیلئے دوسرا انتظام یہ کیا کہ "عمرو بن سعد بن العاص کو امیر حج بنا کے ایک لشکر اس کیساتھ کیا اور حکم دیا کہ جہاں بھی ہو سکے ان کو شہید کر دیا جائے"[3] علیؑ کے لختِ جگر کو جب انکی آمد کی اطلاع ملی تو آپ نے حرم محترم سے کوچ کا ارادہ ظاہر فرمایا تا کہ بیت اللہ کی حرمت ضائع نہ ہو یہ خدا کے رسول کا فرمان تھا کہ "مکّہ میں خون بہایا جائے گا اور خانہ خدا کی بے حرمتی ہوگی۔" آپ کسی صورت میں بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کی وجہ سے حرمت کعبہ زائل ہو

[1] البدایہ والنہایہ ص: ۱۵۸ ج: ۸، [2] تاریخ التواریخ ص: ۲۰۷ ج: ۶
[3] مقتل ابن نما ص: ۸۹، شہید اعظم ص: ۷۱

اورآپ کی شہادت کے اسرار ورموز مخفی رہ جائیں۔ نیز آپ یہ بھی جانتے تھے کہ آپ کی وعدگاہ مکہ نہیں کربلا ہے جیسا کہ رسول خداؐ نے پیشگوئی فرمائی تھی اور آپ نے خود بھی روانگی مکہ سے قبل عازمین حج کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

''ابن آدم کیلئے موت کا نوشتہ اس کی گردن میں یوں آویزاں ہے جیسے دوشیزہ کے گلے میں گلوبند ہوتا ہے مجھے اپنے بزرگوں سے ملنے کا وہی اشتیاق ہے جو یعقوبؑ کو یوسفؑ سے ملنے کا تھا۔ میرے لئے ایک قتل گاہ پسند کرلی گئی ہے جہاں مجھے پہنچنا ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ گویا میرے جوڑ بند الگ الگ کربلا میں پڑے ہیں جو دن رضائے الٰہی کی قلم سے لکھا گیا ہے اس کا آنا لازمی ہے اللہ کی مرضی ہم اہلبیت کی مرضی ہے ہم اس کی بلا پر صبر کرتے ہیں اور وہ ہم کو صابرین کا اجر عطا کرتا ہے۔ رسول اللہؐ سے ان کا گوشت جدا نہیں ہوسکتا بلکہ وہ تو خطیرۃ القدس میں ان کے پاس مجموعہ ہوگا اہلبیت سے ان کی آنکھیں خنک ہیں اور ان کے ذریعہ وعدہ الٰہی پورا ہوگا۔[1] آگاہ ہو جو ہماری راہ میں جان دینا چاہتا ہو اور بقائے الٰہی کا مشتاق ہو وہ ہمارے ساتھ چلے میں انشاءاللہ کل صبح روانہ ہوجاؤں گا۔''[2]

امام حسینؑ نے حج کو عمرہ میں تبدیل کیا اور جن جن اشخاص کو ساتھ لے جانا مقصود تھا انہیں دس دس دینار سرخ اور ایک ایک اونٹ دے کر طواف کعبہ کرایا۔ مکہ میں قیام کی آخری شب آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے نفل نماز پڑھیں سجدہ شکر بجالائے۔ یہ رات اسی طرح دعاومناجات میں گذاری وہیں نماز فجر ادا کی اور پھر دولت سرا پر تشریف لائے۔ انتظامات سفر کا جائزہ لیا اور قافلے کی روانگی کا حکم دیا یہ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ اور منگل کی صبح تھی جب حسینی قافلہ مکہ سے روانہ ہوا۔ اس قافلہ میں چھوٹے بڑے سب ملا کر بیاسی (۸۲) افراد شامل تھے۔

---

[1] لہوف ص: ۳۳ [2] مقتل ابن نما ص: ۲

منازلِ سفر: قدمانے سفر امام حسینؑ کے باب میں صرف انہی منازل کا ذکر کیا ہے جن پر کوئی قابل ذکر واقعہ پیش آیا بقیہ کو باعثِ طوالت جان کر نظرانداز کردیا۔ پہلی صدی ہجری اور اس سے قبل بلادعرب' عراق وشام کے کاروانی راستوں کی کیفیت کتب قدیمہ میں موجود ہے مثلاً ابوالفرج قدامہ بن جعفر کی تصنیف ''الخراج وصنعۃ الکتابت'' جس کا اردو ترجمہ سیّد ابوالخیر مودودی صاحب نے کیا ہے اور جسے جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۹۴۰ء میں شائع کیا۔ ہم نے سفر ومنازل سفر کی تفصیلات اپنی کتاب ''کربلا اور کربلا کے بعد'' میں تحریر کی ہیں۔ یہاں صرف منازل کے نام اور ان کا درمیانی فاصلے بیان کرنے ہی پر اکتفا کررہے ہیں۔

مکہ سے ۲۴ میل کے فاصلہ پر بستان ابن عامر کی منزل تھی اس سے ۲۲ میل دور ذات العرق تھا یہاں پانی کی بہتات تھی اور عراق سے آنے والے حجاج یہاں احرام باندھتے تھے یہاں سے کچھ آگے بڑھ کر دوراستے پھٹتے تھے ایک بصرہ کی جانب جاتا تھا اور دوسرا کوفہ کی سمت۔ اس کے بعد ۲۶ میل کے فاصلہ پر الغمرہ تھا۔ یہاں پانی خوب تھا یہاں سے ایک راستہ یمن کو جاتا تھا۔ الغمرہ سے ۱۸ میل دور المسلح تھا یہاں پانی کافی تھا اس سے ۲۴ میل کے فاصلہ پر افاعیہ تھا یہاں پانی کی قلت تھی اس سے ۳۲ میل دور العمق اور اس سے ۲۶ میل دور معدن بنی سلیم تھا یہاں کنوئیں اور حوض تھے۔ یہاں سے ۱۹ میل دور الربذہ تھا جہاں پانی کی افراط تھی اور منبر تھے۔ الربذہ سے ۲۴ میل کے فاصلہ پر مغیثۃ المادن کی منزل تھی اور اس سے ۲۷ میل دور معدن النقرہ کی منزل تھی یہاں کنوئیں اور حوض تھے۔ مدینہ سے کوفہ جانے والا راستہ یہاں آکر ملتا تھا اس سے ۲۷ میل دور الحاجر تھا جہاں کنوئیں اور حوض تھے۔ یہاں سے ۲۳ میل کے فاصلہ پر سمیرا تھا یہاں پانی کے حوض تھے اس سے ۱۶ میل کے فاصلہ پر توز کی منزل تھی جہاں حوض، کنوئیں اور ابودُلف کا بنایا ہوا قلعہ تھا۔ یہاں سے ۳۳ میل دور فید کی منزل تھی جہاں قناۃ، زردع ومنبر تھے۔ یہاں سے ۳۶ میل کے فاصلہ پر الاجفر تھا یہاں

سے ۲۴ میل دور الخزیمہ تھا۔ جس کا قدیم نام زرود تھا یہاں پانی کی قلت تھی جب حزیمہ نے یہاں لاؤ جاری کی تو اس کا نام الخزیمہ پڑگیا۔ یہ ایک آباد شہر تھا جس کے گرداگرد فصیل تھی یہاں منبر، حمام اور حوض تھے۔ یہاں سے ۳۳ میل کے فاصلہ پر الثعلبیہ اور اس سے ۲۹ میل دور قبر العبادی تھا یہاں حوض تھے یہاں سے ۲۹ میل پر الشقوق تھا یہاں کنوئیں تھے اور اس سے ۱۸ میل دور زبالہ ایک آباد اور کثیرالاہل شہر تھا یہاں سے ۲۴ میل پر القاع اور اس سے ۲۴ میل دور العقبہ کی منزل تھی یہاں کنوئیں اور فرودگاہیں تھیں۔ یہاں سے ۲۹ میل پر واقصہ تھا یہاں حوض اور کنوئیں تھے اس سے ۲۴ میل پر القراء کی منزل تھی جہاں کنوئیں تھے اس سے ۳۲ میل دور المغیثہ (شراف) تھا یہاں پانی کے حوض تھے اس سے ۱۴ میل کے فاصلہ پر العذیب کی سرحدی فوجی چوکی تھی یہاں سے قادسیہ تک دو متصل دیواریں تھیں جنکے دونوں جانب نخلستان تھے جب نکلنے والا نکلتا تو جنگل میں داخل ہوجاتا ہے یہی وہ مقام ہے جہاں سے مورخین کے نزدیک حضرت امام حسینؑ نے یزیدی لشکر کی رکاوٹ کے باعث عام شاہراہ کو چھوڑ کر کربلا کا رخ کیا العذیب سے ۶ میل دور قادسیہ کا شہر تھا اور قادسیہ سے پندرہ میل کے فاصلہ پر کوفہ تھا۔

حضرت امام حسینؑ مکہ سے کربلا کیلئے روانہ ہوئے یہیں سے آپ کے تاریخی ''مشن'' کا آغاز ہوتا ہے۔ کرب وبلا کی منزلیں طے ہونا شروع ہوئیں مخدرات عصمت وطہارت اور چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ، گرمی کا موسم، عرب کا تپتا ہوا صحرا، دور دور تک پانی ناپید مگر شہادت گاہ تک پہنچنے کے لئے سیّدہ کا لال ہر دشوار گذر منزل سے گذرتا جارہا ہے۔ ہر موقع پر اخلاق کریمانہ کی بارش ہوتی جارہی ہے اور تعلیم اسلام وتبلیغ حق کا سلسلہ جاری ہے۔

واقعہ کربلا: واقعہ کربلا تاریخ کا ایسا عجیب ونرالا واقعہ ہے جس سے عقل انسانی خیرہ ہوجاتی ہے اور بے شمار سبق آموز پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ طرماح بن عدی نے کوفہ میں جمع ہونے والے انبوہ کثیر کو دیکھ کر امام حسینؑ کو وہاں نہ جانے کا مشورہ تو

دیدیا لیکن انہوں نے حُر کی ایک ہزار فوج جو سائے کی طرح حسینی قافلے کے ساتھ لگی ہوئی تھی اس پر نظر نہیں ڈالی اگر وہی لشکر ان گنتی کے مسافروں پر ٹوٹ پڑتا تو کربلا پہنچنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔

الغرض یہ قافلہ ارضِ نینویٰ کے قریب پہنچا تو حُر کے پاس ابن زیاد کا نامہ بر آیا اور ابن زیاد کا وہ حکم نامہ دیا جس میں ابن زیاد نے تحریر کیا تھا کہ ''حسینؑ کہیں ٹھہرنے نہ پائیں۔ کھلے میدان کے علاوہ کہیں اترنے نہ پائیں۔ میرا یہ قاصد تیرے ساتھ رہے گا تاکہ تو میرے حکم کی پوری تعمیل کرسکے''۔ حُر نے حضرت امام حسینؑ کو ابن زیاد کے حکم سے آگاہ کیا تو زہیر بن قین نے امام حسینؑ سے عرض کیا کہ ''فرزند رسولؐ اجازت دیں تو ہم حُر اور اس کے لشکر سے ابھی نبٹ لیں ان سے لڑنا بہ نسبت مزید آنے والی فوجوں سے لڑنے کے آسان ہے میں قسم کھا کے عرض کرتا ہوں کہ اس کے بعد کثیر افواج آنے والی ہیں۔'' امام حسینؑ نے فرمایا ''میں کبھی ان سے جنگ میں پہل نہیں کروں گا''۔

کربلا: حضرت امام حسینؑ نے لوگوں سے اس جگہ کا نام معلوم کیا تو انہوں نے بتایا کہ اس کا نام ''ماریہ'' ہے آپ نے پوچھا کہ اس کے علاوہ کوئی اور نام بھی ہے لوگوں نے کہا ہاں اسے ''کربلا'' بھی کہتے ہیں یہ سن کر امام حسینؑ نے فرمایا کہ یہ جگہ کرب وبلا کی ہے یہی ہماری منزل ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ کربلا کا قدیم نام ''کوربابل'' تھا جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ کربلا کے متعدد مفہوم ہوسکتے ہیں مثلاً ذور کو حرکت دینا، کربل ایک قسم کی بنات بھی ہے جو اس علاقہ میں پائی جاتی ہے۔ کربلا کا مقام غاضیرہ، نینوا، عقر اور شفیہ کے درمیان واقع ہے اور کربلا کو طف بھی کہتے ہیں اس کو طف فرات یعنی فرات کی ترائی کا نام بھی دیا گیا ہے۔[1] بیسویں صدی میں عراق کے دریاؤں پر بند باندھنے کی وجہ سے اب

---

[1] معجم البلدان ص: ۲۲۶ ج: ۷

کربلا کی قرب وجوار میں زراعت بھی ہونے لگی ہے اور باغات بھی ہیں لیکن وہ ریگستانی علاقہ بھی موجود ہے جو عہد قدیم کی یاد دلاتا ہے۔ موجودہ شاہراہ کے ذریعہ عراق کی پایہ تخت بغداد سے کربلا کا فاصلہ سینتالیس میل یا پچھتر کلومیٹر ہے جبکہ قدیم میں یہ فاصلہ چونسٹھ میل تھا یہی وہ مقام ہے جہاں اپنی نوعیت کا دنیا کا سب سے اہم اور عظیم واقعہ رونما ہوا۔ یہیں پر حق وباطل کا فیصلہ ہوا، اور دنیا کی عظیم ترین قربانی اسی مقام پر پیش کی گئی۔

جملہ مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ جس روز حضرت امام حسینؑ کربلا میں وارد ہوئے وہ ۲ محرم ۶۱ھ اور جمعرات کا دن تھا۔ امام حسینؑ نے خیمے نصب کرنیکا حکم دیا۔ اصحاب حسینؑ نے دریائے فرات کے قریب خیمے نصب کئے لیکن ابن زیاد کا حکم تھا کہ حسینؑ کو بے آب وگیاہ میدان میں اتارا جائے لہٰذا حر نے فرات کے قریب سے خیمے ہٹانے کو کہا اس پر حضرت عباسؑ دلاور کو جلال آ گیا آپ نے فرمایا کہ ''کس کی مجال ہے جو ہمارے خیموں کو یہاں سے ہٹائے۔'' جنگ کی نوبت آ گئی۔ امام حسینؑ نے بھائی کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر نہایت شفقت ومحبت سے صبر کی تلقین فرمائی۔ رحمۃ اللعالمینؐ کے نواسے نے دریا کے کنارے سے خیمے ہٹوا کر فرات سے تین میل دور بے آب وگیاہ میدان میں نصب کروائے۔ سیّدہ کے لال نے اس منزل پر بھی اپنی صلح جوئی کا مظاہرہ کیا اور جنگ سے گریز فرمایا۔

عمر ابن سعد کا تقرر: حضرت سعد بن وقاص ایک جلیل القدر صحابی تھے جنہوں نے کفار ومشرکین سے جہاد کر کے فارس وایران فتح کئے۔ کیا زمانہ کا انقلاب ہے کہ میدانِ کربلا میں ان کا بیٹا عمر فرزندِ رسولؐ کے قتل پر محض اسلئے آمادہ ہو گیا کہ یزید کی طرف سے وہ بھی کہیں کا گورنر بنا دیا جائے گا۔ ایمان فروشی، ضمیر کشی اور دنیا طلبی کا یہ مظاہرہ باعثِ عبرت بھی ہے اور قابل توجہ بھی۔ لیکن اسی

پر کیا موقوف جس کسی کی بھی زندگی کا مقصد غلط ہو جائے وہ یہی کرتا ہے اور یہی کرتا رہے گا اسی طرح سے یزید، ابن زیاد اور عمر ابن سعد پیدا ہوتے آئے ہیں اور پیدا ہوتے رہیں گے۔ اس مہم میں عمر سعد کے تقرر کی بابت علامہ سبط ابن جوزی تحریر کرتے ہیں:

> ''ابن زیاد نے عمر بن سعد سے کہا کہ اس شخص (امام حسینؑ) کی میرے لئے کفایت کرو۔ عمر آپ سے جنگ کرنا پسند نہیں کرتا تھا ابن زیاد سے کہنے لگا مجھے اس سے معاف کرو۔ ابن زیاد نے کہا معاف نہیں کروں گا چونکہ ابن زیاد نے اسے رے اور خوزستان کی حکومت دے دی تھی۔ پس کہنے لگا کہ حسینؑ سے جنگ کرو ورنہ میں تمہیں معزول کردوں گا۔ عمر نے کہا مجھے ایک رات کی مہلت دی جائے۔ ابن زیاد نے مہلت دے دی۔ وہ سوچتا رہا پس اس نے ولایت رے کو قتل حسینؑ پر ترجیح دی۔ جب صبح ہوئی تو ابن زیاد کے پاس گیا اور کہنے لگا میں حسینؑ سے لڑوں گا۔ محمد بن سیرینؒ نے کہا ہے کہ اس معاملہ میں حضرت علیؑ ابن ابی طالب کی کرامت ظاہر ہوئی۔ آپ کی ملاقات ایک دن عمر ابن سعد سے ہوئی جب وہ نوجوان تھا تو آپ نے فرمایا وائے ہو تیرے لئے اے ابن سعد تیری کیا حالت ہوگی جبکہ تو ایسے مقام پر کھڑا ہوگا کہ تجھے جنت اور جہنم کا اختیار دیا جائے گا اور تو جہنم کی آگ کو ترجیح دے گا۔''
>
> (تذکرۃ الخواص ص ۲۹۹)

تیسری محرم سے چھٹی محرم تک: تیسری محرم سے یزیدی لشکر میدان کربلا میں جمع ہونے شروع ہو گئے۔ سب سے پہلے عمر ابن سعد چار ہزار کا لشکر لیکر میدان کربلا میں پہنچا اور خیام حسینی کے مقابل خیمہ زن ہوا۔ ابن سعد نے بنی تمیم کے ایک فرد قرۃ العین بن قیس حنظلی کو بھیج کر امام حسینؑ سے عراق آنیکی غرض دریافت کی۔ فرزند رسولؐ نے اس کو بھی وہی جواب دیا جو اس سے قبل حُر کو دے

چکے تھے اسلئے کہ آپکے پیشِ نظر ایک ہی مقصد تھا نہ حالات بدلے تھے نہ زمانہ بدلا تھا نہ یزید اور یزیدی بدلے تھے اور نہ خود امامؑ بدلے تھے پھر جواب کیونکر بدلتا۔

چوتھی محرم کو شیث بن ربعی، عروہ بن قیس، سنان بن انس، محمد بن اشعث اور عبداللہ بن حصین اپنے اپنے لشکروں کے ہمراہ کربلا پہنچے ان کے لشکروں کی تعداد میں مورخین نے اختلاف کیا زیادہ سے زیادہ تعداد بیس ہزار بتائی جاتی ہے۔

چھٹی محرم کو خولی بن یزید، کعب بن طلحہ اور حجازہ بن حر کل چودہ ہزار کا لشکر لیکر فرزندِ رسولؐ سے جنگ کرنے کیلئے آئے۔ ان کے علاوہ ابن زیاد نے چھوٹے بڑے لشکر کوفہ سے کربلا روانہ کئے۔ اسی اثناء میں ابن زیاد نے فرزندِ رسولؐ کے پاس ایک خط بھیجا جس میں تحریر کیا کہ: ''اے حسینؑ! تمہارے متعلق یزید نے لکھا ہے کہ میں تمہیں یزید کی بیعت پر راضی کروں اور اگر یہ نہ ہو سکے تو تمہیں قتل کر ڈالوں اور سر یزید کے پاس بھیج دوں۔ لہٰذا میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم یزید کی بیعت قبول کر لو بہ شکل دیگر لڑنے مرنے پر تیار ہو جاؤ۔''

یہ خط نہ تھا بلکہ اعلانِ جنگ کا فرمان تھا۔ نہ تو اس میں امام حسینؑ کے اعتراض ومطالبہ کا کوئی جواب تھا اور نہ ہی صلح کی کوئی گنجائش تھی۔ بلکہ باطل پر ڈٹے رہنے کی ضد تھی، فوج پر گھمنڈ تھا اور قوت کا مظاہرہ تھا۔

قاضی شریح کا فتویٰ: ابن زیاد نے قاضی شریح کو دربار میں طلب کیا اور اس سے کہا کہ وہ حسینؑ ابن علیؑ کے قتل کا فتویٰ صادر کرے۔ قاضی شریح نے انکار کیا اور اپنا قلمدان اپنے سر پر دے مارا۔ اور کہا کہ خدا کی پناہ میں کہاں اور فتویٰ قتلِ فرزندِ رسول کہاں اور اٹھ کر اپنے گھر چلا گیا جب رات ہوئی تو ابن زیاد نے چند تھیلیاں درہم ودینار کی اس کیلئے بھیجدیں۔ جب دوسرے دن قاضی شریح دربار میں آیا تو ابن زیاد نے پھر وہی گفتگو شروع کی۔ قاضی شریح نے کہا کہ ''کل رات میں نے قتلِ حسینؑ پر بہت غور کیا اور اب اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان کا قتل کر دینا واجب ہے چونکہ انہوں نے خلیفہ وقت پر خروج کیا ہے لہٰذا بر بنائے دفع مفسدہ وخارجی یہ لازم

ہے''۔ پھر وہی قلم اٹھایا اور فرزندِ رسولؐ کے قتل کا فتویٰ اس مضمون کا لکھا۔

> ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میرے نزدیک ثابت ہو گیا ہے کہ حسین ابن علی دین رسول سے خارج ہو گیا ہے لہٰذا وہ واجب القتل ہے۔''

ایک روایت میں فتوے کا مضمون اس طرح بیان ہے کہ:

> ''یہ امر میرے نزدیک تحقیق کو پہنچ گیا ہے کہ حسین ابن علی نے امام مسلمین امیر المومنین یزید بن معاویہ (نعوذ باللہ) پر خروج کیا ہے پس تمام لوگوں کو ان کا دفع کرنا اور قتل کرنا واجب ہے۔''
>
> (جواہر الکلام ص: ۸۸)

ابن عربی کہتا ہے کہ اس فتوے کی وجہ سے ابن زیاد کے لشکریوں کا حوصلہ بڑھ گیا اور کثرت سے لوگ حسینؑ سے جنگ کرنیوالی فوج میں داخل ہوئے۔[1]

ساتویں محرم تا نویں محرم: چھٹی محرم تک ابن زیاد نے کربلا میں فوجوں پر فوجیں بھیج دیں ان فوجوں کی تعداد میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے کم سے کم تعداد بائیس ہزار اور زیادہ سے زیادہ اسی ہزار بتائی جاتی ہے۔ جب فوجیں جمع ہو گئیں تو ابن زیاد نے عمر سعد کو تاکید کی کہ حسینؑ سے جنگ کرنے کیلئے اب تیرے پاس کوئی بہانہ نہیں رہا۔ تیرے پاس بائیس ہزار سوار اور پیدل کی جرار فوج موجود ہے جو ہر طرح کے ساز وسامان اور اسلحہ سے آراستہ ہے تجھے چاہیے کہ حسینؑ اور ان کے بچوں پر پانی بند کردے اور حسینؑ کو قتل کرنے میں عجلت سے کام لے۔ ابن سعد حضرت امام حسینؑ سے جنگ کرنے اور آپ کا خون ناحق اپنی گردن پر لینے سے ڈرتا تھا۔ مگر ابن زیاد کی مسلسل ترغیب اور گورنری کے لالچ میں ابن سعد نے ساتویں محرم کو عمرو بن الحجاج کو پانچسو سوار دیکر حکم دیا کہ وہ دریائے فرات اور خیام حسینی کے درمیان اس طرح حائل ہو جائیں کہ خیام حسینی میں ایک قطرہ پانی کا نہ پہنچنے پائے۔ گھاٹ پر قابض ہونے کے بعد عبداللہ بن حصین ازدی نے پکار کر کہا:

---

[1] جواہر الکلام ص: ۸۸ ماخوذ از ہفت روزہ ''لیل ونہار'' جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۹

''اے حسین تم اس دریا کو نہیں دیکھتے جو کبد آسمان کی طرح نظر آرہا ہے۔ مگر واللہ تمہیں اس کے پانی کا ایک قطرہ نصیب نہ ہوگا۔ تاوقتیکہ موت کا ذائقہ نہ چکھو یا ابن زیاد کی فرمانبرداری اختیار نہ کرو۔'' یہ سن کر امام حسینؑ نے فرمایا کہ ''خدایا اس شخص کو پیاسا ہلاک کر اور اس کی مغفرت کبھی نہ فرما۔ چنانچہ چند دنوں بعد وہ بد بخت بیمار ہوا اور تشنگی اس قدر غالب ہوئی کہ جس قدر پانی پلاتے تھے پیاس میں کمی نہ ہوتی تھی یہاں تک کہ وہ پیاس ہی پیاس پکارتا ہوا واصل جہنم ہوا۔ ایک چشم دید راوی کا بیان ہے کہ ''خدا کی قسم، میں نے عبداللہ بن حصین کو اس حال میں دیکھا کہ وہ پانی پیتے پیتے تھک جاتا تھا مگر پیاس کسی طرح بجھتی نہیں تھی۔ آخر اسی حال میں مرگیا۔''

الغرض ساتویں محرم سے دریائے فرات پر پہرے بٹھا دیئے گئے اور اہلبیت رسولؐ پر پانی بند کر دیا گیا آٹھویں کی شب تک خیام حسینی میں پانی بالکل ختم ہوگیا اور بچے پیاس کی شدت سے بے چین ہونے لگے۔ نویں تاریخ کو شمر کربلا سے کوفہ گیا اور ابن زیاد سے شکایت کی کہ عمر ابن سعد راتوں کو چھپ چھپ کر حسین سے باتیں کرتا ہے اور نرمی سے پیش آتا ہے ابن زیاد یہ سن کر آگ بگولہ ہوگیا اس نے ابن سعد کو لکھا کہ:

> ''میں نے تجھے اس لئے نہیں بھیجا کہ حسین کے ساتھ رعایت اور صلح سے پیش آئے۔ بلکہ اسلئے بھیجا ہے کہ اگر حسین میرا حکم مان لیں تو ان کو میرے پاس بھیج دے ورنہ ان کو قتل کر دے۔ اگر تو میرے اس حکم کی تعمیل کرے تو میرے مراحم وطحائف کیساتھ اختصاص پائے گا اور اگر حسین سے لڑنے کو مکروہ سمجھے تو منصب امارت شمر ذی الجوشن کے سپرد کر دے۔'' (تاریخ احمدی ص: ۲۶۹)

شمر ابن زیاد کا خط لے کر کربلا آیا اور ابن سعد کو خط دیا ابن سعد نے خط پڑھتے ہی کمان میں تیر جوڑا اور خیامِ حسینی کی طرف رہا کرتے ہوئے بولا ''گواہ

رہنا خیامِ حسینی کی طرف سب سے پہلے میرا تیر جا رہا ہے۔'' تیر کا کمان سے نکلنا تھا کہ یزیدی لشکر خیامِ حسینی کی طرف دوڑ پڑا۔

شمر ذی الجوشن کو علم تھا کہ اس کے قبیلے کے لڑکے حضرت امام حسینؑ کے رفقاء میں شامل ہیں لہٰذا وہ ابن زیاد سے انکے لئے امان لیکر آیا تھا۔ وہ اصحابِ حسینؑ کے سامنے کھڑے ہو کر پکارا ''ہماری بہن کے بیٹے کہاں ہیں؟'' چونکہ ام البنین مادر گرامی حضرت عباس علمدار خاندان کلابیہ سے تھیں اور شمر بھی اسی خاندان میں سے تھا اس نسبت سے اس نے یہ جملہ کہا۔ یہ سنکر حضرت عباس اور ان کے بھائی عثمان اور جعفر فرزندانِ علیؑ ابن ابیطالب سامنے آ کر بولے: ''کہہ کیا کہتا ہے'' اس نے کہا ''اے ہماری بہن کے بیٹو تم امان میں ہو۔'' ان حضرات نے کہا ''خدا تجھ پر اور تیری امان پر لعنت کرے۔ کیا تو ہمیں امان دیتا ہے اور فرزند رسولؐ کیلئے امان نہیں ہے۔'' شمر اپنا سا منہ لیکر واپس ہوگیا۔

ایک شب کی مہلت: نویں محرم کو جب یزیدی فوجیں خیام حسینی کی طرف بڑھیں تو امام حسینؑ نے حضرت عباس کے ذریعہ عمر ابن سعد کو پیغام بھیجا کہ آپ کو عبادت خدا کیلئے ایک شب کی مہلت دی جائے اور جنگ صبح تک کیلئے ملتوی کر دی جائے۔ مہلت مل گئی اور لشکر یزید واپس چلا گیا۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ فوج وہی تو ہے جس نے دوسرے دن امام حسینؑ کو نماز ظہر ادا کرنے کیلئے چند لمحوں کی مہلت دینا گوارہ نہ کیا تو پھر آج رات بھر کے التوائے جنگ پر کیوں رضامند ہوگئی۔ خصوصاً جبکہ شمر آیا ہی اس غرض سے تھا کہ بلا تاخیر لڑائی شروع کر دی جائے۔ واقعات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نامعلوم مصلحت کی بناء پر کسی پوشیدہ طاقت نے یزیدی فوج کو مہلت پر راضی کر دیا تھا جو دراصل اس کی شکست کی ابتداء تھی۔

نویں کا سورج غروب ہوا۔ شب کی تاریکی نے کربلا کے سنسان جنگل کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ خیامِ حسینی سے تسبیح وتہلیل کی صدائیں بلند ہوئیں۔ امام

حسینؑ نے اپنے اصحاب واہلبیت سے مخاطب ہو کر فرمایا:

> ''اے گروہ مومنین! میں نہیں جانتا کہ دنیا میں کسی کے اصحاب تم سے زیادہ صابر وشاکر اور کسی کے اہلبیت میرے اہلبیت سے زیادہ افضل اور وفادار ہوں گے خدا میری طرف سے تم سب کو جزائے خیر دے۔ میرا خیال ہے کہ اس ظالم لشکر یزید کے ساتھ میرا یہ آخری دن ہے۔ میں اپنی بیعت، تمہارے اوپر سے اٹھائے لیتا ہوں اور تم کو یہاں سے چلے جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ پردہ شب حائل ہے تم کو چاہیے کہ تم میں کا ایک ایک فرد میرے اہلبیت کے ایک ایک فرد کا ہاتھ پکڑے اور اس صحرا میں منتشر ہو جائے امید ہے کہ خدا تم سے مصیبتوں کو دور کر دے۔ یہ لشکر یزید صرف مجھے چاہتا ہے ان کو تم سے کوئی تعلق نہیں۔''

امام حسینؑ کی یہ تقریر سن کر اصحاب واہلبیت مضطرب ہو گئے۔ زہیر بن قینؑ، مسلم بن عوسجہ، حبیب ابن مظاہر اور دیگر اصحاب باوفا نے پرزور الفاظ میں اپنی جانیں قربان کرنے کا اعلان کیا اور انہوں نے اپنے اس عزم کا اظہار بھی کیا کہ وہ کسی صورت میں بھی فرزندِ رسول کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے [۱] اسی طرح افراد اہلبیت نے حق کی حمایت کرتے ہوئے کہا ''اے فرزندِ رسولؐ! ہم ہرگز آپ کو دشمنوں میں تنہا نہ چھوڑیں گے بلکہ ہم آپ کی مدد کرینگے۔ آپ پر اپنی جانوں کو قربان کرینگے اور جب تک ہم زندہ ہیں آپ پر کوئی مصیبت نہ آنے دیں گے۔'' [۲] امام حسینؑ نے سب کیلئے دعائے خیر فرمائی۔ اس کے بعد حضرت امام حسینؑ اور تمام جانثارانِ حسینؑ تسبیح وتقدیس میں مشغول ہو گئے۔

دوسری جانب لشکرِ یزید سیر وسیراب نہایت اطمینان وسکون سے زمین پر پڑا خرانٹے لے رہا تھا۔ لیکن اسی فوج کا ایک سردار حُر بن یزید الریاحی اپنے خیمہ میں نہایت بے چینی واضطراب کی کیفیت میں مبتلا تھا۔ وہ کبھی اٹھتا، کبھی بیٹھتا اور کبھی ٹہلنے لگتا تھا۔ خیام حسینی سے آنے والی تسبیح وتہلیل کی صدائیں اس کے قلب پر گہرا اثر

[۱] ابن الوردی ص: ۷۳ ج: ۱ الارشاد ص: ۲۹۷ [۲] تاریخ التواریخ ص: ۲۲۷ ج: ۲

ڈال رہی تھیں۔ بچوں کی آواز العطش سن کر اس کا دل بیٹھنے لگتا تھا۔ ویسے تو امام حسینؑ کی راہ روکنے کے وقت سے شب عاشورہ تک حُر جس کشمکش میں مبتلا رہا اس کا اندازہ لگانا دشوار ہے لیکن یہ ناممکن ہے کہ امام حسینؑ کا حُر کے لشکر کو سیراب کرنے، اس کے اصرار پر راہ کوفہ ترک کرنے اور دریا کے کنارے سے خیمے ہٹانے سے وہ متاثر ہوئے بغیر رہا ہو اور یہی وجہ ہے کہ اسکے بعد پیش آنیوالے حالات نے اس کی دماغی کیفیت کو یکسر تبدیل کر دیا حتیٰ کہ وہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اس تمام المیہ کا ذمہ دار وہ خود ہے آخر کار رات بھر غور وفکر کے بعد اس نے آخری فیصلہ کر ہی لیا۔ جاہ ومنصب، عیش وآرام اور فوج کثیر کو چھوڑ کر بھوکے پیاسوں کے قلیل گروہ میں حُر کا شامل ہو جانا یزید کی دوسری شکست تھی اور یہ نتیجہ تھا ایک شب کی مہلت کا۔

یوم عاشور: آفتاب عالمتاب نے شب عاشور کی سیاہی کو سپیدی سحر میں تبدیل کر دیا شبیہہ پیغمبر حضرت علی اکبر نے صدائے اللہ اکبر سے اعلان صبح کیا۔ حسینؑ اور جانثاران حسینؑ نے خاک پر تیمم کیا اور حق کے شیدائی امام حق کے پیچھے صف بستہ ہو گئے۔ خاصانِ خدا اور ناصرانِ دینِ الٰہی نے فریضہ سحری ادا کیا اور لشکر یزید نے طبل جنگ بجا کر اعلانِ جنگ کیا۔ یزیدی فوج کی کمان عمر ابن سعد کر رہا تھا۔ میمنہ پر عمرو بن حجاج اور میسرہ پر شمر ذی الجوشن مقرر تھے۔ حُر نے لشکر یزید کی جنگی تیاریاں دیکھیں تو جنت اور جہنم کے دوراہے سے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور جنت کی راہ اختیار کی۔ بارگاہِ حسینی میں سر جھکائے حاضر ہوا اور دست بستہ عرض کی کہ ''فرزندِ رسولؐ ایک گنہگار حاضر خدمت ہے میں ہی آپ کو گھیر کر میدانِ کربلا تک لایا تھا مجھے ہرگز یقین نہ تھا کہ لشکر یزید آپ سے برسرپیکار ہوگا۔ میں اپنے گناہ پر شرمندہ ہوں کیا میری خطا معاف ہو سکتی ہے۔'' کریم ابن کریم نے دریافت کیا۔ ''تیری ماں نے تیرا نام کیا رکھا ہے۔'' عرض کیا ''حُر'' آپ نے فرمایا ''جا تو دنیا اور آخرت دونوں میں حُر (آزاد) ہے'' حُر سر بلند ہوا۔ خوشی ومسرت کی سرخی چہرہ پر دوڑ گئی۔

لشکر یزید نے پیش قدمی کی امام نے اپنی مختصر فوج کو ترتیب دیا۔ میمنہ پر زہیر بن قین کو اور میسرہ پر حبیب ابن مظاہر کو کھڑا کیا اور لشکر کا علم حضرت عباس ابن علیؑ کو عطا فرمایا۔[1] مورخین نے عام طور پر سپاہ حسینی کی تعداد بتیس (۳۲) سوار اور چالیس پیادے بتائی ہے۔ جبکہ یوم عاشورہ شہید ہونے والوں کے ناموں کی تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ انصار حسینؑ کی تعداد چورانوے اور بنی ہاشم کی تعداد اٹھارہ تھی۔ کربلا کے شیر خوار مجاہد علی اصغر اور سید الشہداء حضرت امام حسینؑ ان کے علاوہ تھے۔ الغرض دونوں لشکر مدمقابل ہوئے تو امام حسینؑ نے لشکر یزید کے سامنے آکر باواز بلند ارشاد فرمایا:

''ایہاالناس میری بات سنو اور میرے قتل میں جلدی نہ کرو تاوقتیکہ جو حق نصیحت مجھ پر واجب ہے اس کو ادا نہ کر دوں۔

اے گروہ اشقیاتم میرے قتل پر کس لئے آمادہ ہو؟ مجھ سے کس بات پر لڑنے آئے ہو؟ کیا میں نے دین خدا کو چھوڑ دیا ہے، سنت رسولؐ اللہ میں کوئی تبدیلی کی ہے یا شریعت محمدی کو بدل دیا ہے؟ کیا میں نے تم میں سے کسی کو قتل کیا ہے جس کا انتقام لینے آئے ہو؟ کیا میں نے تم میں سے کسی کا مال چھین لیا ہے جسکو واپس لینے آئے ہو؟ کیا میں نے تمہارے خلاف اعلان جنگ کیا ہے کہ مجھ سے لڑنے آئے ہو؟

اے گروہ مخالف تم میرے نسب پر غور کرو اور دیکھو کہ میں کون ہوں پھر اپنے نفس کو ملامت کرو اور سوچو کہ۔۔ کیا یہ تمہارے لئے حلال ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کی بیٹی کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا میں تمہارے نبی کے وصی اور برادر کا پسر نہیں ہوں جو سب سے پہلے نبیؐ پر ایمان لایا اور جس نے سب سے پہلے دعوت رسالت اور احکام خداوندی کی تصدیق کی؟ کیا حمزہ سید الشہداء میرے باپ کے چچا نہیں ہیں؟ کیا جعفر طیار میرے چچا نہیں ہیں؟ اور کیا میرے اور میرے بھائی

[1] الاخبار الطوال ص: ۲۰۳

کے حق میں رسول اللہؐ نے ارشاد نہیں کیا کہ یہ دونوں جوانان اہل جنت کے سردار ہیں؟ سنو! اگر میری حق بات کی تصدیق کرتے ہو تو خیر ورنہ تم میں ایسے لوگ موجود ہیں جن سے تم میرے قول کی تصدیق کر سکتے ہو۔''

امام حسینؑ کی حق وصداقت سے لبریز تقریر سنکر سب یزیدی خاموش رہے کسی نے بھی کچھ جواب نہ دیا۔ امام حسینؑ نے کچھ توقف کے بعد قرآن کریم کی ایک آیت پڑھی جسکا ترجمہ ہے کہ'' خدا کی پناہ ایسے متکبر سے جو روز قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔'' اسکے بعد زہیر بن قینؓ آگے بڑھے اور یزیدیوں کو مخاطب کر کے کہا:

''اے اہل کوفہ! ہر مسلمان کو حق حاصل ہے کہ دوسرے مسلمان کو نصیحت کرے۔ ہم اور تم ایک دین پر ہونے کی وجہ سے اس وقت تک بھائی بھائی ہیں جب تک کہ ہم میں اور تم میں تلوار نہ چلے۔ سنو! خدا ہماری اور تمہاری آزمائش اپنے نبی کی ذریت کیساتھ کرنا چاہتا ہے۔ پس میں تم کو ذریت نبیؐ کی نصرت پر آمادہ کرتا ہوں اور اس بات پر کہ عبیداللہ بن زیاد طاغی کو چھوڑ دو کیونکہ تم کو اس سے اور ابن سعد سے برائی کے سوا بھلائی حاصل نہیں ہو سکتی۔ وہ دونوں ایسے ہیں کہ تمہارے دست و پا کاٹ ڈالیں گے، تم کو مثلہ کریں گے تمہیں سولی دیں گے اور تم کو اسی طرح قتل کریں گے جس طرح انہوں نے حجر بن عدی اور ہانی بن عروہ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا ہے۔''

یہ سن کر ابن سعد کے لشکر والوں نے زہیر بن قین کو کلمات ناشائستہ کہے ابن زیاد کی مدح وثنا کر کے کہا کہ واللہ جب تک ہم تمہارے آقا اور ان کے ساتھیوں کو قتل نہ کرلیں گے دم نہ لیں گے۔ زہیر بن القین نے کہا کہ'' اے بندگان خدا دیکھو فرزند فاطمہ بہ نسبت ابن سمیہ کے نصرت اور وفاداری کا زیادہ مستحق ہے۔''

الغرض امام حسینؑ نے حجت تمام کی۔ فوج یزید نے حملے شروع کر دیئے ظہر کے وقت یزیدیوں نے سپاہ حسینی پر تین مرتبہ حملے کئے جن کو تاریخ میں پہلی دوسری اور تیسری جنگ مغلوبہ کا نام دیا گیا۔

پہلی جنگ مغلوبہ: عمر ابن سعد نے تیر کمان میں جوڑ کر سپاہ حسینی کی طرف پھینکا۔ اس کیساتھ ہی یزیدیوں نے تیروں کی بارش شروع کر دی۔ اس معرکہ میں پچاس اصحاب باوفا تیروں کی زد میں آکر درجہ شہادت پر فائز ہوئے جنکے نام یہ ہیں۔

(۱) جابر بن حجاج تیمی (۲) جوین بن مالک تیمی (۳) حجاج بن بدر تیمی (۴) حباب بن عامر تیمی (۵) عبدالرحمن بن مسعود تیمی (۶) عمرو بن ضبیعہ تیمی (۷) مسعود بن حجاج تیمی (۸) بشیر بن عمرو کندی (۹) حارث بن امراء القیس کندی (۱۰) زاہر بن عمرو کندی (۱۱) امیہ بن سعد طائی (۱۲) عمار بن حسان طائی (۱۳) مسقط بن عبداللہ تغلبی (۱۴) کردوس بن عبداللہ تغلبی (۱۵) قاسط بن عبداللہ تغلبی (۱۶) شبیب بن عبداللہ تغلبی (۱۷) سالم بن عمرو کلبی (۱۸) ادہم بن امیہ عبدی (۱۹) عامر بن مسلم عبدی (۲۰) سالم (موالی عامر عبدی) (۲۱) جبلہ بن علی شیبانی (۲۲) جنادہ بن کعب خزرجی (۲۳) حلاس بن عمرو راسبی (۲۴) حارث بن بہنان (موالی حضرت حمزہ) (۲۵) حبشہ بن قیس نہمی (۲۶) زہیر بن سلیم ازدی (۲۷) عبدالرحمن بن عبدب خزرجی (۲۸) عباد بن مہاجر جہنی (۲۹) سعد بن حارث (موالی حضرت علیؑ) (۳۰) نصر بن ابی نیزر عجمی (غلام حضرت علیؑ) (۳۱) سلیم (غلام حضرت حسنؑ) (۳۲) سعد بن عبداللہ صیداوی (۳۳) سوار بن منعم نہمی (۳۴) شبیب بن عبداللہ نہشلی (۳۵) سلمان بن مضارب بجلی (۳۶) عبداللہ بن بشیر خثعمی (۳۷) عبداللہ بن یزید قیسی (۳۸) عمرو بن جندب خضرمی (۳۹) قارب بن عبداللہ دوئلی (۴۰) عمار بن ابی سلامہ دالانی (۴۱) عبیداللہ بن یزید قیسی (۴۲) عقبہ بن صلت جہنی (۴۳) قاسم بن حبیب ازدی (۴۴) نعیم بن عجلان انصاری (۴۵) نعمان بن عمرو راسبی (۴۶) مجمع بن زیاد جہنی (۴۷) مسلم بن کثیر ازدی (۴۸) عمران بن کعب اشجعی (۴۹) زہیر بن بشیر خثعمی (۵۰) حنظلہ بن عمر سیبانی۔

دوسری جنگ مغلوبہ: دوسرے حملہ میں انفرادی جنگ شروع ہوئی لشکر یزید میں سے ابن زیاد کے غلام یسار اور سالم میدان میں آئے اور مبارز طلبی کی سپاہ حسینی

میں سے عبداللہ بن عمیر کلبی رجز پڑھتے ہوئے میدان میں گئے۔ یسار اور سالم دونوں کو جہنم واصل کر کے واپس آئے۔ عمرو بن حجاج نے جو یزیدی فوج کے میمنہ کی کمان کر رہا تھا سپاہ حسینی کے میسرہ پر زبردست حملہ کیا اصحاب حسینؑ نے اپنے گھٹنے زمین پر ٹیک دیئے اور نیزے تان لئے۔ دشمن کے گھوڑے بدکے اور آگے نہ بڑھ سکے جب یزیدی نامراد واپس لوٹے تو سپاہ حسینی نے ان پر تیر برسائے جس سے دشمن کے بہت سے شامی ہلاک اور کچھ زخمی ہوئے۔

حُر بن یزید ریاحی نے خدمت امام میں حاضر ہو کر عرض کیا'' فرزند رسولؐ! سب سے پہلے میں آپ سے لڑنے آیا تھا لہٰذا مجھے اجازت دیجئے کہ سب سے پہلے میں آپ پر اپنی جان قربان کروں'' امامؑ نے اجازت دی حُر رجز پڑھتے ہوئے میدان جنگ میں گئے یزید تمیمی مقابلہ کے لئے آیا۔ حُر نے اس کا کام تمام کیا اور دشمن کو للکارا مگر کوئی بھی مقابلے کے لئے نہیں نکلا۔ پھر نافع بن حلال رجز پڑھتے ہوئے میدان میں پہنچے جو بھی مقابل آیا اس کو ٹھکانے لگایا۔ ان بہادروں کے کارنامے دیکھ کر عمرو بن حجاج نے یزیدی فوج کو انفرادی مقابلے سے منع کیا اور متحدہ حملہ کی تجویز پیش کی جسے ابن سعد نے قبول کر کے فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ گھمسان کی جنگ ہوئی تین دن کے بھوکے پیاسے دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور مٹھی بھر مجاہدین راہ خدا نے یزیدیوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ دشمن کو پسپا ہونا پڑا۔ جب جنگ تھمی اور میدان کارزار گرد وغبار سے صاف ہوا تو مسلم بن عوسجہ خاک و خون میں غلطاں زمین پر پڑے نظر آئے۔ اس حملہ میں کل نو اصحاب شہید ہوئے جن کے نام یہ ہیں:

(۱) مسلم بن عوسجہ اسدی (۲) عمرو بن خالد اسدی ۳) سعد (غلام عمرو اسدی) (۴) عبداللہ بن عمیر کلبی (۵) منجح بن سہم (غلام حضرت حسنؑ) (۶) مجمع بن عبداللہ عائذی (۷) عائذ بن مجمع عائذی (۸) جنادہ بن حارث (۹) جندب بن حجر کندی۔

تیسری جنگ مغلوبہ: یزیدیوں نے تیسرا حملہ نماز ظہر سے پہلے کیا اس حملہ میں شمر نے سپاہ حسینی کے میمنہ پر زبردست حملہ کیا مجاہدین راہ خدا نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا ان کی تلواریں بجلی کی طرح کوندنے لگی اور دشمنانِ دین کے سر کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ یزیدی فوج منتشر ہوئی تو ابن سعد نے حصین بن نمیر کو حکم دیا کہ پانچسو تیراندازوں کیساتھ پیش قدمی کرے۔ ابن نمیر نے سپاہ حسینی کے قریب جا کر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ اصحاب حسینؑ تلواریں سونت کر دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور شمشیر زنی کرنے لگے۔ اس معرکہ میں جن چار مجاہدوں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا ان کے نام یہ ہیں:

(۱) بکر بن حیّ تیمی (۲) کنانہ بن عتیق تغلبی
(۳) عمرو بن جنادہ خزرجی (۴) یزید بن حصین مشرقی۔

نماز ظہر: نماز ظہر کا وقت ہوا یزیدیوں نے نماز کیلئے جنگ کو موقوف کرنے سے انکار کر دیا تو امام حسینؑ نے نماز ظہر صلاۃ خوف کے طور پر پڑھی۔ جماعت قائم ہوئی۔ امامؑ نماز میں مشغول ہوئے لشکر یزید کی طرف سے مسلسل تیر آ رہے تھے امامؑ کو محفوظ رکھنے کیلئے زہیر بن قین اور سعید بن عبداللہ امامؑ کے سامنے کھڑے ہو گئے امامؑ کی طرف آنیوالے تیروں کو سعید اپنے جسم پر روکتے اور زہیر حملہ آور دشمن سے جنگ کرتے رہے نماز ختم ہوئی۔ سعید زمین پر گرے اور جنت کی راہ لی انکے جسم پر تیرہ تیر پیوست تھے۔

نماز کے بعد حبیب ابن مظاہر میدان میں گئے شدید جنگ کی اور میدان کارزار میں جام شہادت نوش کیا حبیب کی شہادت سے امامؑ کو سخت صدمہ ہوا حبیب کے بعد حُر بن یزید ریاحی اور زہیر بن قین دونوں نے مل کر جنگ کی اور لڑتے لڑتے اپنی جانیں امام پر قربان کر دیں انکی شہادت کے بعد اصحاب حسینؑ کا جذبہ شہادت تیز ہو گیا اور شمع امامت کے پروانے نواسہ رسولؐ پر اپنی جانیں قربان کرنے لگے۔ رجز پڑھتے ہوئے میدان میں جاتے اور حق کی حمایت میں جام شہادت نوش کرتے

اس معرکہ میں شہید ہونے والے اصحاب کے نام یہ ہیں۔

(۱) حبیب ابن مظاہر (۲) حُر بن یزید ریاحی (۳) زہیر بن قین بجلی (۴) نافع بن ہلال جملی (۵) وہب بن عبداللہ کلبی (۶) عبداللہ بن عروہ غفاری (۷) عبدالرحمٰن بن عروہ غفاری (۸) جون (غلام ابوذر غفاری) (۹) سیف بن حارث ہمدانی (۱۰) مالک بن عبد ہمدانی (۱۱) بریر بن خضیر ہمدانی (۱۲) سعید بن عبداللہ حنفی (۱۳) حنظلہ بن اسد شامی (۱۴) عابس بن ابی حبیب شاکری (۱۵) عمرو بن قرضہ انصاری (۱۶) شوذب بن جوی ہمدانی (۱۷) عمرو بن عبداللہ صائدی (۱۸) انس بن حارث اسدی (۱۹) حجاج بن مسروق جعفی (۲۰) زیاد بن عریب ہمدانی (۲۱) قعنب بن عمرو نمیری (۲۲) یزید بن ثبیط عبدی (۲۳) علی بن مظاہر اسدی (۲۴) یزید بن مغفل جعفی (۲۵) یزید بن زیاد کندی (۲۶) سیف بن مالک عبدی (۲۷) رافع بن عبداللہ (موالی مسلم ازدی) (۲۸) ترکی (غلام حضرت علی زین العابدینؑ) (۲۹) ضرغامہ بن مالک تغلبی (۳۰) سوید بن عمرو خثعمی۔

بنی ہاشم میدانِ جہاد میں: جب اصحاب باوفا حق وفا ادا کر چکے تو جوانان بنی ہاشم نے میدان کارزار میں ہاشمی شجاعت کے جوہر دکھائے اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ عام طور سے مورخین کا بیان ہے کہ۔ شہدائے بنی ہاشم میں سب سے پہلے اولاد مسلم بن عقیل میدان میں گئے پھر اولاد عقیل بن ابی طالب، اولاد جعفر ابن ابی طالب، اولاد امام حسنؑ بن علیؑ، اولاد علیؑ ابن ابیطالب اور اولاد امام حسینؑ ابن علیؑ نے بالترتیب اپنی جانیں قربان کیں۔ شہدائے بنی ہاشم کی تعداد کم سے کم ۱۸ اور زیادہ سے زیادہ ۲۷ بتائی گئی ہے لیکن حضرت علی اصغر اور سید الشہداء کے علاوہ ۱۸ شہدائے بنی ہاشم کی تعداد کو قبولیت حاصل ہے جن کے نام یہ ہیں۔

۱) عبداللہ بن مسلم بن عقیل بن ابیطالب: مادر گرامی: رقیہ بنت علی ابن ابیطالب۔ آپ نے تین حملے کئے نوے دشمنان اہلبیت کو فی النار کیا۔ دوران

جنگ عمرو بن صبیح صیداوی کے تیر پیشانی اور قلب پر لگنے کے باعث شہید ہوئے۔

۲) محمد بن مسلم بن عقیل بن ابیطالب: ماں ام ولد: علامہ مجلسی نے آپ کو کربلا کے شہیدوں میں شمار کیا ہے اور آپ کے قاتلوں میں ابو جرہم ازدی اور ابن ایاس جہمی کے نام تحریر کئے ہیں جب کہ محمد و ابراہیم پسران حضرت مسلم کوفہ میں شہید کئے گئے تھے۔

۳) جعفر بن عقیل بن ابیطالب: مادر گرامی: ام الثغر بنت عامر بن حصاب عامری تھیں۔ آپ نے پندرہ دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ بشر بن خوط نے آپ کو شہید کیا۔

۴) عبدالرحمٰن بن عقیل بن ابیطالب: مادر گرامی: حلیلہ ام ولد تھیں۔ آپ نے زبردست جنگ کی۔ دشمنوں نے گھیر لیا اور عثمان بن خالد جہنی کی ضرب سے آپ راہئ خلد بریں ہوئے۔

۵) عبداللہ اکبر بن عقیل بن ابیطالب: مادر گرامی: حلیلہ ام ولد تھیں۔ آپ نے بھی زبردست قتال کیا اور بالاخر عثمان بن خالد جہنی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

۶) موسیٰ بن عقیل بن ابیطالب: مادر گرامی: ام ولد تھیں۔ کربلا میں شہید ہوئے۔

۷) محمد بن عبداللہ بن جعفر بن ابیطالب: مادر گرامی: جناب زینب بنت علی بن ابیطالب تھیں۔ آپ نے دشمنوں سے قتال کیا۔ عامر بن نہشل کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

۸) عون بن عبداللہ بن جعفر بن ابیطالب: مادر گرامی: جناب زینب بنت علی بن ابیطالب تھیں۔ آپ نے تین سواروں اور بہت سے پیادوں کو فی النار کیا۔ بالآخر عبداللہ بن قطبہ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

۹) قاسم بن حسن بن علی بن ابیطالب: مادر گرامی: ام فروہ تھیں۔ گو کہ آپ مکمل طور پر سن بلوغ کو بھی نہیں پہنچے تھے لیکن ایسی جنگ کی کہ دشمن کی ہمت پست ہو گئی۔ ستر یزیدوں کو واصل جہنم کیا ارزق شامی نے مقابلہ کیا آپ نے اسے بھی

شکست دی۔ اسکے بعد دشمن نے چاروں طرف سے حملے کئے بالآخر عمر بن معد ازدی کی تیغ سے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ آپکے جسد مطہر کو گھوڑوں سے پامال کیا گیا۔

۱۰) عبداللہ بن حسنؑ بن علیؑ بن ابیطالب: مادر گرامی: ام فروہ تھیں۔ انہوں نے بھی زبردست جنگ کی چودہ یزیدیوں کو تہ تیغ کیا۔ آپ کو ہانی بن ثبیت حضرمی نے شہید کیا۔

۱۱) احمد بن حسنؑ بن علیؑ بن ابیطالب: مادر گرامی: ام ولد تھیں۔ بعض صاحب مقاتل نے انہیں شہدائے کربلا میں شمار کیا ہے اور بتایا ہے کہ آپ کا سن اٹھارہ سال سے بھی کم تھا۔ قاتل کا نام بھی تحریر نہیں کیا۔ ان کے علاوہ ابوبکر بن حسنؑ کو بھی شہدائے کربلا میں شامل کیا گیا ہے۔

۱۲) محمد اصغر بن علیؑ بن ابیطالب: مادر گرامی: اسماء بنت عمیس تھیں۔ ان کا شمار بھی شہداء کربلا میں کیا گیا ہے۔

۱۳) عبداللہ اصغر بن علیؑ بن ابیطالب: مادر گرامی: لیلیٰ بنت مسعود تیمی تھیں۔ آپ نے زبردست جنگ کی اکیس یزیدیوں کو واصل جہنم کیا۔ عبداللہ بن عقبہ غنوی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

۱۴) عبداللہ بن علیؑ بن ابیطالب: مادر گرامی: ام البنین بنت حزام تھیں۔ انہوں نے بھی خوب جنگ کی اور آخر کار ہانی بن ثبیت حضرمی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

۱۵) عثمان بن علیؑ بن ابیطالب: مادر گرامی: ام البنین بنت حزام تھیں۔ آپ نے رجز پڑھی اور زبردست جنگ کی بالآخر خولی بن یزید اصبحی کے تیر سے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۱۶) جعفر بن علیؑ بن ابیطالب: مادر گرامی: ام البنین بنت حزام تھیں۔ آپ نے بھی خوب مقابلہ کیا۔ مگر بقول ابوالفرج اصفہانی بدست خولی بن یزید اصبحی اور بقول ابو مخنف ہانی بن ثبیت حضرمی کی ضرب سے شہید ہوئے۔

۱۷) عباس بن علیؑ بن ابیطالب: مادر گرامی: ام البنین بنت حزام تھیں۔ آپ لشکر حسینی کے علمدار تھے۔ جب امام حسینؑ کے اصحاب وانصار، عزیز واقارب سب شہید ہو چکے، فاطمہ زہرا کا باغ اجڑ چکا تو حضرت عباس نے ایک بار پھر کوشش کی کہ کسی طرح جنگ کی اجازت مل جائے۔ آپ سفارش کیلئے جناب سکینہ کو ساتھ لیکر خدمت امامؑ میں حاضر ہوئے اور بچوں کیلئے پانی لانے کی اجازت چاہی۔ آپ کو اذن جہاد تو نہ مل سکا البتہ پانی لانے کی اجازت مل گئی۔ مشک سکینہ کو لیکر علمدار لشکرِ حسینی نہر فرات کی سمت روانہ ہوا۔ نہر فرات پر عمر ابن سعد نے چار ہزار شامیوں کا لشکر حفاظت کیلئے مامور کیا ہوا تھا۔ آپ نے مثل حیدر کرار لشکر کفار پر حملہ کیا شیر خدا کے شیر نے فوج اشقیاء کو تتر بتر کر دیا بہت سوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ پاسبان ترائی چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ آپ نہر میں داخل ہوئے، مشک کو پانی سے بھر کر باہر نکلے۔ فوج اشقیا کی نظریں مشک پر جمی ہوئی تھیں عمر سعد چیخ رہا تھا کہ یہ مشک خیام حسینی تک نہیں پہنچنی چاہیئے۔ یزیدیوں کی ٹڈی دل فوج نے حملہ کیا آپ نے بڑی جرات و بہادری سے مقابلہ کیا لیکن زید بن ورقہ نے گھات لگا کر حملہ کیا اور آپ کا داہنہ ہاتھ قطع کر دیا۔ آپ نے مشک کو بائیں کندھے پر لیا اور اسی ہاتھ سے مقابلہ کرتے رہے حتیٰ کہ حکیم بن طفیل ملعون نے تلوار کا وار کرکے بایاں ہاتھ بھی قطع کر دیا۔ تب آپ نے مشک کے تسمہ کو دانتوں سے پکڑا مشک کو سینہ سے لگایا اور چاہا کہ یہ پانی کسی طرح خیام حسینی تک پہنچ جائے اور بچے سیراب ہو سکیں۔ مگر قمر بنی ہاشم لشکر کفار میں گھر گیا۔ یزیدیوں نے شدید تیر بارانی کی جس سے مشک میں سوراخ ہو گیا اور اس کا پانی خاک میں مل گیا اور عباس کی امید منقطع ہو گئی۔ اسی اثناء میں ایک ملعون نے آپ کے سر مبارک پر گرز کا وار کیا جس سے سرِ مبارک شگافتہ ہو گیا۔ اور عباس علمدار درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۱۸) علی اکبر بن حسینؑ بن علیؑ بن ابیطالب: مادر گرامی: لیلیٰ بنت عروہ ثقفی

تھیں۔ آپ کے حالات آئندہ صفحات میں ملاحظہ کیجئے۔

۱۹) علی اصغر بن حسینؑ بن علیؑ بن ابیطالب: مادر گرامی: رباب بنت امراء القیس کلبی تھیں۔ آپ کے حالات آئندہ صفحات میں ملاحظہ کیجئے۔

مذکورہ بالا اسمائے شہدائے کربلا کے علاوہ مختلف کتب میں مرقوم جو نام ملتے ہیں وہ درج ہیں:

۱) حسن بن حسنؑ بن علیؑ بن ابیطالب: بعض مورخین نے آپ کو شہدائے کربلا کی فہرست میں شامل کیا ہے جبکہ آپ شہید نہیں ہوئے بلکہ جنگ کیلئے میدان کربلا میں گئے جنگ کی، زخمی ہو کر گھوڑے سے گرے۔ یزیدیوں نے مردہ سمجھ کر لاشوں کے ساتھ ڈالدیا گو کہ آپ میں زندگی کی رمق باقی تھی۔ یزیدی فوج کے ایک سردار اسماء بن خارجہ فزاری جو رشتہ میں آپ کا ماموں ہوتا تھا اس نے آپ کو پہچان لیا وہ آپ کو کوفہ لے گیا وہاں علاج کرایا جب آپ صحت یاب ہو گئے تو مدینہ بھجوا دیا جہاں آپ نے بقیہ زندگی گذاری۔

۲) ابوبکر بن حسنؑ بن علیؑ بن ابیطالب: حضرت امام حسنؑ کی اولاد میں ابوبکر کسی کا نام نہیں تھا بعض حضرات اس نام کو متبرک جان کر اکثر و بیشتر اولاد آئمہ سے منسوب کرتے ہیں۔

۳) فضل بن علیؑ بن ابیطالب: حضرت علیؑ کی اولاد میں فضل نامی کوئی بیٹا نہ تھا۔

۴) عون بن علیؑ بن ابیطالب: مادر گرامی اسماء بنت عمیس تھیں۔ معرکہ کربلا میں ان کی شرکت مشکوک ہے۔

۵) عمر بن علیؑ بن ابیطالب: مادر گرامی ام حبیبہ بنت ربیعہ ثعلبی تھیں۔ آپ صفین میں شہید ہوئے اور بابل کے کھنڈرات کے قریب دفن کئے گئے۔

۶) جعفر اکبر بن علیؑ بن ابیطالب: حضرت علیؑ کی اولاد میں جعفر نامی صرف ایک ہی فرزند تھے جن کی مادر گرامی ام البنین تھیں اور جو حضرت عباس کے ماں

جائے بھائی تھے ان کا نام مذکور بالا فہرست میں آ چکا ہے۔

۷) ابوبکر بن علیؑ بن ابیطالب: مادر گرامی لیلیٰ بنت مسعود تھیں۔ شیخ قمی نے انہیں شہید کربلا ظاہر کیا ہے۔ جب کہ ظفر یاب ترمذی نے شہید صفین بتایا ہے۔ نیز بعض مورخین نے محمد اصغر بن علی کی کنیت ابوبکر بتائی ہے۔

۸) عبداللہ اصغر بن عقیل بن ابیطالب	اولاد عقیل کی بابت
۹) احمد بن محمد بن عقیل بن ابیطالب	ہماری کتاب
۱۰) عامر بن مسلم بن عقیل بن ابیطالب	''تاریخ بنی ہاشم''
۱۱) عبیداللہ بن عبداللہ بن عقیل بن ابیطالب	جلد اول ص:۳۰۱
۱۲) محمد بن ابوسعید بن عقیل بن ابیطالب	ملاحظہ کیجئے

شہدائے کربلا کی مجموعی تعداد: عام طور پر شہدائے کربلا کی تعداد بہتر (۷۲) بیان کی جاتی ہے لیکن کتب مقاتل میں شہدائے کربلا کے جو نام ملتے ہیں ان کی مجموعی تعداد کم از کم ایک سو تیرہ اور زیادہ سے زیادہ دو سو ہوتی ہے۔ چونکہ روز عاشورہ جب سپاہ حسینی میدان جنگ میں لشکر یزید کے مقابل صف آراء ہوئی تو اس وقت مجاہدین حق کی تعداد بہتر تھی جیسا کہ کتب تواریخ میں مرقوم ہے کہ سپاہ حسینی میں بتیس سوار اور چالیس پیادے تھے۔[۱] اس اعتبار سے شہدائے کربلا کیلئے بہتر کا لفظ زبان زد خلائق ہوا۔ مگر کربلا کے حالات جنگ اور مجاہدین کے کارناموں کی تفصیل اور دوسرے متعلقہ واقعات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شہدائے کربلا کی مجموعی تعداد ایک سو سے کم اور دو سو سے زیادہ نہ تھی۔[۲]

کربلا کا آخری مجاہد: عصر کا وقت ہوا حسین ابن علیؑ بارگاہ ایزدی میں ششماہے کا ہدیہ پیش کر چکے بعد ذبح عظیم کی منزل پر گامزن ہوئے۔ مظلوم کربلا نے میدان میں آ کر باآواز بلند استغاثہ پیش کیا۔ ''یا ابطال الصفاء و فرسان الهيجا مالي اناديكم فلاتجيبوني. امامن ناصرٍ ينصرنا. هل من مغيثٍ يغيثنا۔''

[۱] الاخبار الطوال ص: ۲۵۴، ج شہید انسانیت ص: ۳۲۱، طبری ص: ۲۲۰ ج: ۴

اپنے اصحاب و انصار اور نوجوان بنی ہاشم کے نام لیکر انہیں پکارا۔ پھر خیمہ گاہ میں گئے۔ بیمار بیٹے کی مزاج پرسی کی اور امامت کی مقدس امانت علی زین العابدین کے سپرد کی۔ مخدرات عصمت و طہارت کو مخاطب کرکے فرمایا ''اے زینبؑ، اے ام کلثومؑ، اے سکینہؑ، اے رقیہؑ، اے خواتین بنی ہاشم اور اے اصحاب باوفا کی عورتو! تم سب پر حسینؑ کا آخری سلام ہو'' مخدرات میں کہرام برپا ہو گیا اور کربلا کا آخری مجاہد حق کی راہ میں شہید ہونے کے لئے میدان میں پہنچا۔ آپ نے چند رجزیہ اشعار پڑھے۔

انا ابنُ عليِّ الطُّهرِ من الِ هاشمٍ كفاني بهذا مفخراً حين افخر
وجدّي رسولُ اللهِ اكرامُ من مشىٰ ونحن سراجُ اللهِ في الارضِ يزهر
وفاطمةٌ امّي سلالةُ احمدٍ وعمّي سيدعيٰ ذوالجناحين جعفر
وفينا كتابُ الله انزل صادقاً وفينا الهدىٰ والوحيُ والخيرُ يذكر

ترجمہ: میں حضرت علیؑ کا پاکیزہ فرزند آل ہاشم سے ہوں۔ مجھے فخر کے وقت یہی فخر کافی ہے اور میرے نانا پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو سب سے اکرم ہیں اور ہم خدائی چراغ زمین میں روشن ہیں۔ اور میری والدہ مکرمہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا جو حضرت احمد مصطفیٰ کی لخت جگر ہیں۔ اور میرے چچا جعفر ذوالجناحین کے لقب سے مشہور ہیں۔ اور ہم میں سچی کتاب (قرآن مجید) نازل کی گئی اور ہم ہی میں ہدایت اور وحی اور خیر کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(حدیقۃ الانساب ص: ۲ ج: ۱، بحوالہ اشراف عرب ص: ۹۲)

ابن اثیر کا بیان ہے کہ جب امام حسینؑ کو یوم عاشورہ داہنے اور بائیں دونوں جانب سے گھیر لیا گیا تو آپ نے دائیں جانب حملہ کرکے سب کو بھگا دیا۔ پھر پلٹ کر بائیں جانب حملہ کرتے ہوئے آئے تو سب کو مار بھگایا۔ خدا کی قسم حسینؑ سے بڑھ کر کسی شخص کو ایسا قوی دل، ثابت قدم بہادر نہیں دیکھا جو شکستہ دل ہو، صدمے اٹھائے ہوئے ہو، پھر بھی حسینؑ کی سی ثابت قدمی اور بے جگری سے جنگ

کر سکے۔ بخدا دشمن کی فوج کے سوار اور پیادے حسینؑ کے سامنے اس طرح بھاگتے تھے جس طرح بھیڑ بکریوں کے گلے شیر کے حملہ سے بھاگتے ہیں[۱] اور وہ حسینؑ جو خدا کی شان، محمدؐ کا نشان، علیؑ کی آن، فاطمہؑ کی جان اور حسنؑ کی روح و ریحان تھا دشمنوں کے نرغے میں گھر گیا ذوالجناح کی پشت پر رکوع اور سرزمین کربلا پر سجدۂ شکر ادا کیا۔ اس طرح وہ آفتابِ امامت جو ۳ر شعبان ۴ھ کو مشرق مدینہ سے طلوع ہوا تھا وہ ۱۰ر محرم ۶۱ھ کو مغرب کربلا میں اپنے چہرہ پر خون کی سرخی ملے غروب ہو گیا۔ اناللہ و انا الیہ راجعون.

شام غریباں: جب دسویں محرم کی شام غریباں نمودار ہوئی خیام حسینی کو جفا کار نذر آتش کر چکے، قافلہ حسینی کا مال و اسباب لٹ چکا۔ حتیٰ کہ یزیدی سپاہ نبی زادیوں کے سروں سے چادریں تک چھین چکی تو یہ ستم رسیدہ بیبیاں اور مصیبت زدہ یتیم بچے انتہائی کسمپرسی کی حالت میں ایک دوسرے کا منہ تکتے تھے۔ کبھی اپنے وارثوں کو یاد کرتے اور کبھی اپنے پروردگار سے فریاد کرتے تھے۔ رات کی تاریکی ہر شہ کو آہستہ آہستہ اپنی آغوش میں لے رہی تھی۔ اندھیری رات، ڈراؤنا جنگل اور اہلبیت رسولؐ بے یار و مددگار ایک جلے ہوئے خیمہ میں جمع تھے۔ اطراف میں لشکرِ یزید نے گھیرا ڈالا ہوا تھا۔ حسینؑ و اصحابِ حسینؑ کے بھوکے پیاسے بچے جو کچھ دیر پہلے العطش کی صدائیں بلند کر رہے تھے اب دشمنوں کے خوف سے دم بخود زمین پر پڑے تھے۔

شہادت حسینؑ کے بعد یہ پہلی رات قیامت خیز رات تھی عترتِ رسولؐ نے جس کرب و بے چینی اور اضطرار کے عالم میں یہ رات گذاری اسکا اندازہ کرنا بڑا مشکل ہے۔ سیّد سجادؑ پر مرض کی شدت اور مصائب و آلام کی کثرت کے باعث غشی کا عالم طاری تھا۔ جب ہوش میں آتے تو مصیبت زدہ بیبیوں اور بچوں کی بیکسی اور اپنی بے بسی کے پیش نظر پھر غش کر جاتے۔ مرض کی زیادتی اور مصائب کی بہتات

۱ تاریخ کامل ص: ۳۰ ج: ۴

کے باعث آپ کی عجیب کیفیت تھی۔ اس بھیانک رات میں شیر خدا کی بیٹی، رسولِ خدا کی نواسی اور شہید کربلا کی بہن حضرت زینبؑ ہاتھ میں ایک ٹوٹا ہوا نیزہ لئے اس لئے ہوئے قافلے کی حفاظت کر رہی تھیں۔ کبھی تو وہ بیبیوں کو صبر کی تلقین کرتیں، کبھی خوفزدہ بچوں کی ڈھارس بندھاتیں اور کبھی بیمار بھتیجے کی تیمارداری میں مصروف ہو جاتیں۔ حسینؑ کے بعد خواہر حسین پر بڑی ذمہ داریاں آن پڑیں تھیں۔

بظاہر امام حسینؑ دنیا سے اٹھ گئے مگر رہتی دنیا تک دین اسلام کی بنیادوں کو استوار کر گئے آج بھی مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک ہر طرف حسینؑ کی یاد باقی ہے اور قیامت تک لوگوں کی زبانوں پر حسین حسینؑ کی صدائیں بلند ہوتی رہیں گی۔

مقصد حسینؑ

حضرت امام حسینؑ کا مقصد' قوت و اقتدار کا حصول کبھی بھی اور کسی طرح بھی نہ تھا۔ جیسا کہ مسلمانوں کے ایک مخصوص گروہ کا خیال ہے۔ اگر آپ کے پیش نظر اقتدار کا حصول ہوتا تو آپ روانگی مدینہ سے قبل اپنے حامیوں اور عقیدتمندوں کو تیار کر کے مدینہ سے مشرق کی جانب سیدھے کوفہ پہنچتے، دریائے فرات پر قبضہ کرتے اور اہل کوفہ کو ساتھ لیکر فوج یزید کا مقابلہ کرتے۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ آپ نے ہرگز ایسا نہیں کیا بلکہ امویوں کے ظلم سے محفوظ رہنے کیلئے اپنے خاندان کے چند جوانوں، بچوں اور خواتین کو ساتھ لیکر مدینہ سے جنوب کی جانب مکہ تشریف لے گئے تا کہ بیت اللہ کے سائے میں عافیت سے رہ سکیں۔ ابھی چار مہینے ہی گذرے تھے کہ آپ کے قتل کی غرض سے شامی درندے حاجیوں کے بھیس میں مکہ پہنچے۔ لہٰذا سیدہ کے لال نے حج کو عمرہ میں تبدیل کیا اور اہل کوفہ کی دعوت پر اپنے اہل و عیال کے ہمراہ مکہ سے شمال مشرق کی جانب کوفہ کا طویل سفر اختیار کیا۔ دورانِ سفر بہت سے قبائل آپ کا ساتھ دینے کیلئے شریک سفر ہونے کے آرزومند ہوئے لیکن آپ نے واضح الفاظ میں ان کو بتایا کہ آپ ملک فتح کرنے نہیں بلکہ قتل ہونے جا رہے ہیں۔ لوگ چھٹتے رہے قافلہ آگے بڑھتا رہا حتیٰ کہ شامی فوجی دستے کی نگرانی میں بجائے کوفہ کے کربلا پہنچا۔ دریائے فرات کے کنارے خیمے نصب کئے تو شامیوں نے وہاں سے خیمہ ہٹانے کو کہا حضرت عباس علمدار کو جلال آ گیا' نوبت لڑائی پر آنے والی تھی کہ صابر و شاکر امام نے بھائی کو سمجھا بجھا کر وہاں سے خیمے ہٹوا دیئے اور عرب کے صحرا میں پانی کی اہمیت کو جانتے ہوئے بھی دریا سے

دور خیمے نصب کرائے۔ نویں محرم کو ایک شب کی مہلت حاصل کی اس موقع پر بھی آپ نے اپنے جانثاروں کو ترغیب دی کہ وہ جدھر چاہیں چلے جائیں کیونکہ دشمن کو صرف آپ کا سر درکار ہے۔ الغرض فرزندِ رسول کے کسی اقدام سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آپ کا مقصد قوت و غلبہ و اقتدار حاصل کرنا تھا۔

فرزندِ رسول نے اپنے مقصد عظیمہ کے حصول کی خاطر دعوت الی الحق اور صداقت و حُرمت کی راہ میں اپنی اور اپنے ساتھیوں کی لازوال قربانیاں پیش کر کے یہ ثابت کر دیا کہ ظالم و جابر حکمرانوں سے مقابلہ کیلئے ضروری نہیں کہ مادی قوت کے وہ تمام ساز و سامان بھی موجود ہوں جو ظالموں کے پاس ہوتے ہیں۔ آپ کیساتھ چند بھوکے اور پیاسے ضعفاء و مساکین کی جمعیت قلیل کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ آپ نے اپنے چند جانثاروں کیساتھ جس صبر و استقلال، ہمت و پامردی سے لشکر باطل کے ظلم و استبداد کا مقابلہ کیا وہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ قوت و طاقت کا مقابلہ بھوک و پیاس میں صبر و عمل سے کر کے مظلوم کربلا نے ملت مسلمہ کو اس قابل کر دیا کہ وہ مذاہب عالم سے سوال کر سکے کہ صفحۂ ہستی میں کوئی حسینؑ جیسا صابر' جری، بہادر، و باطل شکن مل سکے تو پیش کرو؟ حبیب ابن مظاہر جیسا بوڑھا مجاہد جو بھوکا بھی تھا اور پیاسا بھی مل جائے تو بتاؤ؟ علی اصغر جیسا شیر خوار جسے دودھ تو دودھ پانی بھی نہ مل سکا ہو کوئی ننھا مجاہد نظر آئے تو دکھلاؤ؟ کٹتی ہوئی گردن' چلتے ہوئے خنجر اور بہتے ہوئے خون کیساتھ "میرے اللہ میں نے اپنا وعدہ پورا کیا تو بھی میرے نانا کی امت کو بخش دینا" کہنے والا کوئی شہید مل جائے تو اسی کو سید الشہداء مان لیجئے' خیموں کا جلنا' چادروں کا لٹنا' گوشواروں کا چھننا' ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کا پہننا' کوفہ و شام کے بھرے بازاروں اور درباروں میں چلا آنا۔ اسطرح راضی بہ رضائے الٰہی رہنے والے قیدی اگر چشم فلک نے دیکھے ہوں تو ضرور آنسو بہایئے۔

حضرت امام حسینؑ حق و صداقت کی راہ پر اس قدرت الٰہیہ پر بھرپور اعتماد کے ساتھ گامزن تھے جو حق کو باوجود ضعف و فقدانِ انصار کے کامیاب و فتح مند کرتی

ہے اور ظلم کو باوجود جمعیت کثیر اور عظمتِ دنیوی کے ناکام ونامراد رکھتی ہے۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: کَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَت فِئَةً كَثِيرَةً بِاذنِ اللهِ ۔ [1] یعنی کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو بڑی جماعتوں پر خدا کے حکم سے غالب آگئیں۔ سیدہ کے لال نے بھی میدانِ کربلا میں اپنی قلیل جماعت کے ساتھ بڑی جماعت بلکہ وسیع حکومتِ قاہرہ وجابرہ کا مقابلہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم الشان فتح سے ہمکنار فرمایا اور فیروزمندی وکامرانی کا تاج آپ کے خون آلودہ سر بریدہ کی زینت بنایا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی آزمائشوں کے متعدد درجے قائم کئے ہیں جنکے ذریعہ وہ اپنے مخلص، صالح وصابر بندوں کے امتحان لیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَنَبلُوَنَّكُم بِشَیءٍ مِّنَ الخَوفِ وَالجُوعِ وَنَقصٍ مِّنَ الاَموَالِ وَالاَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِينَ ○ الَّذِينَ اِذَآ اَصَابَتهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيهِ رَاجِعُونَ ○ اُولٰٓئِكَ عَلَيهِم صَلَوٰتٌ مِّن رَّبِّهِم وَرَحمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ المُهتَدُونَ ○ (البقرۃ آیت: ۱۵۵ تا ۱۵۷)

ترجمہ: اور ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے ضرور آزمائیں گے اور (اے رسول) ایسے صبر کرنے والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت آپڑی تو وہ (بے ساختہ) بول اٹھے ہم تو خدا ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانیوالے ہیں، خوشخبری دیدو کہ انھیں لوگوں پر اُن کے پروردگار کی طرف سے عنایتیں ہیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

چونکہ خوف وہراس، بھوک وپیاس، نقصانِ اموال ومتاع، قتلِ نفس واولاد یہی چیزیں دنیا میں انسان کیلئے انتہائی مصیبتیں ہوسکتی ہیں لہٰذا انہی چیزوں کو راہ الٰہی کیلئے آزمائش قرار دیا گیا ہے۔ مظلوم کربلا کسی ایک آزمائش میں مبتلا نہ تھے بلکہ آپکے سامنے یہ تمام مصیبتیں مرحلے وار ایک ایک کرکے موجود تھیں۔ اگر آپ

[1] سورۃ البقرۃ آیت: ۲۴۹

چاہتے تو ان مصائب سے ایک لمحہ کے اندر نجات پا سکتے تھے یعنی اگر آپ حکومت ظالمہ کی وفاداری واطاعت کا عہد کر لیتے اور حق وصداقت سے روگردانی کیلئے مصلحتِ وقت کی تاویل پر عمل کرتے تو آرام وآسائش سے زندگی بسر کر سکتے تھے۔ لیکن آپ نے خدا کی مرضی کو نفس کی مرضی پر ترجیح دی۔ اپنا سر دیدیا جو انسان کے اس حق کیلئے آخری متاع ہے مگر اقرار وفاداری کا ہاتھ نہ دیا جو صرف حق وعدالت ہی کیلئے آگے بڑھ سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کی بابت ارشاد فرمایا ہے:

"وَمِنَ النَّاسِ مَن يَّشرِی نَفسَهُ ابتِغَآءَ مَرضَاتِ اللهِ وَاللهُ رَءُوفٌ بِالعِبَادِ۔" (البقرۃ آیت: ۲۰۷)

ترجمہ: اور لوگوں میں سے (خدا کے بندے) کچھ ایسے ہیں جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اپنی جانیں تک فروخت کردیتے ہیں اور اللہ بھی ایسے بندوں پر بڑا شفقت والا ہے۔

لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت امام حسینؑ کا مقصد اعلیٰ وہ امتحان تھا جس کی انتہا شہادت تھی۔ آپ کا امتحان شروع ہوا تو عالمِ خوف وہراس میں پہلے مدینہ اور پھر مکہ سے نکلے اور یہ خوف یوم عاشورہ تک چھایا رہا۔ پھر وہ وقت آگیا اب آپ نے عبادت خدا میں شب بسر کی۔ صبح شہادت نمودار ہوئی پہلے آپ نے انا للہ والوں کی فہرست تیار کی پھر انا الیہ راجعون کی تیاری شروع کی۔ غازیان دین یکے بعد دیگرے سفر آخرت کی راجعاً الی اللہ تیاری کرکے میدان میں جاتے رہے اور جام شہادت نوش کرتے رہے۔ خلیل کربلا اپنے پیاروں کی لاشیں اٹھاتے رہے حتیٰ کہ اپنے ششماہے لختِ جگر کی ننھی سے تربت بنائی۔ پھر مظلوم کربلا نے منصب امامت بیمار کربلا کے سپرد کیا اور خود ایفائے عہد کیلئے میدان کربلا پہنچے۔ تین دن کے بھوکے پیاسے اور تمام دن اپنے عزیزوں ورفیقوں کی لاشیں اٹھانے والے نے بڑی شجاعت سے جنگ کی بالآخر سیدہ کا لال شامیوں کے نرغہ میں گھر گیا ہر طرف سے اشقیا نے حملے کئے۔ آپ درجہ شہادت پر فائز ہوئے اور انا للہ و انا الیہ راجعون کی تفسیر بن کر زندہ وجاوید ہوگئے۔

بعثت نبویؐ کے زمانہ تک خدا کی راہ میں جتنی بھی قربانیاں پیش کی گئیں وہ سب شخصی یا ذاتی حیثیت رکھتی تھیں یعنی ہر نبی نے ذاتی طور پر اپنے آپ کو یا اپنی اولاد کو قربانی کیلئے پیش کیا تھا جو جہاد کی ابتدائی شکل تھی۔ اس کی تکمیل شریعت اسلامی پر موقوف ہوئی چنانچہ جس طرح اسلام نے عقائد وعبادات اور معاش ومعاد میں تمام قدیم مذاہب کی تکمیل کی اسی طرح جہاد کو بھی واضح اور مکمل کردیا۔

اب تک کسی پیغمبر کے خاندان نے جہاد میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ ذاتی طور پر جو قربانیاں پیش کی گئیں انہیں راہ ہی میں روک لیا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کو خدا کی نذر کرنا چاہا لیکن اس کا موقعہ ہی نہ آیا۔ حضرت عیسیٰؑ سولی کی طرف بڑھے لیکن بچا لئے گئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ تمام سلسلۂ انبیاء میں ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو کہ مقصد نبوت کے حصول کیلئے خاندان نبوت کے بیشتر ارکان نے بلا امتیاز راہ حق میں قربانی کیلئے اپنے آپ کو پیش کیا ہو۔ ماسوائے قربانی حسینؑ کے۔

یزید کی شخصی حکومت کی بیعت کیلئے جو بھی ہاتھ بڑھے وہ اسلام اور اسلامی جمہوریت کا قلع قمع کرنے کی غرض سے بڑھے۔ جبکہ تحفظ دین کی قربانیاں صرف امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہی کیلئے ہوا کرتی ہیں۔ اس لئے یہی وہ وقت تھا جب اسوۂ ابراہیمی کو زندہ کرنے کیلئے قربانیاں درکار تھیں۔ لہٰذا خاندان رسالتمابؐ کے زن ومرد اتقال وانصار نے جہاد حق میں حصہ لیا اور جن قربانیوں کے پاک خون سے زمین کی آغوش اب تک خالی تھی اسے اہلبیت رسولؐ نے اپنے پاک خون سے کربلا کے میدان میں رنگ دیا۔

پس حضرت امام حسینؑ کی شہادت عظمہ کا واقعہ کوئی شخصی واقعہ نہ تھا اور نہ ہی اس کا تعلق صرف اسلام کی تاریخ سے ہے بلکہ اس کا تعلق اسلام کی اس اصل حقیقت سے ہے جس کا ظہور حضرت اسمٰعیلؑ کی ذات سے ہوا تھا اور وہ بتدریج ترقی کرتی ہوئی حضرت عیسیٰؑ کی ذات تک پہنچ کر گم ہوگئی تھی۔ اس حقیقت کو حضرت

امام حسینؑ نے اپنی حق پرستی، ایثار وقربانی اور سرفروشی سے مکمل کردیا۔ یہی مقصدِ حسینؑ تھا جو بحمد للہ پورا ہوا۔

اس شہادت عظمہ پر جو روتے ہیں ان کو رونے ہی پر اکتفا نہ کرنا چاہیے بلکہ ان کے پیشِ نظر سید الشہداء کا اسوۂ حسنہ ہونا چاہیے۔ کسی محبِ حسینؑ کیلئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ محبتِ حسینؑ کا دعویدار تو ہو مگر اس کے اعمال اسوۂ حسینی سے متابعت نہ رکھتے ہوں۔ دنیا کی ہر چیز مر جاتی ہے یعنی دینا کی ہر شہ فانی ہے مگر خونِ شہادتِ حسینؑ کے غم میں آنکھوں سے نکلنے والے ان قطروں کیلئے جو اپنے اندر حیاتِ لاثانیہ کی روح رکھتے ہیں کبھی بھی فنا نہیں ہے۔

مصنوعی رونا: بعض حضرات کا گمان ہے کہ "حسین نے خلیفہ وقت کا مقابلہ کیا اور بالآخر نتیجے میں ایسی شکست اٹھائی جس پر اب تک مصنوعی رونا رویا جاتا ہے۔" کیا کہئے ایسی جسارت بجا کرنیوالوں کو اور کیا نام دیجئے ان گستاخ وخیرہ چشموں کو؟ جو فرزندِ رسولؐ کی بابت ایسے نازیبا کلمات ادا کرتے ہیں۔ کچھ بھی ہو کوئی مسلمان تو فرزندِ رسولؐ وجگر گوشۂ علیؑ وبتولؑ کی بابت اس قسم کے کلمات زبان پر لا ہی نہیں سکتا۔

حضرت امام حسینؑ نے جو کچھ بھی کیا وہ بمقتضائے واجبات سراسر برحق کیا اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ اس بارے میں مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی صاحب نے فرمایا ہے کہ:

"خروج امام حسینؓ بنا بر تخلیص رعایا از دست ظالم بود واعانت المظلوم من الواجبات" (فتاویٰ عزیزیہ ص: ۲۲ ج: ۱)

یعنی حضرت امام حسینؓ کا خروج ظالم کے ہاتھوں مظلوم رعایا کو نجات دلانا تھا اور مظلوم کی مدد کرنا واجبات میں سے ہے۔

حضرت امام حسینؑ کے اقدام کی بابت اہلسنت والجماعت کا یہی اصلی و حقیقی مسلک ہے۔ اب رہا یہ امر کہ اس اقدام کے "نتیجہ میں ایسی شکست اٹھائی اس پر اب تک مصنوعی رونا رویا جاتا ہے۔" جہانتک شکست کی بات ہے تو حضرت امام حسینؑ کی اس ظاہری شکست کے مقابل دنیا کے فاتحین کی ہزاروں فتوحات

قربان کی جاسکتی ہیں۔ کیا کہنے حسینؑ کی اس فتح شکست نما کے جس کی یادگار تاقیام قیامت انشاء اللہ باقی رہے گی۔ اور جس طرح خیر وشر، نور وظلمت، موسیٰ وفرعون وغیرہ کے متقابل ومتخالف الفاظ دومتضاد حالتوں کے اظہار کیلئے مستعمل ہیں اسی طرح شبیر ویزید بھی قیامت تک کے لئے ضرب المثل رہیں گے۔ اور فتح شکست نما اور اس کے مقابل شکست فتح نما پر گواہی دیتے رہیں گے۔ علامہ اقبالؒ نے سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کی بہت خوب منقبت نگاری فرمائی ہے۔ ع

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید — این دو قوت از حیات آید پدید
زندہ حق از قوت شبیری است — باطل آخر داغ حسرت میری است
تا قیامت قطع استبداد کرد — موج خوں او چمن ایجاد کرد
بہرحق درخاک وخوں غلطیدہ است — پس بنائے لاالہ گردیدہ است
سر ابراہیم و اسمعیل بود — یعنی آں اجمال را تفصیل بود

(مثنوی رموز خودی)

سبحان اللہ علامہ اقبال نے حقیقت کو آشکار کردیا۔ یقیناً واقعہ کربلا قیامت تک ظلم واستبداد کی طاغوتی قوتوں کے مقابل بطور ضرب المثل یادگار رہے گا۔ اس حادثہ جاں گداز کے بعض اسباب پر بحث کرتے ہوئے مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تحریر فرمایا ہے کہ:

''لیطلع الحاضرون والغائبون علیٰ وقوعھابل بابقاء البکاء والحزن المستمر وتذکرتلک الوقائع المائلہ فی امۃ النبیٰ یوم القیامۃ فقد بلغت نہایت الشھرۃ فی الملاء الاعلی والاسفل والغیب والشہادۃ والجنّ والانس والناطق والصامت۔ (سرالشہادتین ص: ۸)

ترجمہ: تاکہ سب حاضر وغائب اس واقعہ (کربلا) سے آگاہ ہوجائیں اور بکا اور ہمیشہ باقی رہنے والا حزن اور ان دردناک وقائع کا ذکر رسول کی امت میں تاقیامت باقی رہے پس انتہا درجہ پر شہرت ہوگئی اس شہادت (حسینؑ) کی عالمِ بالا وعالمِ زیریں اور عالمِ غیب وعالمِ شہادت اور جن وانس اور ناطق وصامت میں۔

جناب خاتم المحدثین نے جن حقائق کی نشاندہی فرمائی ہے وہ قطعی ناقابل تردید ہیں عالمِ اسلام کے در و دیوار تک ان حقائق کے اثبات کی گواہی دے رہے ہیں۔ مگر اعدائے بداندیش زہرافشانی سے کہاں باز آنے والے ہیں۔ کبھی حسینؑ کی شکست پر تعریض کرتے ہیں تو کبھی کہتے ہیں کہ حسینؑ پر مصنوعی رونا رویا جاتا ہے جبکہ حسینؑ پر سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گریہ فرمایا۔ پھر جنات روئے، زمین وآسمان روئے۔ اولیائے عظام اور صوفیائے اکرام نے اشکباری کی، اکابر علماء وصلحانے گریہ وبکا کا اظہار کیا۔ جس کی تفصیل کتب صحاح ومسانید وتاریخ میں مرقوم ہے۔ ہم چند اقتباسات اختصار کیساتھ پیش کررہے ہیں:

''اخرج الحاکم والبیھقی عن ام الفضل بنت الحارث. .... من تربۃ حمراء''۔ (ینابیع المودۃ ص: ۳۱۸ ج: ۲، تحریر الشہادتین شرح سر الشہادتین از مولانا شاہ سلامت اللہ ص: ۸۳)

ترجمہ: امام حاکم اور بیہقی نے ام الفضل بنت حارث سے روایت کی ہے کہ وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن میں امام حسین کو لائی اور رسول اللہ کی آغوش میں دیدیا۔ پھر جو دیکھتی ہوں تو آنحضرتؐ کی چشم مبارک سے آنسو جاری ہیں۔ پھر خود ہی حضرت نے فرمایا کہ جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ میری امت میرے اس لخت جگر کو شہید کرے گی اور مجھے اس مقام کی سرخ مٹی بھی دی ہے۔

''عن سلمی الانصاریۃ دخلت .... قال شہدت قتل الحسین انفاً۔'' (ترمذی شریف ص: ۴۲۶، صواعق محرقہ ص: ۱۱۵ مطبوعہ مصر، تاریخ الخلفاء ص: ۱۴۱ مطبوعہ لاہور، ماثبت من السنۃ ص: ۲۷ از شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

ترجمہ: سلمیٰ انصاریہ کہتی ہیں کہ میں ایک بار ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے گھر گئی اور وہ روتی تھیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کیوں روتی ہیں جواب دیا کہ میں نے ابھی رسول اللہؐ کو خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کے سر اور داڑھی پر گرد پڑی ہوئی تھی اور روتے تھے۔

میں نے پوچھا کہ یارسول اللہؐ آپ کا یہ کیا حال ہے۔ فرمایا ابھی میں نے حسین کے قتل کا مشاہدہ کیا۔

''عن ابن عباس قال رایت.......... الیوم فوجدوہ قتل یومئذٍ۔'' (ترمذی شریف ص: ۴۲۶، صواعق محرقہ ص: ۱۱۶، استیعاب ابن عبدالبر حاشیہ اصابہ ص: ۳۸، تاریخ الخلفاء ص: ۱۴۱، مسند احمد بن حنبل اور دلائل نبوۃ میں بھی یہ روایت منقول ہے۔ وغیرہ)

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کو خواب میں دیکھا کہ دوپہر کے وقت آپ کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور ان پر غبار پڑا ہوا ہے۔ ہاتھ میں ایک شیشی ہے جس میں خون ہے میں نے پوچھا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یہ کیسا خون ہے۔ فرمایا حسین اور ان کے اصحاب کا خون ہے جس کو جمع کررہا ہوں۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ پس میں نے اس دن کا حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ امام حسینؑ اسی دن شہید ہوئے تھے۔

''واخرج ابن سعد عن الشعبی قال........ فلم املک عینی ان فاضتا''۔ (صواعق محرقہ ص: ۱۱۵ اسی حدیث کو امام احمد بن حنبل نے عبداللہ بن یحییٰ سے روایت کی ہے مسند امام احمد بن حنبل ص: ۸۵ ج: ۱)

ترجمہ: طبقات کبیر ابن سعد میں امام شعبی سے منقول ہے کہ حضرت علیؑ صفین کی طرف جاتے ہوئے جب نینوا کے قریب پہنچے تو ٹھہر گئے اور اس سرزمین کا نام پوچھا۔ کربلا بتلایا گیا حضرت روئے اور خوب روئے اس قدر کہ وہاں کی زمین آپ کے آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ پھر فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور رورہے تھے۔ میں نے رونے کا سبب پوچھا۔ فرمایا میرے پاس اس وقت جبرئیل بیٹھے تھے۔ انہوں نے خبر دی ہے کہ میرا بیٹا حسین فرات کے کنارے اس جگہ جسے کربلا کہا جاتا ہے قتل کیا جائیگا۔ پس مجھے اپنی آنکھوں پر قابو نہ رہا اور بے اختیار رو پڑا۔

''واخرج ابو نعیم فی الدلائل عن ام سلمۃ قالت سمعت الجنّ تبکی علی الحسین و تنوح'' ۔ (ماثبت من السنۃ از شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص: ۲۹، صواعق محرقہ ص: ۱۱۷، تحریر الشہادتین ص: ۹۳)

ترجمہ: حافظ ابونعیم نے دلائل میں حضرت ام المومنین ام سلمہؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے جنوں کو سُنا کہ وہ حسین پر روتے اور نوحہ کرتے تھے۔

'' اخراج الثعلبی عن السدی قال لماقتل الحسین بن علی بکت علیہ السماء وبکا ئھا حمرتھا وحکی ابن سیرین ان الحمرۃ لم ترقبل قتلہ وعن سلیم القاضی قال مطرنا السمّاء وما ایام قتلہ وقال علی فمابکت السماء والارض الایحییٰ بن زکریا و علی حسین ابنی۔'' (ینابیع المودۃ ص: ۳۵۶ ج: ۲)

ترجمہ: امام ثعلبی نے سدی سے روایت کی ہے کہ جب امام حسین شہید ہوئے تو حضرت پر آسمان رویا اور اس کا رونا آسمان کی سرخی ہے۔ ابن سیرین کہتے ہیں آسمان کی سرخی قبل شہادت امام حسین نہیں دکھلائی دیتی تھی۔ قاضی سلیم کہتے ہیں کہ شہادت امام کے ایام میں آسمان سے خون برسا۔ حضرت علی نے فرمایا کہ زمین اور آسمان نہیں روئے سوائے یحییٰ بن زکریا اور میرے فرزند حسین پر۔

اس گریہ کی وقعت ہم گنہگار کیا بیان کرسکتے ہیں۔ غمِ حسینؑ میں بہنے والے آنسوؤں کی قدر وقیمت تو کچھ خاصانِ خدا ہی خوب جانتے ہیں۔ ملاعلی قاری اور ملا مبین فرنگی محلی، مسند احمد بن حنبل کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

''وفی مسنداحمد بن حنبل من دمعت عیناہ بقتل الحسین ومعۃ وقطرت قطرۃ بواہ الجنۃ۔'' (شرح مشکوٰۃ ص: ۲۰۳ ج: ۵ طبع مصر، وسیلۃ النجاۃ ص: ۳۰۵)

ترجمہ: مسند احمد بن حنبل [1] میں ہے کہ جو شخص امام حسین پر آنسو بہائے یا صرف ایک قطرہ ٹپکے تو خداوند عالم اس کو جنت عطا کریگا۔

ملا حسین واعظ کاشفی غمِ حسین میں گریہ کرنے کی بابت تحریر کرتے ہیں کہ:

''وگریہ دریں ماتم موجب حصول رضائے ربانی و سبب حصول بریاض جاودانی است چنانچہ درآثار آمدہ کہ من بکی علی الحسین او تباکی وجبت لہ الجنۃ۔'' (روضۃ الشہداء ص: ۲۰۵)

[1] امام احمد بن حنبل کے حوالے سے یہ روایت مختلف طریقوں سے متعدد کتب میں مرقوم ہے جبکہ مسند کے مطبوعہ نسخے میں اس کا وجود نہیں ہے۔ عین ممکن ہے کہ قدیم نسخوں میں موجود ہو مگر بوقت طبع جدید کارپردازان اشاعت کی دست برد سے حذف ہوگئی ہو۔

یعنی: حسین کے غم میں گریہ کرنا خدا کی رضا حاصل کرنے اور جنت میں پہنچنے کا سبب ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ جو شخص امام حسین پر روئے یا رونے والوں کی شکل بنائے اس پر جنت واجب ہوتی ہے۔

خاتم المحدثین جناب مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی اپنے خانہ ہدایت کاشانہ میں باہتمام خاص ہر سال ایام عزاء میں مجلس عزائے حسین نہایت عقیدت واحترام سے برپا کرتے تھے۔ خود بھی غم حسینؑ میں گریہ کرتے اور حاضرین مجلس کو بھی مصروف گریہ رکھتے تھے۔ اپنے ایک مکتوب خاص میں اپنے گھر کی مقررہ مجلس عزاء کا ذکر کرتے ہوئے آخر میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''ودریں اکثر حضار مجلس راوایں فقیر راہم رقت وبکالاحق می شود پس اگرایں چیز بانزد فقیر بہمیں وضع جائز نمی بود اقدام براں اصلاً نمی کردم۔''
(فتاویٰ عزیزیہ ص: ۱۰۴ ج: ۱)

یعنی: اکثر حاضرین مجلس اور خود فقیر پر گریہ وبکا طاری ہوجاتا ہے اگر یہ چیزیں فقیر کے نزدیک اسی طریقہ سے جائز نہ ہوتیں تو کبھی ان پر اقدام نہ کرتا۔

شاہ صاحب نے اپنے خط[1] کا اختتام امام شافعیؒ کا اس شعر پر کیا ہے:

لوکان رفضاحب الِ محمدؐ فلیشھد الثقلان انّی رافضی

ترجمہ: اگر آل محمدؐ کی محبت کا نام رفض ہے تو دونوں جہاں گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔

شیخ سلیمان بلخی قندوزی نے اپنی کتاب ''ینابیع المودۃ'' کا باسٹھواں باب ان احادیث کے ذکر کیلئے مخصوص کیا ہے جو مظالم امام حسینؑ اور اہلبیت اطہار پر گریہ وبکا کرنیوالوں کے کثرتِ ثواب کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا نعیم صاحب نے تحریر کیا ہے کہ ''علمائے کرام وصوفیائے عظام واکابرامت ومحقق اہلسنت برابر اس واقعہ پر روتے چلے آئے ہیں اور اس کو سعادت وثواب جانتے ہیں۔''[2] مولانا شاہ محمد حسن میاں حنفی قادری پھلواری نے اس بارے میں تفصیل سے لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: یہ دردانگیز داستان ہے کہ سخت سے سخت

[1] شاہ صاحب کے اس خط کا مکمل متن فتاویٰ عزیزیہ طبع دہلی میں ہے اس کے علاوہ مجلّہ ''علمیہ معارف'' بابت ماہ اکتوبر ۱۹۳۲ء مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڑھ میں بھی شائع ہوا ہے۔ [2] شہادت حسینؑ ص: ۴

دل کیوں نہ ہو اس واقعہ کو سنکر ضرور بے چین ہوجاتا ہے اور دو چار قطرے بھی آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا اور یاد رکھئے کہ سید الشہداء پر رونا کسی طرح ضائع نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد موصوف نے متعدد کتب مثلاً مسند احمد بن حنبل، غنیۃ الطالبین، وسیلۃ النجات وغیرہ میں مرقومہ واقعات وبیانات کی روشنی میں حضرت امام حسینؑ پر رونے کو باعث ثواب اور حصول جنت کا ذریعہ بتایا ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں:

''ناظرین! اگر ان حدیثوں کو جو مسند احمد بن حنبلؒ اور غنیۃ الطالبین میں مروی ہیں ضعیف وموضوع کہا جائے تو ان سے قطع نظر کیجئے مگر امام مظلوم پر رونا سنت تو ضرور ہے اس سے تو انکار نہیں ہوسکتا۔۔۔ مگر ہندوستان کے بزرگان اور اولیا اللہ کے احوال پر نظر کرتا ہوں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ سے یہ حضرات اس دن اظہار غم کرتے آئے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ عاشورہ کے دن اس واقعہ کا ذکر کرکے ''ہائے ہائے'' کا نعرہ کرتے تھے اور بیہوش ہوجاتے تھے اور یہ بزرگان اس دن سادات کرام سے تعزیت اور ماتم پرسی کرتے تھے اور علماء ومشائخین کی خدمت میں بھی تعزیت کیلئے حاضر ہوتے تھے چنانچہ حضرت مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس اللہ سرّہ کی بھی یہی حالت تھی جیسا کہ آپ کے ملفوظ ''مخ المعانی'' میں تحریر ہے۔۔۔۔ اور حضرت سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی چشتی قدس اللہ سرّہ کی یہ حالت تھی کہ محرم کا چاند دیکھ کر وہ بیقرار ہوجاتے تھے اور گریہ وزاری میں مصروف ہوجاتے تھے۔۔۔۔ ذکر مقتل پڑھتے تھے اور اس پر رونے کو ثواب فرماتے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام مخدوم علاء الحق پنڈوی قدس سرّہ کے احوال میں بھی یہی لکھا ہے کہ دس دن محرم کے وہ برابر گریہ وزاری کرتے تھے۔ اور حضرت سید محمد بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ آپ بھی محرم میں گریہ وبکا میں مصروف رہتے تھے جیسا کہ آپ کے ملفوظات سے ظاہر ہے۔'' (غم حسین ص: ۶۶-۷۰)

المختصر یہ کہ مذکورہ بزرگان اور انہی جیسے دیگر بہت سے علمائے کرام

وصوفیائے عظام برائے حصولِ ثواب وسعادت حضرت امام حسینؑ کے غم میں رونے اور اشکباری کرنے والے تھے جن میں سے چند کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

خواجہ منصور اصفہانی، خواجہ علی غزنوی حنفی، مجدد الدین ہمدانی، شیخ عبدابوالفتح نصر آبادی، خواجہ محمود حداوی حنفی، خواجہ امام شرف الائمہ، ابونصر سنجانی، خواجہ تاج اشعری نیشاپوری، شیخ احمد شیبانی، وغیرہ وہ ہستیاں ہیں جو مسلمانوں کے روحانی پیشوا ہیں اور جو امام مظلوم کے غم میں گریہ وبکا کرتے تھے۔[1]

مذکورہ بالا بیانات کے پیش نظر ہر کلمہ گو کو چاہیے کہ ایام عزا میں ذکرِ حسینؑ کو سنیں اور سنائیں اور اس کو اپنی زندگی کا دستور عمل بنالیں کیونکہ ان واقعات کے سننے اور خیال کرنے سے قدرتی طور پر دلوں میں غم والم کے جذبات پیدا ہوتے ہیں جو امام عالیمقام کے ساتھ غمگساری کا موجب اور نجات کا ذریعے ہوتے ہیں۔

ایک وضاحت: بلاشبہ مولانا محمد علی جوہر صاحب کو برصغیر کی سیاست میں نمایاں مقام حاصل ہے ان کے کارنامے سیاسی تاریخ میں یادگار رہیں گے علمیت کے اعتبار سے بھی مولانا صاحب بلند قامت شخصیت تھے لیکن مولانا صاحب کا یہ مصرع ''اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد'' حقیقت کی عکاسی نہیں کرتا اور شعوری یا غیر شعوری طور پر حضرت امام حسینؑ کی عظیم الشان، بے مثال قربانی کی توہین کے مترادف ہے۔ دنیا والوں کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح عرش وسما کے درمیان دنیائے ہست وبود میں دریائے فراط کے کنارے خلق کیجانے والی ارض نینوا کے علاوہ کوئی دوسری کربلا نہ بنی، نہ ہے اور نہ بنے گی۔ اسی طرح شہید کربلا سے پہلے یا بعد کوئی حسینؑ نہ پیدا ہوا، نہ ہے اور نہ ہی یوم حشر تک ہوگا۔ اسی طرح واقعات شہادت امام حسینؑ جس نوعیت اور انداز سے رونما ہوئے ویسے ابتدائے خلقت آدم سے اس وقت تک اور اب سے قیامت تک نہ رونما ہوئے ہیں، نہ ہوسکتے ہیں اور نہ ہوں گے۔

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اخبار الاخیار از محدث دہلوی اور نقض الفضائح از ملا عبد الجلیل رازی

جناب مولانا محمد علی جوہر صاحب بڑے باخبر، باہوش، بافہم انسان اور سیاست میں بڑے ماہر تسلیم کئے جاتے ہیں مگر انتہائی معذرت کے ساتھ یہ مولانا صاحب نے غائر نظر سے واقعات شہادت حسینؑ پر نظر نہیں ڈالی اسی لئے آپ سینکڑوں حسینؑ اور ہزاروں کربلا بنادینے پر تیار ہوئے۔ آپ نے امام حسینؑ کی عظیم الشان قربانی کی اہمیت وبلندی، ثمرات واثرات، فوائد ومقاصد کو نظر انداز کرتے ہوئے بیساختہ کہدیا ''اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد'' اور یہ مصرع اتنا زبان زد خاص وعام ہوا کہ اکثر وبیشتر لوگ اس کا مفہوم سمجھے بغیر وقت بے وقت اپنے مطلب کے مطابق دہرا دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کو جاننا چاہیئے کہ محرم ۶۱ھ میں امام حسینؑ نے اپنی اور اپنے عزیزوں ورفیقوں کی کربلا میں عجیب وغریب انداز میں قربانیاں دے کر اسلام کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے زندہ وجاوید بنادیا جس کے بعد سے اس وقت تک نہ تو کوئی یزید پیدا ہوا، نہ ویسے حالات رونما ہوئے، نہ اس طرح اسلام کو مٹانے کی کوشش کی گئی، نہ مصالح قدرت ویسے انداز شہادت کے متقضی ہوئے اور نہ ہی آئندہ ہوں گے اس لئے واضح ہو کہ نہ کوئی حسین کا مثل ہوسکے گا اور نہ کوئی دوسری کربلا پیدا ہوگی۔

ازواج واولاد: عام طور سے نسب نگاروں اور تاریخ نویسوں نے حضرت امام حسینؑ کی پانچ ازواج اور ان کے بطن سے پیدا ہونے والے چار فرزندان اور دو دختران کے تذکرے کئے ہیں جبکہ بعض نسابین ومورخین نے آپ کی اولاد کی تعداد کو بڑھا کر ساتھ سے پندرہ تک بیان کیا ہے لیکن کسی نے بھی ان کی مادران گرامی کے نام ونسب کا ذکر نہیں کیا۔ جو کچھ معتبر کتب سے ثابت ہوتا ہے اس کی رو سے آپ کی پانچ ازواج اور چھ اولادیں تھیں۔ جن کی تفصیل اس طرح ہے:

۱) جناب شہربانو (شاہ زنان) بنت یزدجرد بن شہریار۔ یہ حضرت امام علی زین العابدینؑ کی مادر گرامی تھیں۔ ان کی تفصیل آئندہ صفحات میں مرقوم ہے۔

۲) جناب رباب بنت امراء القیس بن عدی کلبی۔ یہ حضرت علی اصغر (عبداللہ) اور بی بی سکینہ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ جناب رباب کی بابت مورخین کا بیان ہے کہ ان

معظمہ نے سیدالشہداء حضرت امام حسینؑ کی لاش مبارک کو میدان کربلا میں دھوپ میں پڑا ہوا دیکھا تو اپنے آپ سے عہد کیا کہ وہ تاحیات سایہ میں نہیں بیٹھیں گی لہٰذا انہوں نے سایہ میں بیٹھنا ترک کردیا اور روا اکثر و بیشتر گریہ و بکا میں مشغول رہتی تھیں۔ اکابر قریش نے ان سے عقد کرنیکی خواہش کی تو انہوں نے جواب دیا کہ "رسول اللہ کے شرف کے بعد کوئی شرف نہیں چاہتی اور امام حسینؑ جیسے شوہر کے بعد کسی شوہر کی ضرورت نہیں۔" آخرکار وہ معظمہ حزن و ملال کے عالم میں وفات پا گئیں۔

۳) جناب لیلیٰ بنت ابومرۃ بن عروۃ بن مسعود ثقفی۔ یہ حضرت علی اکبر کی مادر گرامی تھیں۔ علامہ سبط ابن جوزی نے ان کا نام آمنہ تحریر کیا ہے۔ [۱]

۴) جناب ام اسحاق بنت طلحہ بن عبیداللہ تیمی۔ ان کا نام فاطمہ اور کنیت ام اسحاق تھی۔ یہ جناب فاطمہ صغریٰ کی مادر گرامی تھیں۔

۵) قبیلہ قضاء کی ایک خاتون۔ ان کا نام اور ولدیت مورخین نے تحریر نہیں کی البتہ سبط ابن جوزی نے انہیں "سلافہ قضائیہ" لکھا ہے۔ ان کے بطن سے جعفر پیدا ہوئے جو اپنے پدر بزرگوار کی حیات ہی میں مدینہ منورہ میں وفات پا گئے ان کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ [۲]

واقعہ کربلا کے وقت حضرت امام حسینؑ کے کل تین فرزندان حیات تھے جو میدان کربلا آپکے ساتھ میں موجود تھے ان کے علاوہ دو دختران میں سے بی بی سکینہ آپ کے ہمراہ تھیں جبکہ بی بی فاطمہ صغریٰ کو شدید علالت کے باعث مدینہ ہی میں چھوڑ آئے تھے اور ان کی تیمارداری و دیکھ بھال کیلئے حضرت عباسؑ کی مادر گرامی جناب ام البنین کو ان کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ اس وقت جناب فاطمہ صغریٰ سات سال کی تھیں بعد میں جناب فاطمہ صغریٰ کا عقد امام حسنؑ کے فرزند حسن (حسن مثنیٰ) سے ہوا۔ انکے بطن سے عبداللہ محض، ابراہیم اور حسن مثلث تین فرزندان اور ام کلثوم و زینب دو دختران تولد ہوئے۔ ۱۱۷ھ میں فاطمہ صغریٰ کی وفات ہوئی۔ اس حساب سے بوقت وفات ان کی عمر تقریباً تریسٹھ سال بنتی ہے۔

[۱] تذکرۃ الخواص ص: ۳۳۳ [۲] منتہی الامال ص: ۵۵۸ ج: ۱

علی اکبر: آپ حضرت امام حسینؑ کے دوسرے فرزند تھے۔ آپ کو علی اوسط بھی کہا جاتا تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ لیلیٰ بنت ابی مرۃ بن عروۃ بن مسعود ثقفی تھیں۔ جن کی بابت شیخ محمد عباس قمی نے تحریر کیا ہے: "مادر آنجناب (علی اکبر) لیلیٰ بنت ابی عروۃ مسعود ثقفی است و عروۃ بن مسعود یکی از سادات اربعہ در اسلام و از عظمای معروفین است۔" [۱] عام طور سے مورخین نے آپکی تاریخ ولادت تحریر نہیں کی اب کہ بعض نے ۱۱ر شعبان کو آپ کا یوم ولادت قرار دیا ہے۔ یعنی ان جناب (علی اکبر) کی والدہ محترمہ لیلیٰ بنت عروہ بن مسعود ثقفی ہیں اور عروہ بن مسعود مشہور و معروف صاحب عظمت سادات میں سے تھے۔ آپ کی عمر شہادت کے وقت اٹھارہ سال تھی یہ عام ہے۔

یوم عاشورہ حضرت علی اکبر نے اذنِ جہاد حاصل کیا۔ سیدہ کے لال نے اپنے ہاتھوں سے جوان بیٹے کو آراستہ کیا اور بارگاہ خداوندی میں ہاتھوں کو بلند کرکے التجا کی "میرے معبود اب تیری راہ میں میرا وہ فرزند قربان ہونے جا رہا ہے جو صورت و سیرت میں تیرے رسولؐ سے بہت مشابہ ہے۔ میرے مولا جب میں نانا کی زیارت کا مشتاق ہوتا تھا تو اس کی صورت دیکھ لیا کرتا تھا۔ مالک اس کی تو ہی مدد فرمانا۔" باپ سے رخصت ہوکر جناب علی اکبر میدان میں پہنچے رجز پڑھی اور مقابلہ شروع کیا۔ ایسی جنگ لڑی کہ دشمنوں کے دانت کھٹے کردیئے۔ صفوں کی صفیں الٹ دیں۔ بہت سے دشمنانِ دین کو فی النار کیا۔ پیاس کی شدت کے باعث پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "بابا جان! پیاس مارے ڈالتی ہے" امام نے فرمایا اپنی زبان میرے منہ میں دیدو شاید کچھ سکون مل جائے۔ علی اکبر نے اپنی زبان پدر بزرگوار کے منہ میں دی لیکن فوراً ہی واپس کھینچ لی اور کہا "لسانک ایبس من لسانی" "بابا جان آپکی زبان تو میری زبان سے زیادہ خشک ہے۔ تب امام نے رسول کریمؐ کی انگوٹھی علی اکبر کے منہ میں دی اور کچھ دیر بعد بیٹے کو خدا حافظ کہا۔

[۱] منتہی الامال ص: ۵۵۸ ج: ۱

علی اکبر دوبارہ میدان میں گئے، طارق بن شیث مقابلہ کیلئے آیا آپ نے جوانمردی سے مقابلہ کیا اور نیزے کا ایک وار ایسا کیا کہ وہ جہنم رسید ہوا۔ یہ دیکھ کر طارق کے دو بیٹے عمر اور طلحہ یکے بعد دیگرے مقابلہ پر آئے۔ فاتح خیبر کے پوتے نے ان دونوں کا بھی کام تمام کیا۔ یہ منظر دیکھ کر عمر سعد نے مصراع بن غالب کو مقابلہ کا حکم دیا علی اکبر نے اسکے بھی دو ٹکڑے کردیئے جسکے بعد لشکر یزید میں ہلچل مچ گئی۔ عمر سعد نے محکم بن طفیل اور ابن نوفل کو اپنے لشکر کیساتھ مل کر حملہ کرنے کو کہا۔ فوج اشقیا نے ہر طرف سے یورش کردی۔ حسینؑ کے لخت جگر نے نہایت دلیری و شجاعت سے مقابلہ کیا۔ بالآخر منقذ بن مرۂ عبدی اور ابن نمیر نے حملہ کیا اور آپ کے سینہ پر ایسا نیزہ مارا کہ آپ کے ہاتھوں سے عنان فرس چھوٹ گئی اور آپ نے گھوڑے کی گردن میں باہیں ڈالدیں۔ آپ نے آواز دی "یا ابتاہ ادرکنی" "بابا جان خبر لیجئے۔ امامؑ بیٹے کی لاش پر پہنچے اور جوان بیٹے کی لاش اٹھا کر خیموں کے قریب لائے۔ مخدرات عصمت میں کہرام برپا ہوگیا۔ [۱]

مقتل کے واقعات قلمبند کرنیوالوں میں سے کچھ کا بیان ہے کہ حضرت علی اکبر بنی ہاشم میں سے پہلے شہید ہیں جبکہ کچھ کا خیال ہے کہ عبداللہ بن مسلم خاندان بنی ہاشم کے پہلے شہید ہیں۔ اس کی بابت شیخ محمد عباس قمی تحریر کرتے ہیں کہ:

"مولف گوید کہ در باب حضرت علی اکبر دو اختلافست: یکی آنکہ در چہ وقت شہید گشتہ شیخ مفید و سید بن طاؤس و طبری و ابن اثیر و ابوالفرج وغیرہ ذکر کردہ اند کہ اول شہید از اہلبیت علیہم السلام علی اکبر بودہ و تائید میکند کلام ایشاں را زیارت شہداء معروفہ السلام علیک یا اول قتیل من نسل خیر سلیل ولکن بعضی ارباب مقاتل اول شہید از اہلبیت را عبداللہ بن مسلم گرفتہ اند و شہادت علی اکبر در اواخر شہداء ذکر کردہ اند۔ دوم اختلاف در سن شریف آنجنابست کہ آیا در وقت شہادت ہیجدہ سالہ یا نوازدہ سالہ بودہ و از حضرت سید سجادؑ کوچکتر بودہ یا بزرگتر و سن بیست و پنجسالگی بودہ و مابین فحول علماء در اینباب اختلاف است۔" (منتہی الامال ص: ۴۵۳ ج: ۱)

[۱] روضۃ الشہداء ص: ۳۶۸؛ کشف الغمہ ص: ۷۵؛ ابصار العین ص: ۳۴ وغیرہ

یعنی: حضرت علی اکبر کے باب میں دو اختلاف ہیں، ایک یہ کہ آپ کس وقت شہید ہوئے۔ شیخ مفید، سید بن طاؤس، طبری، ابن اثیر، ابوالفرج وغیرہ نے تحریر کیا ہے کہ اہلبیتؑ میں شہید اول علی اکبر تھے وہ اپنے بیان کی تائید میں زیارت شہداء کا یہ جملہ پیش کرتے ہیں۔ "السلام علیک یا اول قتیل من نسل خیر سلیل"۔ لیکن بعض ارباب مقاتل عبداللہ بن مسلم کو اہلبیت کا پہلا شہید گردانتے ہیں اور علی اکبر کا ذکر آخری شہداء میں کرتے ہیں۔ دوسرا اختلاف آپ کے سن شریف کی بابت ہے کہ وقت شہادت آپ کا سن اٹھارہ یا انیس سال کا تھا اور کیا سید سجادؑ چھوٹے تھے یا بڑے اور کیا آپ کی عمر پچیس سال تھی۔ فحول علماء کے درمیان اس باب میں اختلاف ہے۔

علی اصغر: حضرت امام حسینؑ کے سب سے چھوٹے فرزند علی اصغر جن کا ایک نام مورخین نے عبداللہ بھی تحریر کیا ہے اور آپکی ولادت ۹ر رجب ۶۰ھ یعنی مدینہ سے قافلہ حسینی کی روانگی سے صرف بیس دن قبل بتائی ہے جسکے حساب سے یوم عاشورہ بوقت شہادت آپ پورے چھ ماہ کے ہوئے تھے۔ آپکی مادر گرامی جناب رباب کلبیہ تھیں۔

یوم عاشورہ جب امام عالیمقام کے تمام اصحاب و انصار اور عزیز و اقارب شہید ہوگئے اور آپ یکہ و تنہا رہ گئے تو آپ نے خود اپنی شہادت پیش کرنے کا عزم کیا۔ الوداعی ملاقات کیلئے خیموں میں تشریف لے گئے۔ آپ نے دیکھا کہ شیرخوار ماں کا دودھ خشک ہوجانیکے باعث جاں بلب ہے پانی میسر آئے تین دن گذر چکے تھے لہٰذا آپ نے علی اصغر کو آغوش میں لیا مقتل کی جانب روانہ ہوئے۔ میدان میں پہنچ کر ایک بلند مقام سے فوج اشقیا کو مخاطب کرکے فرمایا۔ "دیکھو میں اپنے چھ ماہ کے بچے کو لایا ہوں۔ پیاس کی شدت سے اس کی زبان سوکھ گئی ہے۔ خدارا اسے پانی پلا کر اسکی جان بچالو۔ اور سنو تمہارے زعم ناقص میں اگر میں گنہگار ہوسکتا ہوں لیکن اس معصوم میں گناہ کی صلاحیت نہیں یہ تو بے خطا ہے۔" آپ کی اس صدائے پرتاثیر کا یہ اثر ہوا کہ شقی القلب لشکری منہ پھیر پھیر کر رونے لگے۔ عمر سعد نے لشکریوں کا یہ حال دیکھ کر حرملہ بن کاہل ازدی کو حکم دیا کہ "حسین کے کلام کو قطع کردے"۔ لہٰذا حرملہ نے تیر کمان سے چھوڑا جو گلوئے علی اصغر کو

چھیدتا ہوا بازوئے شبیرؑ میں پیوست ہو گیا۔ امامؑ نے بچے کے گلے سے تیر نکالا جس کیساتھ ہی ننھے مجاہد کی جان بھی نکل گئی۔ صابر ابن صابر نے اپنی تلوار سے قبر کھودی علی اصغر کو دفن کیا اور ننھی سے قبر پر گریہ کرنے لگے۔ آپ کے آنسوؤں سے ننھی لحد تر ہو گئی۔

حضرت امام حسینؑ صبح سے اپنے جانثاروں کے لاشے اٹھانے میں مصروف رہے آپ کو اتنا موقع ہی نہیں ملا کہ کسی شہید کی لاش دفن کرتے۔ شہیدائے کربلا میں حضرت علی اصغر وہ واحد شہید ہیں جن کی لاش کو امام حسینؑ نے دفن کیا۔

روضہ اقدس: واقعہ کربلا کے بعد ہی سے محبان حسینؑ نے آپ کی قبر مطہر کی زیارت و حفاظت شروع کر دی تھیں۔ قبیلہ بنی اسد کے ایک بزرگ نے سب سے پہلے قبر حسین پر چراغ روشن کیا اور قبر کے سرہانے علامت قبر کے طور پر بیری کا درخت لگایا۔ بیرون کربلا سے آنے والے پہلے زائر جناب عقیقہ بن سہمی تھے جو شاعر تھے انہوں نے مرثیہ کہے۔ مدینہ سے جانے والے پہلے زائر صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ تھے۔ راویوں کا بیان ہے کہ جناب مختار بن ابو عبیدہ ثقفی پہلے شخص ہیں جنہوں نے مرقد حسین پر ایک گنبد اور چار دیواری تعمیر کرائی اور سبز علم لہرایا۔ پہلی صدی ہجری میں محمد بن ابراہیم بن ملک اشتر نے ایک حجرہ تعمیر کرایا۔ بعد ازاں جناب مختار کی ڈالی ہوئی بنیاد پر بتدریج اضافہ ہوتا رہا۔ ایک روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے دور حکومت میں روضۂ حسین کی تعمیر کرائی۔ [1]

متوکل عباسی نے ۲۳۶ھ میں زائرین پر نہ صرف پابندی عائد کی بلکہ روضۂ اقدس کو منہدم کر کے نہر کا پانی چھڑوایا اور ہل چلوائے۔ اسکے بیٹے منتصر نے اسے قتل کر کے حکومت سنبھالی اور ۲۴۷ھ میں تخت پر بیٹھتے ہی زائرین پر لگی پابندی کو ختم کیا اور روضۂ اقدس کی تعمیر و تجدید کی۔ [2]

کربلا پر حملہ: تیرھویں صدی کے آغاز سے نجدیوں کا زور بہت بڑھ گیا تھا۔ ان کے عقائد میں مزارات کی تعمیر یا قبر پر قبہ یا گنبد بنانا حرام تھا لہٰذا انہوں نے

[1] تاریخ الخلفاء، ص: ۳۶۸، [2] تاریخ طبری (اردو) ص:۵۳ ج:۹

بہت سے مزارات و قبے منہدم کر دیے۔ ان میں جنت البقیع کے مزارات بھی ہیں۔ جناب مسعود عالم ندوی نے فلبی کا ایک اقتباس نقل کیا ہے جسکا ایک حصہ یہ ہے۔

> ''سعود بن عبدالعزیز نے شہر کربلا پر ۱۸ رذی الحجہ ۱۲۱۶ھ (۲۱ راپریل ۱۸۰۲ء) کو حملہ کیا تا کہ شیعی قبیلہ خزاعل کے وہابی قافلہ پر حملہ کا انتقام لیا جاسکے''۔ (فلبی ص: ۸۱)

موصوف نے دوسرا اقتباس عثمان بن بشر النجدی متوفی ۱۲۸۸ھ کا نقل کیا ہے جو یہ ہے:

> ''اور اس سال (۱۲۱۶ھ) سعود تمام نجد، جنوب، حجاز اور تھامہ سے ایک جرار لشکر لیکر کربلا کے ارادے سے چلا اور بلد حسین کے باشندوں پر حملہ کیا۔ یہ ذی قعدہ کا واقع ہے۔ مسلمانوں نے اس پر دھاوا بول دیا اس کی دیواروں پر چڑھ گئے اور زبردستی (عنوۃ) داخل ہو گئے اور اکثر باشندوں کو گھروں اور بازاروں میں تہ تیغ کر دیا اور اس قبہ کو جوان کے اعتقاد کے مطابق حسین (رضی اللہ عنہ) کی قبر پر بنایا گیا تھا ہدم کر دیا۔ قبہ اور اس کے آس پاس اور چڑھاوے (النصبۃ التی و صنعو ھا علی القبہ) کی تمام چیزیں لے لیں۔ قبہ زمرد، یاقوت اور جواہر سے آراستہ تھا، اور اسکے علاوہ شہر میں جو کچھ مال و متاع (ہتھیار، لباس، سونا، چاندی، قیمتی مصاحف اور بیشمار چیزیں) ملا، سب لے لیا اور شہر میں ایک پہر سے زیادہ نہیں ٹھہرے (ولم یلبثو فیھا الاضحوۃ) اور ظہر کے وقت تمام مال لے کر وہاں سے نکل آئے اور اس کے باشندوں میں سے تقریباً دو ہزار آدمی قتل کئے گئے''۔ (عنوان المجد فی تاریخ نجد ص:۱۲۲۔۱۲۱ ج:۱ بحوالہ محمد بن عبدالوہاب ص:۷۶)

مندرجہ بالا دونوں اقتباسات پر غور فرمائیں تو پتہ چلے گا کہ پہلے اقتباس میں بلد الحسین پر حملہ کرنیکی وجہ وہابی قافلہ پر ایک شیعہ قبیلے کے حملہ کا انتقام لینا تھا۔ جبکہ دوسرے اقتباس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ یہ حملہ کوئی انتقامی کارروائی ہرگز

نہ تھا بلکہ حملہ آوروں کی للچائی ہوئی نظریں اس بے شمار دولت پر تھیں جو روضہ حسینؑ کے خزانہ میں جمع تھا۔ لہٰذا امیر عبدالعزیز بن سعود اور اس کے ولیعہد سعود بن عبدالعزیز نے نجدیوں کو جمع کر کے ۱۸ رذی الحجہ ۱۲۱۶ھ مطابق ۲۱ راپریل ۱۸۰۲ء کو کربلا پر دھاوا بول دیا۔ اور منقولہ اقتباس کے مطابق دو ہزار لیکن دیگر روایتوں کے مطابق چھ ہزار بے گناہ افراد کو جو اپنے گھروں میں تھے یا بازاروں میں کاروبار میں مصروف تھے شہید کر دیا، ان کا مال و متاع لوٹ لیا اور روضۂ حسینؑ سے متعلق نادر و نایاب جواہرات، طلائی و نقرئی شمعدان، قندیلیں اور قیمتی خزانہ لوٹ کر اور روضہ کے صحن اور اس کے ارد گرد کی عمارتوں کو گرا کر فرار ہو گئے اور یہ سارا کام اتنی عجلت میں کیا کہ اس میں ایک پہر بھی نہ لگنے دیا۔ بیان کردہ اس سارے ماجرہ سے ایسا لگتا ہے کہ ڈاکوؤں اور لٹیروں کا ایک گروہ شہر میں اچانک داخل ہوا پہلے قتل و غارتگری کی پھر تمام مال و دولت لوٹ کر فرار ہو گیا۔

اس سے شیعیانِ اہلبیت کو سخت صدمہ پہنچا خصوصاً ایران کے شیعوں میں بڑی برہمی پھیلی۔ شاہ ایران فتح شاہ قاچار (۱۲۱۲ھ تا ۱۲۵۰ھ) نے ایک لاکھ فوج جمع کر کے نجد پر فوج کشی کا ارادہ کیا اور حاکم بغداد سلیمان پاشا نے بھی ایک فوج تیار کی۔ لیکن ایران کی روس سے جنگ چھڑ گئی اور سلیمان پاشا کردوں کی بغاوت فرو کرنے میں الجھ گیا اس لئے ان کے ارادے پورے نہ ہو سکے۔ [1]

بعدہٗ روضہ امام حسین کی تعمیر نو کا سلسلہ شروع ہوا۔ موجودہ عمارت کا گنبد عضد الدولہ کے دور حکومت میں اس کے حکم سے تعمیر کیا گیا اس کے بعد سلطان الدولہ دیلمی نے مزید تعمیر سے زینت بخشی۔ پھر ناصرالدین شاہ نے شیخ العراقین شیخ عبدالحسین تہرانی جو ایران کے علمائے کبار میں سے تھے اور امیر کبیر کے وصی تھے کو روضۂ حسینؑ کی تعمیرات کی نگرانی سپرد کی جنہوں نے حکومت ایران کے حسب منشاء رواق تعمیر کرائے اور صحن کو وسعت دی۔ اسی کے ساتھ ساتھ عقیدتمندوں کا ضریح و ہدایہ نذر کرنے کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اسمٰعیل شاہ صفوی نے اعلیٰ ترین پچی کاری

[1] حاضر العالم الاسلامی ص: ۱۶۳ ج: ۴ بحوالہ محمد بن عبدالوہاب ص: ۷۶

سے مزین ایک صندوق روضہ مبارک پر ہدیہ کیا۔ شاہ سلطان حسین صفوی نے بھی ایک صندوق پچی کاری و میناکاری کا بارگاہ امام مظلوم پیش کیا۔ ۱۳۲۱ھ میں آقائے صنع خانم نے ایک جدید اور بلند مرتبہ صندوق ہدیہ کیا۔

سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کا موجودہ روضۂ اقدس نہایت خوبصورت، خوشنما اور علیشان ہے۔ اس کے دو مینار اور گنبد ہے۔ روضہ میں داخلہ کیلئے دس دروازے ہیں جن میں آٹھ کے نام: باب القبلہ، باب الجبرائیل، باب الحاجات، باب الشہداء، باب الکرامت، باب السلام، باب السدرہ اور باب السلطانیہ ہیں۔ صدر دروازے سے داخل ہونے والے زائرین کو امام مظلوم سے باقاعدہ اجازت طلب کرنی ہوتی ہے۔ قبر مطہر پر جو نقرئی اور طلائی ضریح نصب ہوئیں ان میں سے ایک فتح علی شاہ نے دوسری ناصرالدین شاہ نے ہدیہ کیں اور تیسری بوہرہ فرقہ کی روحانی پیشوا سیدنا طاہر سیف الدین کی جانب سے ۱۳۶۱ھ میں نذر کی گئی۔ حرم امام حسینؑ کا موجودہ گنبد عضد الدولہ کے حکم سے ٹائلز کا بنایا گیا تھا جس پر بعد میں نادر شاہ نے سونا چڑھوایا اور فتح علی شاہ کے زمانہ میں سونے کی تجدید ہوئی۔

حضرت علیؑ بن حسینؑ

(امام زین العابدینؑ)

ابتدائے آفرینش ہی سے انسان کی یہ فطرت رہی ہے کہ وہ اپنے اعمال وکردار کیلئے ایک ''نمونہ'' کا آرزومند رہتا ہے۔ یعنی ابتداہی سے انسانی سرشت میں تقلید کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ دورحاضر میں عملی نمونہ (پریکٹیکل) کی ضرورت صرف علمی میدان ہی میں نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں محسوس کی جاتی ہے۔ آئمہ معصومین علیہم السلام عمل وکردار کا ایسا نمونہ ہیں جو ہر قسم کے حالات میں انسان کی ہدایت ورہنمائی کی اعلیٰ ترین مثال ہیں۔ اور زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں آئمہ اہلبیت نے شمع ہدایت نہ روشن کی ہو۔ حضرت علی زین العابدینؑ اسی سلسلہ امامت کا چوتھا سلسلہ اور چہاردہ معصومینؑ میں سے چھٹے معصوم ہیں۔ آپ عابدین کے امام وعبادت گزار، ظلم کے پُرآشوب دور میں مطلع انوار، شب کی تاریکی میں نئی صبح کے آثار، اسوۂ رسولؐ کے ورثہ دار، مثل جناب علیؑ مرتضیٰ صاحب کردار، حسن مجتبیٰ کے دلبر ودلدار، بعداز حسین دین محمدی کے معمار، عربی وعجمی شرافت کے شاہکار، فرزدق کا تخیلِ بیدار، حجراسود کیلئے باعثِ گفتار، قافلۂ حسینی کے قافلہ سالار یعنی سجادلقب عابد بیمار۔

ولادت باسعادت: بقول شیخ مفید علیہ رحمۃ اور ابن شہرآشوب وغیرہ آپ کی ولادت باسعادت ۱۵/جمادی الاول ۳۸ھ کو ہوئی۔[۱] جبکہ بعض مورخین نے اختلاف کی راہ نکالنے کی غرض سے مختلف تاریخ ماہ وسن تحریر کئے ہیں۔

[۱] مسارالشیعہ ص: ۳۱' مناقب شہرآشوب ص: ۱۳۱ ج ۴

آپ کی مجموعی حیات مبارکہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا حصہ آپ کی ولادت سے یوم عاشورہ تک جو تقریباً تیئس سال ہے یہ زمانہ سکون واطمینان کا تھا اور دوسرا حصہ یوم عاشورہ سے آپ کی وفات تک جو تقریباً چونتیس سال پر محیط ہے حزن وملال کا زمانہ تھا۔

نام ونسب: آپ کے دادا حضرت علیؑ ابن ابیطالب نے اپنے نام پر آپ کا نام علی رکھا۔ معتبر روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ خود رسالتمآبؐ نے آپ کا نام علی رکھے جانے کی خبر دی تھی جیسا کہ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں یہ حدیث بیان کی ہے کہ (ترجمہ) ''میرے بعد بارہ امام ہوں گے۔ ان میں سے پہلے، چوتھے، آٹھویں اور دسویں کا نام علی ہوگا۔'' اس سے مراد پہلے امام حضرت علی ابن ابیطالب' چوتھے امام حضرت علی بن حسینؑ' آٹھویں امام حضرت علی بن موسیٰ اور دسویں امام علی بن محمد علیہم السلام ہیں۔

نسب کی جانچ کرتے وقت باپ اور ماں دونوں کی طرف دیکھا جاتا ہے۔ حضرت علی بن حسینؑ کے دادا حضرت علیؑ بن ابیطالب ابن عبدالمطلب اور دادی حضرت فاطمہ زہراؑ بنت حضرت محمد مصطفیٰؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں اسطرح دادااور دادی دونوں کا سلسلہ نسب جناب عبدالمطلب کے توسل سے جناب ہاشم اور اس سے آگے بڑھ کر حضرت ابراہیم تک پہنچتا ہے۔ لہٰذا آپ کی دادھیالی شرافت نسبی ایسی مسلم جو نہ کسی تعریف کی محتاج ہے اور نہ کسی تعرف کی۔ جبکہ آپ کو ننھیال بھی ایسی ہی صاحب عزوشرف ملی کہ جسکی بناء پر آپ ''ابن الخیرتین'' یعنی دو بہترین گھرانوں کا چشم وچراغ کہلائے۔ آپکی والدہ ماجدہ شاہ زنان (شہربانو) بنت یزدجرد بن شہریار بن شیرد بہ بن کسریٰ پرویز بن ہرمز بن نوشیروان عادل تھیں۔

حضرت امام علی زین العابدینؑ کی نسبی بلندی اور نجابت وشرافت کی بابت عرب کے مشہور شاعر ابوالاسود دوئلی نے اپنے ایک شعر میں اسطرح بیان کیا ہے۔ ع:

وانّ ولیداً بین کِسریٰ وھاشم لاَکرمُ من نیطت علیہ التّمائمُ [۱]

یعنی: اس فرزند (علی زین العابدینؑ) سے جنکے نانا کسریٰ (شہنشاہ ایران) اور دادا جناب ہاشم (سردار عرب) ہیں تمام (دنیا) کے لڑکوں سے زیادہ شریف وکریم ہیں۔

بی بی شہربانو: یزدجرد کا شاہی خاندان ایرانی تاریخ میں ''اکاسرۂ عجم'' (یا سلسلہ ساسانیہ) کہلاتا تھا اور اپنی بزرگی وعظمت کے اعتبار سے ہر دور میں مشہور ومقبول رہا ہے۔ نوشیروان عادل اسی خاندان کا ماہ تاباں تھا جسکی انصاف پسندی تمام عالم میں ضرب المثل ہے۔ حضرت ختمی مرتبت اسی عادل بادشاہ کے عہدِ حکومت میں پیدا ہوئے اور آپ اس حُسن اتفاق کا ذکر مسرت سے فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلہ کا آخری بادشاہ یزدجرد تھا جس نے مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھائی اور ایران کی ہزار سالہ سلطنت کا سورج غروب ہوگیا مگر شاہ زنان (شہربانو) کا ستارہ چمک اٹھا کیوں کہ اسی شکست کے نتیجہ میں انھیں علی بن حسینؑ جیسے فرزند کی ماں بننے کا شرف حاصل ہوا۔

بعض مورخین خصوصاً ''ربیع الابرار'' کے مصنف زمخشری کا گمان ہے کہ شاہ زنان (شہربانو) اپنی بہنوں کے ہمراہ حضرت عمرؓ کے عہد حکومت میں فتح مدائن کے بعد قیدی بنا کر مدینہ لائی گئیں۔ حضرت عمرؓ نے عام کنیزوں کی طرح ان کو بھی فروخت کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت علیؑ نے منع کیا اور فرمایا کہ خاندان شاہی کیساتھ ایسا سلوک جائز نہیں۔ ان لڑکیوں کو یا تو کسی کی سپردگی میں دیکر اس سے اعلیٰ قیمت لی جائے یا ان کو اختیار دیا جائے کہ اپنی پسند سے کسی مسلمان سے عقد کرلیں۔ پھر حضرت علیؑ نے خود ان کو اپنی سپردگی میں لیا اور ان میں سے ایک کا عقد اپنے فرزند حسینؑ سے کردیا۔ یہ محض ایک گمان ہی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ کیونکہ جملہ معتبر کتب سے ثابت ہے کہ مدائن ۱۶ھ یا ۱۷ھ میں فتح ہوا۔ اور یزدجرد ۱۴ھ میں بعمر اکیس سال یا بائیس سال تخت حکومت پر بیٹھا۔ اسلئے اول تو یہ ناممکن ہے کہ

[۱] اصول کافی ص: ۲۵۵' حیات امام علی بن حسین ص: ۳۸

اتنی کم عمر میں کسی شخص کے اتنی بڑی بیٹی ہو جس کی شادی کی جاسکے۔ دوئم یہ کہ فتح مدائن کے وقت پورا ایران فتح نہیں ہوا تھا اور نہ ہی ایران کا حکمران یزدجرد مارا گیا تھا یا قید ہوا تھا بلکہ وہ معہ اپنے خاندان کے ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہوتا رہا۔ لہٰذا یہ بھی ناممکن ہے کہ اس کی حیات میں اسکی دختران کو کنیز بنا کر مدینہ لایا گیا ہو۔ سوئم یہ بھی ممکن نہیں کہ حضرت علیؑ نے اپنے نوعمر فرزند امام حسینؑ کی شادی ۱۶ھ میں بعمر بارہ سال کردی ہو۔ اس پورے واقعہ کو مولانا شبلی نعمانی نے قدرے تفصیل سے اپنے مخصوص انداز میں بیان فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

''اس موقع پر حضرت شہربانو کا قصہ جو غلط طور پر مشہور ہوگیا ہے اس کا ذکر کرنا ضروری ہے عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جب فارس ختم ہوا تو یزدگرد شہنشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہوکر مدینہ میں آئیں۔ حضرت عمرؓ نے عام لونڈیوں کی طرح بازار میں ان کے بیچنے کا حکم دیا۔ لیکن حضرت علیؑ نے منع کیا کہ خاندان شاہی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں۔ ان لڑکیوں کی قیمت کا اندازہ کرایا جائے۔ پھر یہ لڑکیاں کسی کے اہتمام اور سپردگی میں دی جائیں اور اس سے ان کی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر لی جائے' چنانچہ حضرت علیؑ نے خود ان کو اپنے اہتمام میں لیا اور ایک امام حسین کو' ایک محمد بن ابی بکر کو' ایک عبداللہ بن عمر کو عنایت کی۔ اس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمخشری نے جس کو فنِ تاریخ سے کچھ واسطہ نہیں ربیع الابرار میں اس کو لکھا اور ابن خلکان نے امام زین العابدین کے حال میں یہ روایت اس کے حوالہ سے نقل کردی۔ لیکن یہ محض غلط ہے۔ اولاً تو زمخشری کے سوا طبری' ابن اثیر' یعقوبی' بلاذری' ابن قتیبہ وغیرہ کسی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا۔ اور زمخشری کے فنِ تاریخ کا جو پایا ہے وہ ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ تاریخی قرائن اسکے بالکل خلاف ہیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں یزدگرد اور خاندان شاہی پر مسلمانوں کو مطلق قابو نہیں حاصل ہوا۔ مدائن کے معرکہ میں یزدگرد معہ تمام اہل وعیال کی دارالسلطنت سے

نکلا اور حلوان پہنچا۔ جب مسلمان حلوان پر بڑھے تو وہ اصفہان بھاگ گیا اور پھر کرمان وغیرہ میں ٹکراتا پھرا۔ مرو میں پہنچ کر ۳۰ھ میں جو حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ ہے مارا گیا' اس کی آل اولاد اگر گرفتار ہوئے ہوں گے تو اسی وقت گرفتار ہوئے ہوں گے۔ مجھ کو شبہ ہے کہ زمخشری کو یہ معلوم تھا یا نہیں کہ یزدگرد کا قتل کسی عہد میں واقعہ ہوا۔ اس کے علاوہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس وقت امام حسینؓ کی عمر بارہ برس کی تھی کیونکہ جناب ممدوح ہجرت کے پانچویں سال کے بعد پیدا ہوئے اور فارس ۱۷ھ میں فتح ہوا اسلئے یہ امر بھی کسی قدر مستبعد ہے کہ حضرت علیؓ نے ان کی نابالغی میں ان پر اس قسم کی عنایت کی ہوگی۔ اس کے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت نہایت گراں قرار پائی ہوگی اور حضرت علیؓ نہایت زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ غرض کہ کسی سے اس واقعہ کی صحت پر گمان نہیں ہوسکتا۔" (الفاروق ص: ۴۹۵ حصہ: ۲)

اس تفصیلی بیان کے پس پردہ شبلی صاحب کا منشا کچھ اور بھی ہے جس پر بحث کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ اس اقتباس کے پیش کرنے سے ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ بی بی شہربانو خلیفہ ثانی کے عہد میں ہرگز نہیں آئیں اور نہ ہی ان کو کنیز یا لونڈی بنایا گیا اور نہ ہی ان کو فروخت کرنے کی کوئی تجویز پیش کی گئی جیسا کہ غلط العام طریقہ سے مشہور ہے بلکہ جیسے خطیب بغدادی نے "التاریخ الجامع" میں اور دیلمی نے "فردوس الاخبار" میں تحریر کیا ہے کہ علی بن ابیطالب کے زمانہ خلافت میں حریث بن جعفر نے جو نواح فارس کے گورنر تھے یزدجرد کی دونوں بیٹیوں (شاہ زنان اور گیہان بانو) کو عزت و احترام کیساتھ امیرالمومنینؑ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے انکی شرافت خاندانی پر نظر کرتے ہوئے شاہ زنان کی شادی امام حسینؑ سے اور گیہان بانو کا عقد محمد بن ابوبکر سے کر دیا۔[1] جناب

[1] روضۃ الصفا ص: ۹ ج: ۳' الارشاد ص: ۲۹۳ ج: ۲

شہربانو (شاہ زنان) کے بطن سے امام زین العابدینؑ اور گیہان بانو کے بطن سے قاسم بن محمد بن ابوبکر پیدا ہوئے۔

بی بی شہربانو نے جو اُس وقت تک شاہ زنان کہلاتی تھیں اپنی نیک اطواری' سلیقہ مندی' پاکیزہ خیالی اور ایثار و خدمت سے خاندان رسالت کے دلوں میں بہت جلد ایک مخصوص جگہ پیدا کر لی۔ آپ کی ذات مبارکہ میں ایران کے شاہی گھرانے کی بہترین روایات اور اعلیٰ خوبیاں موجود تھیں ان خوبیوں کو خاندان اہلبیت کی صحبت اور رفاقت نے مزید نکھار دیا تھا۔ حضرت علیؑ ابن ابیطالب کو آپ کی یہ خوبیاں بہت پسند آئیں لہذا آپ نے خوش ہو کر آپ کو "بانو" کا لقب عطا فرمایا۔ اس کے بعد سے آپ شاہ زنان کے بجائے شہربانو کہلائیں۔ آپ کے بطن سے امام حسینؑ کے سب سے بڑے فرزند علی بن الحسینؑ پیدا ہوئے افسوس کہ بچے کی ولادت کے بعد یہ ذی مرتبہ خاتون زیادہ دن زندہ نہ رہ سکیں۔

کنیت ولقب: جملہ مورخین کا بیان ہے کہ آپ کی کنیت مبارک "ابن الحسینؑ" ہے۔ علامہ ذہبی نے اپنی کتاب "طبقات الحفاظ" میں لکھا ہے کہ آپ کی مشہور کنیت ابن الحسین ہے اس کے علاوہ آپ کو ابومحمد اور ابوعبداللہ بھی کہا جاتا تھا۔ علامہ سبط ابن جوزی نے آپ کا نام علی اور کنیت ابومحمد اور ابن الحسین تحریر کی ہے۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ آپ کو "ابن الخیرتین" بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ: "من عباد اللہ تعالیٰ خیرتان فخیرۃ من العرب قریش ومن العجم فارس." یعنی: خدا کے بندوں میں دو گروہ بہترین ہیں عرب میں قریش اور عجم میں فارس۔[1] امام علی زین العابدینؑ کا دادھیال قریشی اور ننھیال فارسی الاصل تھا۔ بعض مورخین نے آپ کی کنیت ابوالائمہ بھی لکھی ہے کیونکہ واقعہ کربلا کے بعد امام حسینؑ کی نرینہ اولاد میں صرف آپ ہی زندہ بچے تھے اور بقیہ تمام آئمہ اہلبیت آپ ہی کی نسل سے ہیں لہذا آپ ابوالائمہ کہلائے۔

[1] ارجح المطالب ص: ۴۳۴

آپکے القاب کثیر ہیں۔ جن میں زین العابدینؑ' سیدالساجدینؑ' سید سجادؑ' عابد' زکی' امین' زاہد' صابر اور ذوالثفنات کافی مشہور ہیں ان میں بھی زین العابدین اور سید سجاد کو بہت زیادہ شہرت ہے۔[1] آپ کے لقب زین العابدین کی بابت امام مالک کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے کہ سمی زین العابدین لکثرۃ عبادتہ یعنی کثرت عبادت کے باعث آپ زین العابدین کے لقب سے موسوم ہوئے۔[2] ذہبی کے بیان کے مطابق امام محمد باقرؑ فرمایا کرتے تھے کہ آپ کو سجاد اسلئے کہا جاتا ہے کہ تقریبا ہر کار خیر پر سجدہ فرمایا کرتے تھے۔ کثرت سے سجدہ کرنیکے باعث آپکے مواضع سجود پر اونٹ کے گھٹنوں کی طرح گھٹے پڑ جاتے تھے۔ پھر انھیں کٹوانا پڑتا تھا۔ اسی لئے آپ "ذوالثفنات" یعنی گھٹے والے بھی مشہور تھے۔[3] واقعات کربلا کی مناسبت سے آپکو بیمار کربلا' اسیر کربلا' قافلہ سالار حرم اور محبوس بلا کے القاب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

طفولیت: حضرت علی زین العابدینؑ کی زندگی کا آغاز ہی مصائب والام میں ہوا۔ ولادت کے کچھ ہی دنوں بعد آپ کی مادر گرامی قدر نے رحلت فرمائی جسکے باعث آپ محبت مادری سے محروم ہو گئے۔ جب ذرا ہوش سنبھالا تو اپنے خاندان کو طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا پایا۔ عم محترم حضرت امام حسنؑ کیساتھ کچھ لوگوں کی بے وفائی و بدعہدی کا مشاہدہ کیا۔ مساجد کے ممبروں سے اپنے دادا علی مرتضیٰؑ پر اعلانیہ لعن طعن کرتے ہوئے مسلمانوں کو دیکھا اور سنا۔ علیؑ اور اولاد علی کے فضائل بیان کرنیوالوں کو سزائیں برداشت کرتے اور خاندان بنی ہاشم کی عیب جوئی کرنے والوں پر حکومت کی طرف سے انعام و اکرام کی بارشیں ہونیکا بھی قریب سے جائزہ لیا۔ ان تمام مصائب میں آپ نے اپنے عم محترم اور پدر بزرگوار کو صبر و حلم پر کار فرما پایا۔ یہی وجہ ہے کہ صبر و حلم آپ کی طبیعت ثانیہ بن گئے اور بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی آپ نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ صبر و شکر کی یہ عادات آئندہ پیش آنیوالے واقعات کے تحت مزید پختہ تر ہوتی گئی۔

[1] مطالب السئول ص: ۲۶۱' شواہد النبوۃ ص: ۱۷۶' [2] نور الابصار ص: ۱۲۶' [3] ارجح المطالب ص: ۴۳۳

مصائب پر صبر و حلم کا جوہر وہی شخص دکھا سکتا ہے جو آنیوالی ہر مصیبت و آفت کو رضائے الٰہی اور مشیت ایزدی کا ذریعہ خیال کرتا ہو۔ ایسے انسان کے دل میں قدرتاً خدا کی یاد اور عبادت و ریاضت کا جذبہ موجزن ہوتا ہے۔ علی زین العابدینؑ بچپن ہی سے طاعت و عبادت میں مشغول رہتے اور شب و روز نماز اور سجدہ میں گذارتے تھے۔ بقول ابن شہاب زہری آپ "بچپن ہی سے نیکوکاری اور پرہیزگاری کا مرقع تھے۔ سخاوت' نرم دلی' خوشخوئی' خداپرستی اور خدمت خلق آپ کی نمایاں خصوصیات تھیں"۔

آپ کے عم محترم حضرت امام حسنؑ کو جب زہر دے کر شہید کیا گیا اس وقت آپ بارہ سال کے تھے۔ آپکے قلب پر اس واقعہ کا بہت گہرا اثر ہوا۔ شہادت امام حسنؑ کے بعد آپ کے پدر بزرگوار امام وقت اور بنی ہاشم کے سردار ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ایک طرف تو بنی ہاشم کیساتھ حکمرانوں کا سخت ترین برتاؤ جاری تھا اور دوسری طرف عام لوگ لالچ یا دباؤ کے باعث اہلبیت رسول سے کترانے لگے تھے۔ یہ دونوں صورتیں انتہائی دل آزار اور تکلیف دہ تھیں۔ لہذا آپ نے زمانہ کا بدلتا ہوا رنگ دیکھ کر آنیوالے طوفان کا مقابلہ صبر و شکر سے کرنے کیلئے اپنے کو مستعد کر لیا تھا۔ اپنے جلیل القدر باپ کی طرح آپ کو بھی علم تھا کہ ان تمام مصائب کا خاتمہ اس عظیم حادثہ پر ہونیوالا ہے جسکی بابت حضرت رسول خداؐ نے پیشنگوئی فرمائی تھی اور حضرت علیؑ نے بھی اپنے اقوال کے ذریعہ وضاحت کی تھی۔ آپ بہتر طور پر جانتے تھے کہ سب سے بڑے فرزند کی حیثیت سے اس موقع پر آپکی ذمہ داریاں کس قدر اہم ہیں۔

حضرت علی زین العابدینؑ نے دو سال اپنے جد محترم حضرت علیؑ ابن ابیطالب اور دس سال عم محترم امام حسنؑ کے دور امامت میں تربیت و پرورش پائی۔ اسکے بعد دس سال اپنے پدر بزرگوار حضرت امام حسینؑ کے سایہ عاطفت میں گذارے اور اطاعت خداوندی و اشاعت تعلیمات نبوی میں مشغول رہے۔ نیز امور سیاسیہ میں دخل دیئے بغیر خاموشی سے سیاسی حالات کا جائزہ لیتے رہے۔

شکل وشباہت: بقول علامہ شبلنجیؒ آپ کا رنگ گندم گوں اور قد میانہ تھا اور جسمانی اعتبار سے آپ نحیف ولاغر تھے۔[1] آپ حُسن وجمال اور صورت وکمال میں نہایت ہی ممتاز تھے۔ آپ کے چہرۂ پُرنور پر جس کسی کی نظر پڑتی وہ آپ کی تعظیم واحترام کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔[2] بقول محمد بن طلحہ شافعی آپ صاف لباس پہنتے تھے اور جب راستہ چلتے تو نہایت خشوع کے ساتھ چلتے۔ راہ روی میں آپ کے ہاتھ زانوں سے باہر نہیں جاتے تھے۔[3]

آپ وجاہت ہاشمی اور شان کسروی کے مالک تھے۔ شکل وصورت میں علی ابن ابیطالب اور کردار وگفتار میں رسول خدا کے پرتو تھے۔

واقعہ کربلا: ابھی حضرت علی زین العابدینؑ نے اپنی زندگی کے بائیس سال ہی طے کئے تھے کہ کربلا کا دل ہلا دینے والا واقعہ پیش آیا۔ یزید نے حضرت امام حسینؑ سے بیعت حاصل کر لینے کو ہی اپنی زندگی کا اولین مقصد بنا لیا تھا اس نے اپنے گورنر مدینہ کو حکم بھیجا کہ "یا تو حسین سے بیعت لو یا ان کا سر قلم کر کے بھیج دو"۔ ان حالات میں حضرت امام حسینؑ نے مدینہ چھوڑنے کا قصد فرمایا اور آپ معہ اہل وعیال ۲۸ رجب کو مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت علی زین العابدینؑ بھی قافلہ حسینی میں شامل تھے۔ یہ قافلہ مدینہ سے مکہ پہنچا۔ چار ماہ قیام کے بعد ۸ ذی الحجہ کو مکہ سے کوچ کیا اور منازل سفر طے کرتا ہوا ۲ محرم ۶۱ھ کو مقام نینوا میں وارد ہو کر کربلا کے لق ودق میدان میں خیمہ زن ہوا۔ کربلا پہنچنے کے بعد حضرت علی زین العابدینؑ بیماری میں مبتلا ہو گئے۔

علالت: جملہ مورخین نے بیان کیا ہے کہ آپکی علالت اتنی شدید تھی کہ آپ پر بار بار غشی طاری ہو جاتی تھی۔ اسکے باوجود جب بھی آپ ہوش میں آتے نصرت امام کیلئے آمادہ ہوتے مگر ضعف علالت کی وجہ سے اُٹھ نہ پاتے۔ اس طرح مرض کی شدت کے باعث کوشش بلیغ کے باوجود آپ عملی جہاد میں حصہ نہ لے سکے۔

[1] نورالابصار ص: ۱۳۶ [2] وسیلۃ النجات ص: ۲۱۹ [3] مطالب السئول ص: ۲۲۶

ابن حجر مکی نے "اصابہ فی تمیز الصحابہ" میں آپ کی علالت کا یہ سبب بیان کیا ہے کہ آپ نے ایک آہنی زرہ پہنی جو بڑی ہونے کے باعث آپ کے جسم پر چست نہ آئی لہٰذا آپ نے زرہ کو اپنے جسم کے مطابق بنانے کی غرض سے اسے پاؤں میں دبا کر اس کے فاضل حصہ کو نکالنے کی کوشش کی۔ اس زنگ آلود زرہ کا فاضل حصہ تو نکل گیا لیکن اس زور آزمائی میں آپ کے جسم پر متعدد خراشیں آ گئیں اور زنگ کا اثر بھی آپ کے جسم میں داخل ہو گیا جس کے باعث آپ کو بخار آنے لگا جو رفتہ رفتہ شدت اختیار کر گیا۔ نوبت یہانتک پہنچی کہ روز عاشورہ شدت مرض کے باعث آپ بار بار بیہوش ہونے لگے۔

حضرت علی زین العابدینؑ کا ایک لقب بیمار بھی ہے جو کثرت سے استعمال ہوتا ہے اور جس کے باعث آپکی بابت لوگوں میں عام طور پر یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ آپ مستقل مریض تھے اس تاثر کے نتیجہ میں لوگوں کے ذہنوں میں ایک ایسے مریض وبیمار کا خاکہ اجاگر ہوتا ہے جو ہمیشہ بیمار رہتا ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ اپنی پوری زندگی میں کبھی بیمار نہیں ہوئے ماسوائے ان چند ایام کے جو میدانِ کربلا میں گذارے۔ آپ کی بیماری میں بھی مصلحتِ خداوندی کارفرما تھی کیونکہ اسی بیماری کے سبب آپ قتل ہونے سے محفوظ رہے۔ آپ ہی سے نسل امامت آگے بڑھی اور شجرۂ طیبہ کو فروغ ملا۔

امامت: مذہب اثناعشری کا عقیدہ ہے کہ امام بطن مادر ہی سے امامت کی جملہ صلاحیتوں کیساتھ پیدا ہوتا ہے لیکن فرائض امامت کی ادائیگی کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب وہ بحیثیت امامت ذمہ داری سنبھالتا ہے۔ گرچہ حضرت علی زین العابدینؑ وقت ولادت ہی سے حامل امامت تھے لیکن فرائض امامت کی ادائیگی کی ذمہ داری اس وقت عائد ہوئی جب آپ کے پدر بزرگوار نے یوم عاشورہ رموز امامت آپ کے سپرد کئے اور خود درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ شہادت حسینؑ کے بعد جب یزیدیوں نے خیام حسینی کو نذر آتش کیا تو آپ انہی خیموں میں سے ایک خیمہ میں بحالت غشی پڑے ہوئے تھے۔

شہادت حسینؑ کے بعد

اہلبیت کی اسیری: خدا خدا کر کے شب عاشور گذری اور صبح نمودار ہوئی۔ نئی صبح اپنے ساتھ نئے مصائب اور نئی اذیتیں لیکر آئی۔ یزیدیوں نے صبح ہی سے اپنے مقتولین کو دفن کرنا شروع کر دیا لیکن اولادِ رسول اور انصار حسینؑ کی لاشیں تپتے ہوئے صحرا میں ریگ گرم پر بے دفن چھوڑ دیں۔ ادھر ابن سعد کے حکم سے عترت رسول کو اسیر بنایا گیا۔ نبی زادیوں کے بازو رسی سے باندھے گئے' بیمار کربلا اور امام وقت کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں' پیروں میں بیڑیاں اور گلے میں طوق ڈالا گیا۔ اشقیاء نے ذریت رسول کو انتہائی ذلت وحقارت سے قیدی بنایا۔ وائے ہو ان ستم گاروں پر جو ایک طرف تو محمد کا کلمہ پڑھیں اور دوسری طرف انہی محمد کی آل پر ظلم وستم کریں اور انھیں ذلیل ورسوا کرنے کی غرض سے قیدی بنائیں۔ جب تمام بیبیاں اور بچے رسیوں میں باندھے جا چکے تو انہیں بے کجاوا اونٹوں پر سوار کیا گیا۔ بیمار ولاغر امام کو اونٹ پر سوار کر کے اس خوف سے کہ آپ عالم نقاہت وغشی میں گر نہ پڑیں آپ کے دونوں پیر اونٹ کے پیٹ سے باندھ دیئے۔[1] اس کے بعد ابن سعد نے شہداء کے سر منگوائے جنہیں مختلف قبائل نے انعام واکرام کے لالچ میں اپنے اپنے قبیلوں میں رکھے ہوئے تھے۔ البتہ حضرت امام حسینؑ کا سرِ مبارک پہلے ہی ابن زیاد کے پاس کوفہ بھجوا دیا گیا تھا۔

کربلا سے روانگی: جب تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں اور قافلہ تیار ہو گیا تب عمر ابن سعد نے حمید بن بکیر کو قافلہ کا نگراں مقرر کیا اور گیارہ محرم ۶۱ھ کو بعد زوال

[1] اسرار الشہادت ص: ۲۶۷

آفتاب اور بقول دیگر تیرہ محرم ۶۱ھ اسیروں اور بیکسوں کا یہ قافلہ کوفہ کی جانب روانہ ہوا۔[1] کوچ کے شادیانے بجنے لگے اور لشکر یزید فتح کے نعرے لگاتا ہوا کربلا سے روانہ ہوا۔ یزیدیوں نے قصداً قافلہ کو مقتل گاہ کی طرف سے گذارا۔ جب قافلہ مقتل کے قریب سے گذر رہا تو سیدانیوں نے اپنے وارثوں اور دل کے ٹکڑوں کو سر بریدہ لاشے خاک وخون میں غلطاں تپتی ہوئی ریت پر پڑے دیکھے تو چیخیں مار مار کر رونے لگیں اور واہ محمداہ کی صدائیں بلند کرنے لگیں۔ قرۃ بن قیس جو عینی شاہد ہے بیان کرتا ہے کہ خدا کی قسم میں اس وقت کو نہیں بھول سکتا جب حضرت زینب اپنے بھائی کو پکارتی تھیں اور نہایت درد بھری آواز میں فریاد کرتی تھیں۔ مقتل کے منظر کو دیکھ کر امام زین العابدینؑ کی حالت بھی غیر ہو گئی۔

میدانِ کربلا سے تمام لشکر یزید کے نکل جانیکے بعد قریب میں آباد قبیلہ بنی اسد کے کچھ لوگ وہاں آئے تو دیکھا چند سر بریدہ لاشیں بے گور وکفن پڑی ہیں۔ انہوں نے انسانی فریضہ سمجھ کر ان تمام لاشوں کو دفن کر دیا۔

کوفہ میں آمد: اسیروں کے قافلہ کی آمد کے موقع پر والئی کوفہ عبیداللہ بن زیاد کے حکم سے شہر کو آراستہ کیا گیا۔ اہل کوفہ کو خوشیاں منانے کو کہا گیا جن راستوں سے قافلہ کو آنا تھا وہاں کوفہ کے باشندے تماشہ دیکھنے کی غرض سے جمع ہو گئے۔ جا بجا فوجی دستے متعین کئے گئے سواروں کا بازاروں میں گشت شروع ہو گیا۔ الغرض ایک میلہ کا سماں تھا۔ شہر میں داخلہ سے قبل قافلہ کو ترتیب دیا گیا۔ سب سے آگے نیزہ بردار نیزوں پر سر بلند کئے تھے انکے بعد ایک کمزور ولاغر مگر نورانی صورت نوجوان جسکے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں' پیروں میں بیڑیاں اور گلے میں طوق پڑا تھا ایک خاص انداز سے چل رہا تھا۔ ان کے پیچھے بے کجاوا اونٹوں کی قطار جن پر گرد وغبار میں اٹے ہوئے کچھ پریشان حال بچے اور کچھ برہنہ سر بیبیاں بالوں سے اپنے چہروں چھپائے ہوئے سوار تھیں۔ جب یہ قافلہ شہر میں داخل ہوا اور تماشائیوں نے یہ منظر دیکھا تو ان کی

[1] لہوف ص: ۷۲

خوشیاں رنج میں بدل گئیں۔اور جوں جوں قافلہ قریب آتا گیا لوگوں کی حالت غیر ہوتی گئی وہ رونے لگے۔ ثانی زہرہ نے ماحول کا جائزہ لیکر حقائق ومعارف سے لبریز ایسا خطبہ ارشاد فرمایا جس نے حسینی کارناموں کو حیات ابدی بخشی۔ جب حضرت زینب خطاب فرما چکیں تو امام زین العابدینؑ نے تماشائیوں کو مخاطب کر کے پہلے خدائے ذوالجلال کی حمد وثنا کی۔رسول مقبولؐ پر درود وسلام بھیجے اس کی بعد ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! تم میں سے جو مجھے پہچانتا ہے وہ پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا اسے میں اپنا تعارف کراتا ہوں۔ سنو! میں علی بن الحسینؑ بن علی ابن ابیطالب ہوں۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کو ذلیل ورسوا کیا گیا۔جس کا سامان لوٹ لیا گیا۔ جس کے اہل وعیال قید کر دیئے گئے۔ جو ساحل فرات پر ذبح کر دیا گیا اور جس کی لاش (زمین کربلا پر) بے گور وکفن چھوڑ دی گئی۔ اے لوگو! خدا کا واسطہ' ذرا سوچو! تم لوگوں نے میرے پدر بزرگوار کو خط لکھ کر بلایا۔ پھر تم ہی لوگوں نے ان کو دھوکا دیا۔تم ہی نے ان کے ساتھ عہد وپیمان کیا اور ان کی بیعت کی۔ پھر تم نے ان کو شہید کر دیا۔تمہارا برا ہو! تم نے اپنے لئے ہلاکت وبربادی کا سامان مہیا کر لیا۔تمہارے نفوس کس قدر خبیث اور تمہارے دل کتنے برے ہیں۔تم کن آنکھوں سے رسول خدا کو دیکھو گے جب وہ تم سے باز پرس کریں گے اور کہیں گے کہ اے کوفیو! تم لوگوں نے میری عترت کو قتل کیا اور میرے اہل حرم کو ذلیل کیا۔تم سب میری امت سے خارج ہو۔''

(احتجاج طبرسی ص: ۳۲ ج: ۲' لہوف ص: ۶۸)

امام کی تقریر سن کر اہل کوفہ انتہائی شرمندگی کی حالت میں سر جھکائے گریہ وبکا کرنے لگے اور ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگا کہ ہم سب ہلاک ہو گئے۔

دربار ابن زیاد: کوفہ کے دارالامارا میں ابن زیاد کا دربار سجا ہوا تھا۔عمائدین شہر درباری امراء ومصاحبین' سب ہی موجود تھے۔اسیران اہلبیت کا قافلہ گشت کے بعد دارالامارا پہنچا۔ بیمار کربلا اور مخدرات عصمت وطہارت کو دربار میں پیش کیا گیا۔

جیسے ہی ابن زیاد کی نظر امام کے چہرۂ مبارک پر پڑی اس نے آپ کی جانب اشارہ کر کے پوچھا۔''یہ کون ہے؟'' جواب دینے والے نے جواب دیا۔''یہ علی بن حسین ہے'' ابن زیاد نے کہا''یہ کیسے بچ گیا' کیا خدا نے علی بن حسین کو قتل نہیں کیا؟'' امام نے جواب دیا''وہ میرا بھائی علی (علی اکبر) تھا جس کو تیرے لشکر نے شہید کر دیا''۔ ابن زیاد بولا''میرے لشکر نے نہیں بلکہ اس کو خدا نے قتل کیا ہے۔'' تب امام نے قرآن کریم کی آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ ہے۔''خدا ہی مرتے وقت لوگوں کی روح قبض کرتا ہے اور اسکے حکم کے بغیر کوئی مر نہیں سکتا۔'' کلام امام سن کر ابن زیاد نے برہم ہو کر کہا۔''اب بھی تم میں اتنی جرات باقی ہے کہ برابر سے میرا جواب دو''۔ یہ کہہ کر اس نے امام کے قتل کا حکم دیا۔ یہ سنتے ہی حضرت زینب پریشان ہو گئیں اور فرمایا''اے ابن زیاد! ہمارا سارا گھر تہہ تیغ کر نیکے بعد بھی تجھے چین نہیں آیا۔اگر تو انھیں قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے بھی ان کیساتھ قتل کر دے۔'' امام نے بھی ابن زیاد کو مخاطب کر کے کہا''کیا تو مجھے قتل کی دھمکی دیتا ہے۔سن' کیا تو نہیں جانتا کہ قتل ہونا ہماری عادت اور شہادت ہمارا شرف ہے۔''۱؎ ابن زیاد خاموش ہو گیا اور قتل امام سے باز رہا۔الغرض اس نے اہلبیت کو قید کرنے کا حکم دیا لہٰذا کوفہ کی جامع مسجد کے قریب ایک مکان میں اہلبیت اطہار کو قید کر دیا گیا۔ کتنے عرصہ مقید رہے اس بارے میں اختلاف ہے کسی نے ایک روز کسی نے دو روز اور کسی نے آٹھ روز کوفہ میں قید رہنے کی مدت بتائی ہے۔لیکن واقعات کے تسلسل سے پتہ چلتا ہے کہ تیرویں محرم کو اہل حرم کربلا سے کوفہ لائے گئے اسکے بعد ابن زیاد نے ایک قاصد کے ذریعہ یزید کو فتح کی مبارک باد بھیجی' صورتحال سے آگاہ کیا اور آئندہ کیلئے احکامات طلب کئے۔ یزید کا جواب موصول ہو نیکے بعد ابن زیاد نے اہلبیت کو دمشق بھیجنے کی تیاریاں اور انتظامات کئے اسطرح ۱۸؍صفر کو یہ قافلہ کوفہ سے دمشق کی جانب روانہ ہوا۔اسکا مطلب یہ ہوا کہ اہلبیت ۱۳؍محرم سے ۱۸؍صفر تک کوفہ میں قید رہے۔

۱؎ لہوف ص: ۱۴۳

کوفہ سے روانگی: کوفہ سے روانہ ہو کر قافلہ نے پہلی منزل کربلا میں کی جہاں اہلبیت نے صف ماتم بچھائی۔ مورخین کے بیان کے مطابق یہ ماہ صفر کی ۲۰؍تاریخ تھی جب سیدانیوں نے مظلوم کربلا کا پہلا چہلم بپا کیا۔اسی موقع پر صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہ انصاری بھی اپنے دوست عطا کے ہمراہ وہاں موجود تھے۔ یہ سیدالشہداء کے سب سے پہلے زائر تھے۔انہوں نے امام زین العابدینؑ کو اُن کے پدر بزرگوار کا پُرسہ دیا اور دیر تک نواسہ رسول کو یاد کر کے روتے رہے۔ اسی روز یعنی ۲۰؍صفر ۶۱ھ یہ قافلہ کربلا سے دمشق کیلئے روانہ ہوا۔

کوفہ سے دمشق کو دو راستے جاتے ہیں ایک راستہ کی مسافعت تقریباً چھ سو میل ہے گو کہ یہ راستہ قریب ترین ہے لیکن اس راستہ میں کوئی خاص قصبے وشہر آباد نہیں ہیں۔ دوسرا راستہ جس کی مسافعت تقریباً ایک ہزار چار سو تیس میل ہے اس راہ پر عراق وشام کے بڑے بڑے شہر آباد ہیں اور یہ شاہراہ عام ہے۔ چونکہ یزیدیوں کو اہلبیت کی تشہیر وتذلیل مقصود تھی لہٰذا اسیران اہلبیت کو اس طویل راستہ سے لیکر گئے۔ وہ اپنے زعم ناقص میں یہ سمجھ رہے تھے کہ اس سے امام حسینؑ کی شکست اور یزید کی فتح کی خبر عام ہو جائے گی لیکن شاید یزید اور یزیدیوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ قتل ناحق کا ڈھنڈورا پیٹ کر اپنی ہی بنیادیں اکھاڑ رہے ہیں۔اور قدرت خود انکے ہاتھوں ہی سے انکے مظالم کا پردہ چاک کر رہی ہے۔ دوران سفر جہاں کہیں سے بھی کربلا کے قیدی اور شہیدوں کے سر گذرے یزید اور یزیدیت کے خلاف نفرت کا ایسا سیلاب اٹھا جو رفتہ رفتہ عام شورش میں تبدیل ہو گیا۔ حضرت امام زین العابدین اور اہلبیت رسول گویا حق وصداقت کی منہ بولتی تصویریں تھے جنہیں دیکھ کر ہر شخص حق وباطل کا فرق محسوس کر رہا تھا۔

سفر ومنازل سفر: اسیران کربلا کے سفر ومنازل سفر سے متعلق تاریخ لکھنے والوں اور مقتل کے حالات بیان کرنیوالوں کی مختلف روایات پائی جاتی ہیں۔ کربلا سے کوفہ' پھر کوفہ سے کربلا ہوتے ہوئے دمشق اور پھر رہائی کے بعد دمشق سے کربلا

تک کے سفر سے متعلق تاریخوں' منازل کی تعداد اور ان کے ناموں' منازل پر پیش آنے والے واقعات نیز اسیران اہلبیت کوفہ میں کتنے دن مقید رہے اور دمشق میں کتنی مدت قید خانہ میں بسر کی' ان جملہ امور کو مورخین نے اپنی اپنی معلومات ومشاہدات کے تحت اپنے اپنے انداز میں قلمبند کیا ہے۔ہم نے ان امور کی بابت اپنی کتاب''کربلا اور کربلا کے بعد''میں قدرے تفصیل سے لکھا ہے لیکن موضوع کی اہمیت کے پیش نظر یہاں بھی مختصراً جائزہ لے رہے ہیں۔

اسیران اہلبیت کی کربلا سے کوفہ روانگی کی بابت ابن طاؤس کی روایت ہے کہ ۱۱؍محرم ۶۱ھ کو زوال آفتاب کے بعد اسیروں اور بیکسوں کا یہ قافلہ کوفہ کی جانب روانہ ہوا۔۱؎ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اہلبیت ۱۱؍محرم کی صبح میں کربلا سے روانہ ہوئے اور اسی روز شام کے وقت کوفہ پہنچے ۲؎ جبکہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ امام حسین کی شہادت کے بعد عمر ابن سعد دو دن کربلا میں مقیم رہا بعد ازاں مخدرات اہلبیت اور امام زین العابدینؑ بیمار کربلا کو اپنے ساتھ لیکر عازم کوفہ ہوا۔۳؎ ایسے میں تمام بیانات جن میں ۱۱؍محرم کو قافلہ کی روانگی بتائی گئی ہے اسلئے درست نہیں مانے جا سکتے کہ ایک روز قبل جنگ وجدال میں مصروف کثیر فوج اسیروں کو لیکر صبح ہی یا بعد زوال آفتاب کربلا سے کوفہ جو تقریباً سینتالیس میل جنوب کی سمت ہے چل پڑے۔ جبکہ انہی مورخین کے یہ بھی بیانات موجود ہیں کہ یزیدی فوج اپنے مقتولین کو جو کثیر تعداد میں تھے دفن کر کے کربلا سے روانہ ہوئی۔ اسکے برعکس ابن اثیر وغیرہ کے بیانات کسی حد تک درست معلوم ہوتے ہیں کہ عمر ابن سعد نے اپنی نگرانی میں اپنے مقتولین کو دفن کرانے کے بعد ۱۲ یا ۱۳؍محرم کو کوفہ کا رخ کیا۔

اسی طرح کوفہ میں قیام' وہاں سے روانگی' دمشق میں ورود وقیام اور کربلا واپسی کی بابت بھی مورخین کے مختلف بیانات ہیں۔ایک گروہ کا خیال ہے کہ ۱۲؍محرم کو اسیروں کا قافلہ کوفہ پہنچا' ۱۳؍محرم کو دمشق کیلئے روانہ ہوا تیرہ دن بعد ۲۶؍محرم کو دمشق

۱؎ لہوف ص: ۲۷ ۲؎ مظلوم کربلا ص: ۱۳۳ ۳؎ بحوالہ تاریخ احمدی ص: ۳۲۱

پہنچا چھ دن دمشق میں قیام کے بعد ۳ر صفر کو وہاں سے روانہ ہوا اور ۱۷ر صفر کو کربلا واپس پہنچا۔۱؎ جبکہ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ۱۲ر محرم کو قافلہ کوفہ پہنچا ایک ہفتہ وہاں قیام کیا۔ نوروز میں کوفہ سے شام کا سفر طے کر کے یکم صفر کو دمشق پہنچا۔ ایک ہفتہ دمشق میں عزاداری کی۔ بارہ روز میں دمشق سے کربلا کا سفر طے کر کے اربعین ۶۱ھ کو کربلا میں وارد ہوا۔ اس کے علاوہ یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ ابن زیاد نے اہل حرم کو کوفہ میں قید کرنے کے بعد ایک قاصد کے ذریعہ یزید کو فتح کی مبارکباد بھیجی۔ اسیران کی بابت حکم طلب کیا' یزید کا جواب ملنے کے بعد محضر بن ثعلبہ عائذی اور شمر ذی الجوشن کی نگرانی میں اسیران کربلا کو دمشق روانہ کیا۔۲؎

مذکورہ بیانات قطعی طور پر تاریخی حقائق کے منافی اور ناقابل فہم ہیں کیونکہ اس زمانہ کے تاریخی واقعات' قافلہ کا راستہ' منازل کے درمیانی فاصلے اور قافلوں کی اوسط رفتار کے پیش نظر یہ قطعی ناممکن ہے کہ اسیران کربلا کا وہ لٹا پٹا قافلہ جس میں ستم رسیدہ خواتین اور خوفزدہ بچے تھے پونے پندرہ سو میل کا طویل سفر سینتیس اڑتیس دنوں میں طے کر کے ۲۰ر صفر ۶۱ھ کو واپس کربلا پہنچے۔ شیخ محمد عباس قمی نے بھی اسیران اہلبیت کا ۲۰ر صفر ۶۱ھ کو کربلا واپس آنا مشتبہ بتایا ہے اور لکھا ہے کہ کسی فن حدیث کے ماہر اور معتبر اہل سیر و تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہے۔۳؎

اسی طرح کوفہ سے دمشق کے درمیانی منازل کی تعداد' انکے نام اور وہاں رونما ہونے والے واقعات بھی تضاد بیانی کا شکار ہیں۔ مورخین نے ان منازل کی کم سے کم تعداد بارہ اور زیادہ سے زیادہ چوالیس بیان کی ہے۔ عام طور سے صاحب "مفتاح البکا" کی اس تحقیق کو صحیت کے قریب تر مانا جاتا ہے جس کی تصدیق "مقتل ابی مخنف" کی روایت سے ہوتی ہے جس کا روای چہل شہ زوری ہے۔ جو کوفہ سے قافلہ اہلبیت کیساتھ ہو گیا تھا۔ اسکے بیان کے مطابق کوفہ سے دمشق تک کا فاصلہ چودہ سو تیس میل تھا۔ جو چوبیس منازل میں طے کیا گیا۔ دیگر کتب تاریخ کے

۱؎ شہیدِ اعظم ص: ۱۲۹ ج: ۲' ۲؎ ناسخ التواریخ ص: ۳۶۱ ج: ۶' ۳؎ منتہی الآمال ص: ۳۳۱ ج: ۱

مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ چہل شہ زوری کی روایت میں جن چوبیس منازل کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایسی منازل تھیں جہاں کوئی واقعہ پیش آیا تھا ورنہ چوالیس منازل والی روایات جس میں گرچہ منازل کے نام نہیں بتائے گئے ہیں درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ زمانہ قدیم میں سواریوں کے قافلوں کی عمومی اوسط رفتار تیس میل یومیہ ہوتی تھی اور جس راستہ سے اسیران کربلا کے قافلہ کو لیجایا گیا اس کا فاصلہ تقریباً ساڑھے چودہ سو میل تھا۔ اس اعتبار سے عین ممکن ہے کہ چوالیس منازل والی روایات درست ہو۔ بہرحال صاحب ناسخ التواریخ' ابو مخنف' لوط بن یحییٰ اور ملا واعظ کاشفی کی تحقیقات کے مطابق اسیران کربلا کا یہ قافلہ کوفہ سے روانہ ہو کر کربلا' تکریت' مخلہ' لیا' موصل' سنجار' نصیبین' دعواۃ' رقہ' جوسق' بشر' حلب' قنسرین' معرۃ النعمان' شیرز' کفرطاب' سیبور' حماۃ' حمص' دیر راہب' بعلبک اور حران میں منازل کرتا ہوا دمشق پہنچا۔

منازل کی تعداد خواہ کچھ بھی ہو مگر یہ حقیقت ہے کہ اہلبیتِ رسول پر اس سفر میں بے تحاشہ صعوبات و مصائب گذر گئے۔ اونٹ کا سفر خواہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو بذات خود باعث تکلیف و زحمت ہوتا ہے جبکہ کربلا کے مصیبت زدہ خواتین اور بچوں نے تو تقریباً ساڑھے چودہ سو میل کا سفر اونٹوں کی پشت پر طے کیا۔ تاریخی بیانات و روایات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جب لوگوں کو معلوم ہوتا کہ یہ قیدی اہلبیت رسول ہیں تو وہ یزیدیوں پر حملہ آور ہوتے اور یزیدی اس مخالفت و مزاحمت سے بچنے کے لئے راستے کاٹ کر نامعلوم راستوں اور گذرگاہوں سے بھاگتے۔ بسا اوقات وہ اونٹوں کی رفتار اتنی تیز کر دیتے کہ بچے گر پڑتے نیز اس حالت میں بیمار کربلا' ستم رسیدہ خواتین اور معصوم بچوں پر قیامت گذر جاتی تھی۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ قافلہ دمشق کب پہنچا۔ مورخین نے مختلف تاریخیں بیان کی ہیں مثلاً ۲۶ر محرم' یکم صفر' ۱۴ر صفر' ۱۴ر ربیع الاول' ۱۶ر ربیع الاول' ۲۴ر ربیع الاول وغیرہ۔ ہم محتاط انداز میں اس کا حساب اس طرح لگا سکتے

ہیں کہ جب قافلہ کی یومیہ اوسط رفتار تیس میل تھی تو اس نے ساڑھے چودہ سو میل کا سفر اڑتالیس دنوں میں طے کیا ہوگا۔ اس قافلہ کے تاریخی واقعات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کئی مقامات پر اس قافلہ نے ایک ایک دو دو دن قیام کیا تھا اگر ایسے دنوں کی تعداد چودہ مان لی جائے تو کل مدت سفر باسٹھ دن بنتی ہے لہٰذا ۱۸ر صفر کو کوفہ سے روانہ ہونے والے قافلہ کو ۲۰ر یا ۲۱ر ربیع الثانی کو دمشق پہنچنا چاہیئے۔

جب قافلہ دمشق پہنچا تو شہر کے باہر روک دیا گیا تا کہ یزید کو اس کی آمد کی اطلاع کی جائے اور شہر میں داخلہ کی اجازت حاصل کیجائے۔ دمشق کے بازاروں کو سجایا گیا تھا۔ کثیر تعداد میں مرد و زن زرق برق لباس پہنے قیدیوں کا تماشہ دیکھنے کیلئے جمع تھے۔ جب اجازت ملی تو قافلہ شہر میں داخل ہوا۔ بازاروں میں تشہیر کرائی گئی۔ اونٹوں پر گرد آلود سر برہنہ چند بیبیاں بالوں سے منہ چھپائے اور چند پریشان حال خوفزدہ کمسن بچے سوار تھے اور ایک کمزور و لاغر جوان ان اونٹوں کی مُہار پکڑے لڑکھڑاتے قدموں سے چل رہا تھا۔ ان کے آگے نیزوں پر چند کٹے ہوئے سر آویزاں تھے جنہیں یزیدی سپاہی لے کر چل رہے تھے اس موقع پر امام زین العابدینؑ ان اشعار کو بار بار پڑھ رہے تھے۔ ع

أقا ذُلیلاً فی دمشق کاَنّنی مِنَ الزّنج عبدخاب عنۂ نصیرُ
وجدی رسول اللہ کل مشھَدٍ و شیخی امیر المومنین امیرُ

ترجمہ: میں شہر دمشق میں نہایت ذلت و حقارت سے لایا گیا۔ گویا میں ایک ایسا ترک کی غلام تھا جس کا کوئی ناصر و مددگار نہ ہو۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ رسول اللہ میرے نانا اور امیر المومنین (حضرت علیؑ) میرے دادا ہیں۔

الغرض یہ مصیبت زدہ قافلہ بازار دمشق سے گذرتا ہوا مسجد جامع کے دروازے پر رکا۔ یہاں ایک بوڑھا شامی لوگوں کو ہٹاتا ہوا مجمع سے نکلا اور امام زین العابدینؑ کے پاس پہنچ کر الٹی سیدھی گستاخانہ باتیں کرنے لگا۔ جب وہ کہہ چکا تو امام نے فرمایا "میں نے تمہاری باتیں سنی اور جتنی بھی بغض و کینہ کی آگ تمہارے دل

میں تھی اسکو تم نے اگل دیا۔ اب انصاف کی بات یہ ہے کہ جس طرح میں نے تمہاری بات سنی تم بھی میری بات غور سے سنو" شامی بولا "کہو" امام نے فرمایا "اے شیخ! تو نے قرآن پڑھا ہے" اس نے اثبات میں جواب دیا۔ امام نے دریافت فرمایا۔ "کیا تو نے آیت" قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْراً اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی "۱؎ پڑھی ہے" اس نے جواب دیا "ضرور پڑھی ہے" امام نے فرمایا "تو یقین کر کہ وہ ذی القربیٰ (قریبی رشتہ دار) ہم ہی ہیں"۔ یہ سنتا تھا کہ بوڑھا شامی بے چین ہو گیا اس نے آسمان کی طرف ہاتھ بلند کر کے پے در پے تین مرتبہ کہا کہ "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَتُوْبُ اِلَیْکَ' اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَبْرَاُ اِلَیْکَ مِنْ عَدُوِّ آلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ قَتَلَۃِ اَھْلِ بَیْتِ مُحَمَّدٍ یعنی: خدایا میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں' خدایا میں تیرے سامنے دشمنان آل محمدؐ اور قاتلین اہلبیت محمد سے برات ظاہر کرتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے امام سے عرض کیا "فرزندِ رسول کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے" امام نے فرمایا "اِن تُبْتَ تَابَ اللہُ عَلَیْکَ وَاَنْتَ مَعَنَا" یعنی اگر توبہ کریگا تو خدا تیری توبہ ضرور قبول فرمائے گا اور تو (جنت میں) ہمارے ساتھ ہوگا۔ جب یہ خبر یزید کو پہنچی تو اس نے اس ضعیف شامی کو قتل کرا دیا۔۲؎

دربار یزید: یزید کا دربار سجایا گیا تھا۔ امراء و سفراء بیٹھے تھے عمائدین شہر دربار کی رونق بڑھا رہے تھے۔ یزید فتح کی خوشی میں مخمور اور شراب کے نشہ میں چور تخت حکومت پر بیٹھا جھوم رہا تھا۔ ہر طرف تماشبینوں کا مجمع تھا۔ اجازت ملنے پر اسیران اہلبیت کو دربار میں پیش کیا گیا۔ شمر لعین نے سرِ حسینؑ کو نوک نیزہ سے اتار کر یزید کے سامنے ایک تشت میں رکھ دیا۔ یزید کچھ دیر سرِ حسینؑ کی جانب غور سے دیکھتا رہا پھر چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ ہے: "وہ سر جو چاندی کے تشت میں میرے سامنے رکھا ہوا ہے کتنا حسین و خوبصورت ہے اور دونوں رخسار دو گلاب کے پھول معلوم ہوتے ہیں' اے حسین تم نے جنگ کو کیسا پایا؟ میں نے حسین کو قتل کر کے

۱؎ سورۃ الشوریٰ آیت: ۲۳' ۲؎ احتجاج طبرسی ص: ۳۳ ج: ۲' ناسخ التواریخ ص: ۲۹۷ ج: ۶' مقتل اسفرائنی ص: ۲۷۲

(اپنے بغض وکینہ کی) پیاس بجھائی۔ کاش وہ لوگ (یزید کے بزرگان) جو جنگ حنین میں موجود تھے آج یہاں ہوتے تو دیکھتے کہ میں نے حسین کے ساتھ کیا سلوک کیا۔"

اہلبیت رسول یزید کے سامنے کھڑے تھے۔ امام زین العابدینؑ نے فرمایا۔"یزید سچ بتا اگر رسول خدا ہم لوگوں کو اس حالت میں دیکھتے تو ان کا کیا حال ہوتا۔" یزید امام کی طرف متوجہ ہوا۔ پھر ایک چھڑی جو اسکے ہاتھ میں تھی اس سے حضرت امام حسینؑ کے سر اور دندان مبارک سے بے ادبی کرتا جاتا اور اشعار پڑھتا جاتا تھا۔ چند کا ترجمہ ہے کہ" کاش میرے آباؤ اجداد جو جنگ بدر میں قتل ہوئے موجود ہوتے تو میرے کارناموں کو دیکھتے۔ یہ تو بنی ہاشم نے سلطنت کا کھیل کھیلا تھا ورنہ کیسی وحی اور کیسے فرشتے۔ میں بنی خندف سے نہ ہوتا اگر اولاد احمد سے انتقام نہ لیتا۔[۱] میں نے علی سے (اپنے بزرگوں کے) خون کا بدلہ لے لیا۔ میں نے بنی ہاشم کے جری سرداروں کو قتل کیا۔ اگر (آج میرے بزرگ) دیکھتے تو خوش ہوتے مبارکباد دیتے اور کہتے کہ اے یزید تیرے ہاتھ کبھی شل نہ ہوں۔" اس طرح یزید کربلا کی جنگ کو انتقامی اور سیاسی جنگ بتارہا تھا جب کہ وہ قطعی طور پر مذہبی نقطۂ نظر اور حق وباطل کی جنگ تھی۔

صحابی رسول حضرت ابوبرزہ اسلمیؓ جو دربار یزید میں موجود تھے وہ یزید کی حرکتوں کو برداشت نہ کرسکے بگڑ کر بولے"اے یزید! حسین کے دانتوں سے چھڑی ہٹالے۔ بخدا میں نے رسول اللہ کو دیکھا ہے کہ آپ حسن وحسین کے ہونٹوں کا بوسہ لیتے تھے اور فرماتے تھے۔ تم دونوں جوانان جنت کے سردار ہو۔" یزید نے غضب ناک ہوکر صحابی رسول کو دربار سے نکل جانے کا حکم دیا۔ ابوبرزہ اسلمیؓ یہ کہتے ہوئے دربار سے نکلے۔"یزید خدا تیرے ہاتھوں کو قطع کرے" دربار یزید میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سب امراء وسفراء محو حیرت تھے کہ ثانی زہراؑ نے خطبہ ارشاد فرمایا جو مظلومہ کربلا کی علمیت' فصاحت وبلاغت کا مرقع تھا۔[۲] علیؑ کی شیر دل بیٹی نے اپنے خطبہ میں

[۱] وسیلۃ النجات بحوالہ تاریخ احمدی ص: ۳۲۳ [۲] معصومہ کا یہ خطبہ "تاریخ بنی ہاشم' جلد سوئم" میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت امام حسینؑ کی شہادت وعظمت اور اہلبیت رسول کی فضیلت پر روشنی ڈالی اور یزیدیت کے مظالم اور بنی امیہ کی لادینیت کا پردہ چاک کردیا۔ حضرت زینبؑ کے اس خطبہ سے دربار کی کیفیت ہی تبدیل ہوگئی۔ لوگوں میں یزید سے نفرت پھیلی اور امراء وسفراء یزید پر لعنت کرنے لگے۔ بگڑتے ہوئے حالات کو دیکھتے ہوئے یزید نے طیش میں آکر درباریوں سے پوچھا" ان قیدیوں کیساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے" نعمان بن بشیر نے کہا" ان کیساتھ اسی طرح پیش آ جس طرح رسول اللہ پیش آیا کرتے تھے۔" لیکن یزید نے ایک پرانے بوسیدہ، تنگ مکان میں جسکی چھت گر چکی تھی اہلبیت رسول کو قید کرایا جہاں یہ لوگ موسم کی سردی وگرمی سے محفوظ نہ تھے۔

جس مسرت وشادمانی کے حصول اور عظمت وجلال کے اظہار کیلئے یہ دربار منعقد کیا گیا تھا اسے حضرت امام زین العابدینؑ کے جواب' حضرت زینبؑ کے خطاب اور حضرت ابوبرزہ اسلمیؓ کے احتجاج نے خاک میں ملادیا اور نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ عیسائیوں اور یہودیوں سب ہی کو یزید اور یزیدیت سے متنفر کردیا۔ ان کے ضمیروں کو جگایا' ان میں حق وباطل کی تمیز پیدا کی۔ دنیا دیکھ رہی تھی کہ اپنے پورے خاندان کی تباہی اور ہولناک مصیبتوں کے باوجود رسول کے گھرانے والے کتنے جری اور کیسے نڈر ہیں۔

امام زین العابدینؑ کا خطبہ: اہلبیت کے دمشق میں اسیری کے دوران یزید حضرت امام زین العابدینؑ کو طلب کرتا اور بھرے دربار میں آپ کی تذلیل کرتا تھا۔ ایک روز جامع مسجد میں بلایا اور خطیب مسجد کو تاکید کی کہ وہ منبر پر جاکر علیؑ واولاد علیؑ کو برا بھلا کہے اور اولاد ابوسفیان کی تعریف وتوصیف بیان کرے۔ لہٰذا خطیب نے حکم کی تعمیل کی۔ امام زین العابدینؑ صبر واستقلال سے سنتے رہے۔ جب وہ سب وشتم کرچکا تو امام نے خطیب سے فرمایا"اے خطیب! وائے ہو تجھ پر تو نے ایک مخلوق کی خوشنودی کی خاطر خالق اکبر کی نافرمانی کی اور

جہنم کا مستحق بنا۔" پھر آپ نے یزید کو مخاطب کرکے فرمایا۔"اے یزید! مجھے منبر پر جانے دے تاکہ وہ بات کہوں جس میں خدا کی خوشنودی ہو اور سننے والے کو بھی ثواب ملے۔" یزید نے انکار کیا لیکن حاضرین مسجد کے اصرار پر اس نے اجازت دیدی۔ آپ منبر پر تشریف لے گئے پہلے حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبولؐ بیان فرمائی پھر آپ نے ارشاد فرمایا:

> "اے اہل شام تم میں سے جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے لیکن جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں فرزند رسول مختار ہوں' میں فرزند سرور اخیار ہوں' میں فرزند سردار یثرب بطحا ہوں' میں فرزند شہسوار میدان ہل آتی ہوں' میں سبط رسول حسن مجتبیٰ کا بھتیجا ہوں' میں نور دیدۂ مصطفیٰ سرور سینہ مرتضیٰ مبتلائے کرب وبلا حسینؑ شہید کربلا کا بیٹا ہوں' میں اس کا فرزند ہوں جس پر لوگوں نے پانی بند کیا' میں اس کا فرزند ہوں جس کے اہل حرم قیدی بنائے گئے' میں اس کا فرزند ہوں جس کے بچے بے جرم وخطا ذبح کیے گئے' میں اس کا فرزند ہوں جس کے خیموں کو نذر آتش کیا گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کا سر نوک نیزہ پر بلند کیا گیا۔" (مقتل ابی مخنف ص:۱۳۵)

لوگ حیرت زدہ ہوکر امامؑ کو دیکھ رہے تھے آپ کا ایک ایک جملہ خاندان بنی ہاشم کی عظمت کو اجاگر اور شہادت حسینی کے مقصد کی اشاعت اور وضاحت کررہا تھا۔ یہانتک کہ لوگوں کے رونے اور ہچکیوں کی آواز بلند ہونے لگی۔ یہ منظر دیکھ کر یزید نے موقع کی نزاکت کے پیش نظر مؤذن کو اذان کہنے کا اشارہ کیا۔

مؤذن نے کھڑے ہوکر بآواز بلند کہا" اللہ اکبر ' اللہ اکبر" امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ الحق کوئی شے اس کی شان سے بزرگ تر نہیں ہے مؤذن نے کہا:" اشھدان لاالٰہ الا اللہ" امام نے فرمایا سچ ہے میرا گوشت اور پوست اس کا شاہد ہے۔ پھر مؤذن نے کہا" اشھدان محمد الرسول اللہ" یہ سننا تھا کہ امام نے اپنا عمامہ سر سے اتار کر پھینک دیا اور فرمایا کہ اے مؤذن تجھے اسی محمدؐ کی قسم

ذرا ٹھہر جا۔ پھر آپ یزید سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ"اے معاویہ کے بیٹے سچ بتا کہ یہ محمدؐ رسول اللہ میرے جد ہیں یا تیرے" یزید نے کوئی جواب نہ دیا تو آپ نے فرمایا۔"اگر تو اپنا جد بتائے تو صریح جھوٹ ہے اور اگر میرا جد کہے تو پھر تو نے میرے پدر بزرگوار کو جو بہترین آل رسولؐ تھے کیوں شہید کرایا؟ کیوں انکی مخدرات عصمت وطہارت کو گنہگار قیدیوں کی طرح شہر بہ شہر پھرایا؟ کیوں مجھے یتیم کیا؟ اور کیوں میرے جد کے دین میں رخنہ ڈالدیا؟" یہ کہہ کر امام زین العابدینؑ نے اپنا گریبان چاک کرڈالا اور اہل مجلس سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ"تم کو خدا کی قسم سچ بتاؤ کہ کیا میرے سوا تم میں کوئی ایسا ہے جسکا جد خدا کا نبی اور حبیب رہا ہو؟" یہ سنکر اہل شام بے اختیار روتے رہے اور یزید کے چہرے کا رنگ اڑ گیا بغیر نماز ادا کئے مسجد سے یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ لا حاجة لی بالصلواة "مجھے نماز کی حاجت نہیں۔"[۱] حق کی صدائے بازگشت نے ایوان کفر وضلالت کو لرزہ براندام کردیا۔ یزید کا نشہ غرور ہرن ہوگیا۔

یزید کی ناکامی: امام زین العابدینؑ کے خطبہ کا یہ اثر ہوا کہ شہر دمشق میں یزید کے خلاف غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی اور لوگ یزیدیت سے برات چاہنے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اہل شام سوئے ہوئے تھے مگر امامؑ کا خطبہ سن کر ایک دم خواب سے بیدار ہوگئے۔ انہوں نے اپنے تمام کاروبار معطل کردیئے اور مصائب اہلبیت رسولؐ کے ذکر میں مشغول ہوگئے۔ وہ اعلانیہ کہنے لگے کہ" واللہ ہم نہیں جانتے تھے کہ یہ فرزند رسول کا سر اقدس ہے ہم کو تو بتایا گیا تھا کہ یہ ایک خارجی (نعوذ باللہ) کا سر ہے جس نے یزید کے خلاف سرزمین عراق پر خروج کیا تھا۔"

حقیقتاً امام زین العابدینؑ کے اس خطبہ نے یزید کی آنکھیں کھول دیں اس کو احساس ہوگیا کہ اب دنیا حسینؑ کے قتل کا راز جان گئی ہے اور لوگوں کے دل

[۱] مقتل ابومخنف ص: ۱۳۵' ریاض القدس ص: ۳۴۸ ج: ۲ تاریخ احمدی ص: ۳۲۵

اس کی طرف سے پھرتے جا رہے ہیں۔ یہانتک کہ خود اسکے خاندان کے لوگوں نے حسینؑ کے خونِ ناحق اور اسیرانِ کربلا کی مظلومیت کا کھلم کھلا اقرار کرنا شروع کر دیا تھا۔ لہٰذا اس نے حالات سے مجبور ہو کر اہلبیتِ رسول کو جلد از جلد رہا کرنے اور عزت و احترام کیساتھ مدینہ پہنچا دینے کا فیصلہ کیا۔ یہی یزیدیت کی بدترین شکست اور حسینیت کی عظیم فتح تھی۔

یزید کی پشیمانی: دورِ حاضر کے لکھنے والوں کی ایک ایسی تعداد پیدا ہو گئی ہے جو اہلبیت سے یزید کے اچھے برتاؤ اور عذر خواہی کا ذکر کر کے اس کے ظلم و استبداد پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ امرِ حقیقت وہی ہے جو قدمانے اس کی بابت تفصیل سے لکھی ہے۔ جب یزید کو یقین ہو گیا کہ ہر خاص و عام اس دردناک واقعہ سے متاثر ہو رہا ہے۔ رائے عامہ روز بروز اس کے خلاف ہو رہی ہے۔ ملک میں عام بغاوت کے حالات پیدا ہو رہے ہیں' لوگ خونِ حسینؑ کا انتقام لینے کے منصوبے بنا رہے ہیں تو اس نے بڑی چالاکی سے اپنی پالیسی میں تبدیلی کی جس شخص نے قتلِ حسینؑ کی خبر سن کر دربار سجانے اور جشن منانے کا حکم دیا اب وہی شخص عبیداللہ ابن زیاد کو قتلِ حسینؑ کا ذمہ دار ٹھہرا کر اپنے آپ کو اس قتل سے بری الذمہ قرار دینے لگا۔ یزید کی اس اچانک تبدیلی کی بابت تاریخِ کامل میں مرقوم ہے کہ "قتل حسینؑ کے تھوڑے ہی دنوں بعد یزید کے پاس دہشت ناک خبریں پہنچنا شروع ہو گئیں کہ لوگ اعلانیہ حسینؑ کے قاتل کو برا بھلا کہتے ہیں اور ان کے دلوں میں انتقام کی آگ سلگ رہی ہے۔ یزید ان خبروں سے بہت گھبرایا۔ اس نے سب کے سامنے ابنِ زیاد کی برائیاں شروع کر دیں جیسے وہ اس واقعہ کا واحد مجرم بتانے لگا۔" اور علامہ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفا میں بیان کیا ہے کہ "پہلے یزید قتل حسینؑ پر بے حد خوشی کا اظہار کرتا تھا لیکن بعد میں وہ ڈر گیا اور اپنے کو اس گناہ سے بری الذمہ ٹھہرانے لگا۔"

علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ یزید نے حضرت امام زین العابدینؑ کو طلب کر کے کہا۔ "تمہیں جو مانگنا ہے مانگو اور جو کچھ کہنا ہے کہو۔" آپ نے فرمایا۔ "سب سے پہلی حاجت یہ ہے کہ میرے باپ کے قاتلوں کو میرے حوالے کر دے تاکہ میں انہیں قتل کروں۔ دوسری حاجت یہ ہے کہ مجھے اپنے جد نامدار کے روضہ پر جانے دے۔" امام کی پہلی حاجت کی تکمیل کیلئے یزید نے خولی کو بلا کر پوچھا کہ "حسینؑ کو تو نے قتل کیا ہے؟" اس نے جواب دیا۔ "حسینؑ کو میں نے قتل نہیں کیا بلکہ سنان بن انس نے قتل کیا ہے۔" یزید نے سنان کو طلب کر کے اس سے دریافت کیا تو اس نے شمر کا نام بتایا۔ جب شمر سے پتہ کیا تو اس نے کہا۔ "سچ سچ بتا دیتا ہوں کہ حسینؑ کا قاتل کون ہے؟ سن! حسینؑ کا قاتل وہی ہے جس نے قبائل عرب کو جمع کیا اور اس سلسلہ میں بیت المال کا منہ کھولا اور فوج، گھوڑے، اسلحہ جنگ اور نفقہ و خلعت دیکر روانہ کیا اور کہا کہ جاؤ حسینؑ سے جنگ کرو۔" یہ سن کر بظاہر یزید شرمندہ ہوا اور اس نے اپنے کلمات سے پشیمانی اور ندامت کا اظہار کیا لیکن اس نے فسق و فجور سے پھر بھی توبہ نہیں کی جس کا اندازہ اس کے ان افعال سے ہوتا ہے جو بعد میں واقعہ حرہ اور احراق خانہ کعبہ کی شکل میں رونما ہوئے۔

یہ شہادتِ عظمیٰ کا اعجاز ہے کہ شہادت حسینؑ تک یزید' ابن زیاد' ابن سعد' شمر اور خولی وغیرہ میں سے ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ قاتلین حسینؑ کی فہرست میں ان کا نام سرفہرست ہو۔ لیکن شہادت حسینؑ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد قتل مظلوم کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈالنے لگے۔ یزید نے ابنِ مرجانہ یعنی ابنِ زیاد کو حسینؑ کا قاتل قرار دیا۔ ابن زیاد نے عمر سعد' شمر' خولی اور لشکر والوں کو قاتل امامؑ ٹھہرایا اور لشکر والوں نے یزید اور ابن زیاد کو اس فعل کا ذمہ دار بتایا۔

یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ امام عالی مقام کے وہ ہمدرد حضرات جو قبل از روانگی مکہ آپ کے سفر کی مخالفت کر رہے تھے اور جنہوں نے آپ کے عزم

راسخ سے مجبور ہو کر یہ مشورہ دیا تھا کہ "اچھا اگر آپ جاتے ہیں تو جائیں لیکن خواتین اور بچوں کو اپنے ہمراہ نہ لے جائیں۔" انہوں نے بھی دیکھ لیا کہ واقعہ کربلا کے بعد فلسفہ شہادت کو غلط انداز سے پیش کیا جانے لگا اور حق و باطل کی اس جنگ کو سیاسی و ملک گیری کی کشمکش کا نام دیا جانے لگا تو انہی مخدرات عصمت و طہارت نے عراق سے شام تک مظلوم کربلا کے مقصدِ عظیم کا اعلان فرمایا اور دینِ اسلام اور تعلیمات محمدؐ و آلِ محمدؐ کی تبلیغ کی۔ اور ان ہی کے اعلان حق و صداقت سے واقعہ کربلا کے بعد پیش آنے والے واقعات سے دنیا پر یہ ثابت ہو گیا کہ فرزندِ رسولؐ سیاست الٰہیہ کے علمبردار تھے۔ آپ حاملِ علم لدنی تھے' آپ امام منصوص من اللہ تھے۔ اور آپ پیش آمدہ واقعات سے باخبر تھے۔

یزیدیوں نے فرزندِ رسول کو خارجی بتا کر حقائق کربلا پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کی۔ کوفہ و شام کے بازاروں اور یزید و ابنِ زیاد کے درباروں میں حضرت زینب کے دل ہلا دینے والے خطبوں اور سیدِ سجاد کی آتشیں تقریروں نے تمام عالم انسانیت میں قیامت برپا کر دی اور یزید کے سکون و اطمینان کی جنت کو غم و رسوائی کی جہنم میں ڈال دیا۔

یہ واقعہ کربلا کے بعد اسیرانِ کربلا کی بڑے بڑے شہروں اور عام راستوں میں تشہیر ہی کا نتیجہ تھا کہ ہر طرف سے قاتلین حسینؑ پر اعلانیہ لعنت و پھٹکار برسنی شروع ہو گئی۔ چند سال بعد جب بنی عباس نے واقعہ کربلا کی آڑ میں انتقام حسینؑ کا دعویٰ کیا تو یزید کی بیعت کرنے والوں ہی نے بنی امیہ کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دیا۔ یہ یزید کے سیاہ کارناموں ہی کا نتیجہ تھا کہ بنی امیہ پہاڑوں' دروں' غاروں اور جانوروں کے سوراخوں میں پناہ ڈھونڈتے پھرتے تھے اور بنی عباس ان کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے تھے اور نہایت بے رحمی اور سفاکی سے قتل کرتے تھے۔

الغرض تاریخِ اسلام کا مطالعہ کرنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ حق کی فتح اور باطل کی شکست اسی دن ہو چکی تھی جس دن فرزندِ رسول کو شہید کیا گیا

لیکن فتح حسینؑ اور شکست یزید کا صحیح علم اور عام اعلان ہرگز نہ ہوتا۔ اگر مخدراتِ عصمت و طہارت نے عراق سے شام تک اپنے خطبوں کے ذریعہ حقانیتِ حسینیت کا پرچم بلند کر کے حقیقت یزید کو بے نقاب نہ کیا ہوتا۔

قید سے رہائی: دمشق کی قید کا زمانہ اہلبیتؑ کیلئے سوہانِ روح کا زمانہ تھا۔ اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ منہال بن عمرو نے بیمار کربلا سے ملاقات کی اور امامؑ سے دریافت کیا۔ "آپ کیسے ہیں؟" امام زین العابدینؑ نے فرمایا۔ "ہم ویسے ہی ہیں جیسے فرعون کے زمانہ میں بنی اسرائیل تھے۔ وہ ان کے بچوں کو ذبح کرتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھ چھوڑتا تھا۔ عرب عجم کے مقابلے میں فخر کرتے ہیں کہ محمدؐ عربی تھے اور قریش عرب کے مقابلہ میں فخر کرتے ہیں کہ محمدؐ قریشی تھے اور ہم اہلبیت محمدؐ قتل کئے گئے اور در بدر پھرائے گئے۔"[1]

اہلبیت رسولؐ کو کتنے عرصے دمشق میں قید رکھا گیا' اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے مدت قید نو ماہ' بعض نے دو ماہ اور بعض نے ۴۰ یوم لکھی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ صرف نو دن قید رہے۔ بہرحال جب یزید کو اپنی سیاہ کاریوں کے برے انجام نظر آنے لگے اور اسے یقین ہو گیا کہ اہلبیت کو مزید قید رکھنا اس کے اقتدار کیلئے نقصان کا باعث ہے تو اس نے ایک روز سیدِ سجادؑ کو بلا کر کہا۔ "میں نے تم سب کو رہا کیا۔ اب تمہیں اختیار ہے کہ خواہ یہاں (دمشق) رہو' خواہ مدینہ چلے جاؤ۔" سیدِ سجادؑ نے یزید کو بتایا کہ آپ مدینہ جانا چاہتے ہیں امام زین العابدینؑ نے یزید سے یہ بھی کہا کہ "ہماری عورتیں تیرے پہرے داروں کی سختی کے سبب سے اب تک اپنے شہیدوں کو دل کھول کر رو بھی نہ سکیں اگر تو اجازت دے تو ہم فرزندِ رسولؐ کی صفِ ماتم بچھانا چاہتے ہیں۔" یزید نے اجازت دیدی اور ایک مکان بنی ہاشم کے محلہ دار الحجارہ میں اس مقصد کیلئے خالی کرایا اہلبیت رسولؐ اس مکان میں تشریف لے گئے۔ دمشق میں جو قریشی یا ہاشمی خاندان رہتے تھے ان کی عورتیں سیاہ لباس پہنے' سر کے بال کھولے' گریبان چاک کئے سینہ و سر پیٹتی ہوئیں مجلسِ ماتم داری و تعزیت

۱۔ اثبات الوصیت ص: ۱۴۳ لہوف ص: ۱۰۷

سوگواری میں شریک ہوئیں۔ بیمارِ کربلا اور ثانی زہرہ نے مصائبِ امام حسینؑ بیان کئے۔ سامعین پر شدت سے گریہ طاری ہوا اور اس طرح عزاداری حسینؑ کا وہ نظام جو اس وقت سے ہمارے عقیدۂ ایمان اور عمل کو تازہ زندگی بخش رہا ہے۔ اس کی بناء دشمن کے پائے تخت میں ثانی زہرہ اور بیمارِ کربلا نے ڈالی۔

دمشق سے روانگی: بیان کیا جاتا ہے کہ مجالسِ عزائے حسینؑ کا یہ سلسلہ دمشق میں ایک ہفتے تک جاری رہا۔ امام زین العابدینؑ کے طلب کرنے پر یزید نے اہلبیت کا لٹا ہوا مال واسباب اور شہدائے کربلا کے سر واپس کئے اور قافلے کی روانگی کے انتظامات کروائے۔ صحابی رسولؐ جناب نعمان بن بشیر انصاریؓ کو پانچ سو سواروں کے ساتھ قافلے کی حفاظت اور خدمت کیلئے روانہ کیا۔ اسیرانِ کربلا نے سیدھے مدینہ جانے کے بجائے کربلا ہو کر مدینہ جانا پسند فرمایا سیّدانیاں محملوں میں تشریف فرما ہو گئیں اور آلِ رسولؐ کا یہ قافلہ نہایت تزک واحتشام سے فتحِ حسینؑ کا پرچم بلند کئے شہرِ دمشق سے روانہ ہوا۔

کربلا میں دوبارہ ورود: اہلبیتِ رسولؐ کا یہ قافلہ منازل طے کرتا ہوا جس روز سرزمین کربلا میں وارد ہوا اسی روز حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ اور چند افراد بنی ہاشم بھی زیارت سیّد الشہداء کیلئے کربلا پہنچے تھے۔ امام زین العابدینؑ کو دیکھ کر ان لوگوں نے اپنے گریبان چاک کر دیئے۔ سروں پہ خاک ڈالی اور فرزندِ رسولؐ کا پُرسہ دیا۔ امام زین العابدینؑ نے تمام شہدائے کربلا کے سروں کو ان کے اجسام سے ملا کر دفن کیا سیّدانیوں نے سبطِ پیغمبر کی صفِ ماتم بچھائی۔

صاحب ناسخ التواریخ کی تحقیق ہے کہ شہادت امام مظلوم کے بعد یہ دوسرا موقع تھا کہ اہلبیت رسولؐ وارد کربلا ہوئے۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کا بھی یہ دوسرا سفر تھا کیونکہ جب وہ پہلی بار کربلا پہنچے تھے تو اس وقت اہلبیت کوفہ سے دمشق لے جائے جا رہے تھے اس وقت حضرت جابر کے ساتھ ان کے دوست عطا تھے لیکن دوسری بار ان کے ہمراہ بنی ہاشم کی ایک جماعت تھی۔

ہاں یہ عجیب اتفاق ہوا کہ جس دن حضرت جابر دوبارہ کربلا پہنچے تو اہلبیت کا قافلہ دوبارہ وارد ہوا۔

مدینہ میں آمد: کربلا میں چند روز قیام کے بعد اہلبیت رسولؐ کا لٹا ہوا قافلہ مدینہ کی جانب روانہ ہوا۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر امام زین العابدینؑ نے قافلے کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔ قافلہ رکا' مخدرات کیلئے خیمے لگائے گئے۔ امام نے بشیر بن جزلم سے فرمایا "تمہارے باپ شاعر تھے کیا تمہیں بھی شاعری سے دلچسپی ہے؟" بشیر نے جواب دیا "میں بھی شاعر ہوں" آپؑ نے فرمایا "حسینؑ ابن علیؑ کی سنانی سنادو" بشیر نے تعمیل کی۔ وہ سر برہنہ پریشان حال مدینۃ الرسولؐ میں گیا اور دردناک لہجہ میں بآواز بلند قافلہ حسینی کی آمد کی اطلاع دی اور ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ ہے کہ "مدینہ والو مدینہ رہنے کی جگہ نہیں رہی۔ حسینؑ قتل ہو گئے۔ ان کی نعش کربلا میں چھوڑ دی گئی اور ان کے سر کی نیزہ پر تشہیر کی گئی" یہ سن کر مدینہ میں کہرام مچ گیا عورتیں تک گھروں سے نکل آئیں۔ لوگ اس طرف دوڑ پڑے جدھر قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔ بنی ہاشم کے مرد اور عورتیں گریہ وبکا کرتے ہوئے اہلبیتؑ کے استقبال کو نکلے۔ جناب ام سلمہ زوجہ رسولؐ، جناب ام البنین زوجہ علیؑ (مادر عباسؑ) اور خاندانِ عبدالمطلب کی دیگر خواتین "واحسیناہ" کی صدائیں بلند کرتی ہوئیں اپنے گھروں سے نکلیں۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو ایک کہرام بپا ہو گیا۔ امام زین العابدینؑ نے سب کو خاموش کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا:

> "اے لوگو! ہم بڑے مصائب میں مبتلا کئے گئے۔ دیوارِ اسلام میں بہت بڑا رخنہ پڑ گیا۔ ابوعبداللہ الحسینؑ اور ان کے اہلبیت قتل کر دیئے گئے ان کی خواتین اور بچے قیدی بنائے گئے اور لشکرِ یزید نے ان کے مقدس سروں کو نیزوں پر بلند کر کے شہر بہ شہر پھرایا۔ یہ وہ مصیبت ہے جس کے برابر کوئی مصیبت نہیں اے لوگو! تم میں سے کون ایسا ہے جو شہادت حسینؑ کے بعد خوش رہے کون سا

> دل ہے جو غمِ حسینؑ سے متاثر نہ ہو اور کون سی آنکھ ہے جو حسینؑ پر آنسو نہ بہائے۔
>
> اے لوگو سنو! شہادت حسینؑ پر ساتوں آسمان روئے' سمندر اور اس کی موجیں روئیں' زمین اور اس کے اطراف روئے' درخت اور اسکی شاخیں روئیں' مچھلیاں اور بحری جانور روئے' ملائکہ مقربین روئے اور تمام آسمان والے روئے۔ اے لوگو کونسا دل ہے جو شہادت حسینؑ کی خبر سن کر پھٹ نہ جائے۔ کون سا قلب ہے جو محزون نہ ہو۔"
>
> (مقتل ابو مخنف ص: ۸۸' ناسخ التواریخ ص: ۴۸۶ ج: ۴)

بہرحال یہ امر حقیقت ہے کہ نسب ونظم ہر دو اعتبار سے حسینؑ اپنے سلسلے کے پانچویں ہیں اور یزید اپنے سلسلے کا پانچواں ہے۔

سیاسی حالات

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے عہد امامت میں دنیائے اسلام کی سیاسی صورتحال کو بہتر طور پر سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ اس عہد کے سلاطین وامراء سلطنت کے اعمال وافعال' اخلاق وکردار' دینی وابستگی اور ذہنی کیفیت کا تفصیلی جائزہ لیا جائے۔ لیکن ہماری اس مختصر کتاب میں اس کی گنجائش نہیں لہٰذا ہم انتہائی اختصار سے چیدہ چیدہ واقعات کا تذکرہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

حضرت امام زین العابدینؑ کے زمانہ امامت میں جو سلاطین مسندِ حکومت پر متمکن تھے وہ درج ذیل ہیں:

۱) یزید بن معاویہ ٦٠ھ تا ٦٤ھ ۲) معاویہ بن یزید ٦٤ھ -
۳) مروان بن حکم ٦٤ھ تا ٦٥ھ ۴) عبدالملک بن مروان ٦٥ھ تا ٨٦ھ
۵) ولید بن عبدالملک ٨٦ھ تا ٩٦ھ

شہادتِ حسینؑ کے اثرات: علامہ جلال الدین سیوطی نے تحریر کیا ہے کہ شہادت کے ہنگامہ کے وقت دنیا میں سات دن تک اندھیرا رہا۔ دیواروں پر دھوپ کا رنگ پیلا نظر آتا تھا اور ستارے ٹوٹتے تھے۔ آپکی شہادت ۱۰ محرم ٦١ھ کو واقع ہوئی اس دن سورج گھنا گیا تھا اور مسلسل چھ ماہ تک آسمان کے کنارے سرخ رہے بعد میں وہ سرخی رفتہ رفتہ جاتی رہی لیکن افق کی سرخی اب تک موجود ہے جو شہادت حسینؑ سے پہلے موجود نہ تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ روز شہادت حسینؑ بیت المقدس کا جو پتھر پلٹا جاتا تو اس کے نیچے تازہ خون دکھائی دیتا۔ عراقی فوج میں

جس قدر کسب تھا وہ سب راکھ ہوگیا۔ یعنی یہ زرد گھاس رنگنے کا قابل نہ رہی۔ عراقی جوج نے اپنے فوجیوں کیلئے ایک اونٹ ذبح کیا تو اس کا گوشت آگ کا انگارہ تھا جو شعلے لے رہا تھا اور جب انہوں نے وہ گوشت پکایا تو وہ کڑوا ہوگیا۔ اور ایک آدمی نے حضرت حسینؑ کو گالیاں دیں تو بحکم الٰہی آسمان سے ایک تارا ٹوٹا جس سے اس کی آنکھیں جاتی رہیں۔[1]

یزید اور یزیدیوں کا خیال تھا کہ وہ حسینؑ ابن علیؑ کو شہید کر کے یزیدی اقتدار کو برقرار اور اموی حکومت کو پائیدار بنالیں گے لیکن شہادت حسینؑ کے فوراً بعد ہی رونما ہونے والے اثرات سے ثابت ہوگیا کہ یزیدیوں کا یہ تصور غلط تھا۔ حضرت امام زین العابدینؑ واہلبیت رسول کی مدینہ آمد کے بعد جوں جوں لوگوں کو واقعہ کربلا کی تفصیلات کا علم ہوا ان میں یزید اور یزیدیت کے خلاف جذبات اُبھرنے لگے۔ دنیائے اسلام میں ہر طرف حضرت امام حسینؑ کے صبر و استقلال اور یزید پلید کے ظلم و استبداد کے چرچے ہونے لگے۔

سیاسی افراتفری: واقعات کربلا کی معلومات کے بعد دنیائے اسلام میں تہلکہ مچ گیا اور مسلمانوں کی سیاست میں نمایاں تبدیلی واقع ہوئی۔ اصحاب رسولؐ، تابعین، تبع تابعین اور علماء و مفکرین اسلام کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ دشمن اسلام یزید بن معاویہ نے انہدام رسوم اسلامی اور حصول مملکتِ فانی کے پیش نظر نواسۂ رسول حضرت امام حسینؑ اور انکے اعزاء و اصحاب کو بے گناہ شہید کیا اور آپ کے اہلبیت کو شہر بہ شہر تشہیر کر کے ذلیل و رسوا کرنیکی کوشش کی اس طرح وہ جرم عظیم کا مرتکب ہوا۔

امت مسلمہ کی سیاسی بیداری کا یہ عالم تھا کہ لوگ نہ صرف اموی حکمرانوں کو ہی لعن طعن کر رہے تھے بلکہ بنی امیہ کے عام لوگوں سے بھی نفرت کا اظہار کر رہے تھے۔ چونکہ مدینہ رسول کو عالم اسلام میں مرکزی حیثیت حاصل تھی اسلئے شہادت حسینؑ کا سب سے زیادہ اثر اہل مدینہ ہی نے قبول کیا۔ حضرت امام

[1] تاریخ الخلفاء ص: ۲۳۸

زین العابدینؑ کو دمشق کے قید خانہ سے رہائی پاکر مدینہ واپس آئے ایک سال بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ سب سے پہلے اہل مدینہ نے ۶۲ھ ہی میں یزید کی معزولی کا اعلان کردیا اور اصحاب رسولؐ، مہاجرین وانصار نے متفقہ طور پر یزیدی گورنر عثمان بن محمد بن ابوسفیان کو مدینہ سے نکال دیا۔ اور جناب عبداللہ بن حنظلہ کو مدینہ کا والئی مقرر کیا۔ اور کبار صحابہ مثلاً جابر بن عبداللہ انصاری، ابوسعید خدری، فضل بن عباس وغیرہ نے یزید کے خلاف جہاد کا اعلان کردیا۔ اس صورتحال سے بنی امیہ کے وہ افراد جو مدینہ میں رہتے تھے سخت پریشانی کا شکار ہوئے۔

واقعہ کربلا سے متاثر ہوکر اہل مکہ بھی یزید سے برہم ہوگئے۔ مکہ والوں کے جوش وخروش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عبداللہ بن زبیر نے اپنی بیعت لینی شروع کردی اور یزیدی گورنر کو مکہ سے مار بھگایا۔

اہل کوفہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر بہت زیادہ شرمندہ اور رنجیدہ تھے وہ ایک دوسرے کو ملامت کرتے تھے۔ یہ لوگ جناب سلیمان بن صرد کے گھر میں جمع ہوئے اور قصاص خون حسینؑ کی تحریک کا آغاز کیا۔ امیرالمومنین حضرت علیؑ کے پانچ اصحاب سلیمان بن صرد خزاعی، عبداللہ بن سعد ازدی، عبداللہ بن وال تیمی اور رفاعہ بن شداد بجلی اس تحریک کے ابتدائی والی تھے۔ جب یزید بن معاویہ واصل جہنم ہوا تو اس تحریک میں مزید تیزی آگئی اور جب رمضان ۶۴ھ میں مختار بن عبیدہ کوفہ پہنچے تو انہوں نے قاتلانِ حسینؑ سے بدلہ لینے کی دعوت دی۔ اہل کوفہ کی ایک جماعت ان کے ساتھ ہوگئی۔ جنہوں نے چن چن کر قاتلانِ حسینؑ سے بدلہ لیا۔

اہل بصرہ بھی شہادت حسینؑ کے اثرات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے لیکن وہ عبیداللہ بن زیاد والئی بصرہ کے خوف سے اپنے جذبات کا اظہار نہیں کر پارہے تھے۔ جب عبیداللہ بن زیاد کو یزید کی موت کی خبر ملی تو اس نے ایک صلوٰۃِ جامع کی منادی کرائی جس میں لوگوں کو یزید کے مرنے کی خبر دی اور اپنے

لئے بیعت حاصل کی۔ لوگوں نے خوف کے عالم میں اس کی بیعت تو کرلی لیکن باہر نکل کر اپنے ہاتھوں کو دیوار سے رگڑا گویا عبیداللہ ابن زیاد کی بیعت کو ہاتھوں سے چھٹا دیا۔ اور کہا کہ ابن مرجانہ یہ سمجھتا ہے کہ ہم اجتماع وافتراق میں اس کے مطیع رہیں گے۔ اُدھر عبیداللہ بن زیاد نے اہل کوفہ کو مطلع کیا کہ اہل بصرہ نے میری بیعتِ خلافت کرلی ہے تم بھی بیعت کرلو۔ اہل کوفہ نے انکار کیا۔ اس انکار کا اثر اہل بصرہ پر بھی پڑا۔ وہ ابن زیاد کی نافرمانی کرنے لگے۔ اسی اثناء میں سلمہ بن ذویب حنظلی بصرہ آیا اور لوگوں کو عبداللہ بن زبیر کی طرف دعوت دینے لگا۔ ابن زیاد شام کی طرف بھاگ گیا۔ لوگوں نے عبداللہ بن حارث بن نوفل بن عبدالمطلب کو بصرہ کا والئی بنالیا۔ یہ واقعہ جمادی الاخر ۶۴ھ کا ہے۔

الغرض مملکتِ اسلامیہ کی سیاسی صورتحال میں زبردست انقلاب برپا تھا۔ ہر طرف افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ اور یہ سب کچھ نتیجہ تھا اس شہادت عظمہ کا جو یوم عاشورہ میدانِ کربلا میں پیش کی گئی۔

واقعہ حُرہ: شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جذب القلوب میں تحریر فرمایا ہے کہ "معاویہ نے مرتے وقت یزید کو وصیت کی تھی کہ اگر تجھے اہل مدینہ کے مقابلہ میں کوئی مہم پیش آئے تو اس کا تدارک اور انتظام مسلم بن عقبہ کو سپرد کرنا کیونکہ اس کام کیلئے اس سے بہتر کوئی دوسرا شخص نہیں ہے۔"[1] چنانچہ جب یزید نے محسوس کیا کہ مدینہ اور مکہ اسکے قبضہ سے نکل رہا ہے تو اپنے باپ کی وصیت کے مطابق مسلم بن عقبہ مری کو جو اپنے ظلم و ستم اور کثرت خونریزی کے باعث "مسرف" کہلاتا تھا مدینۃ الرسول کی تاراجی کیلئے بھیجا اور اسے حکم دیا کہ "اہل مدینہ کا خون تیرے لئے مباح ہے تین دن تک قتل عام کا سلسلہ جاری رکھ، انکا مال اسباب لوٹ لے۔ جو بچ جائیں ان سے اس شرط پر بیعت لے کہ وہ میرے (یزید کے) غلام رہیں گے اور مدینہ کی مہم سر کر کے مکّہ پر بھی دھاوا بول دے اہل مکّہ کو قتل کر کے مکّہ کو تباہ و برباد کردے۔"

[1] بحوالہ تاریخ احمدی ص: ۳۳۲

مورخین نے بیان کیا ہے کہ یزید نے مسلم بن عقبہ کو تاکید کی کہ وہ علیؑ بن حسینؑ سے ہرگز بیعت کا سوال نہ کرے۔

الغرض مسلم بن عقبہ دس ہزار فوج لیکر مدینہ کی جانب روانہ ہوا۔ اور مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر بلندی پہ واقع مقام "حرہ" میں خیمہ زن ہوا۔ ادھر اہل مدینہ بھی مقابلہ کیلئے تیار ہوئے۔ فریقین کا مقابلہ ہوا بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی۔ اہل مدینہ نے زبردست حملہ کیا قریب تھا کہ شامیوں کے پیر اکھڑ جاتے لیکن بنی حارثہ نے غداری کی اور وہ شامیوں سے جا ملے مدینہ میں آباد بنی امیہ بھی شامی لشکر میں چلے گئے۔ آخر کار اہل مدینہ کو شکست ہوئی انکی بہت بڑی تعداد میدان جنگ میں ماری گئی۔ اس جنگ میں بنی ہاشم کے تقریباً نوے افراد کام آئے جن میں سے چند نام یہ ہیں۔ عبداللہ بن جعفر بن ابیطالب، جعفر بن محمد بن علی بن ابیطالب، فضل بن عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب، حمزہ بن عبداللہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب، عباس بن عتبہ بن عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب قتل ہوئے۔

مسلم بن عقبہ فاتحانہ شان وشوکت سے شہر مدینہ میں داخل ہوا۔ قتل عام کا حکم دیا جس کا سلسلہ تین دن تک جاری رہا اور جس میں ہزاروں صحابہ کرام، تابعین، حافظ قرآن اور علماء ومحدثین قتل کئے گئے اہل مدینہ کا مال لوٹ لیا گیا، زنا کو مباح کردیا ہزاروں عورتوں سے بدکاری کے نتیجہ میں ہزاروں ناجائز بچے پیدا ہوئے الغرض مدینہ تباہ و برباد ہوگیا۔ مدینہ والوں میں سے جو زندہ بچ گئے ان سے غلامی کی بیعت لی گئی۔ یہ افسوسناک واقعہ ۲۸ رذی الحجہ ۶۳ھ کو پیش آیا۔[1]

اس موقع پر امام زین العابدینؑ مدینہ میں موجود نہ تھے آپ پہلے ہی اپنے اہلبیت اور خاندان بنی ہاشم کو لیکر مقام "منبع" جو مدینہ کے قریب ہی واقع تھا چلے گئے تھے۔[2] یہ وہی مقام ہے جہاں حضرت علیؑ نے خلافت حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں قیام فرمایا تھا۔[3]

[1] مروج الذہب (عربی) ص: ۷۱ ج: ۳، تاریخ ابوالفدا، ص: ۱۹۲ ج: ۱ تاریخ کامل ص: ۴۹ ج: ۴ [2] الفخری ص: ۸۶، صواعق محرقہ ص: ۱۳۲ [3] تاریخ کامل ص: ۴۵ ج: ۴ [3] عقد الفرید ص: ۲۱۶ ج: ۳

احراق خانہ کعبہ: یزید کی ہدایت کے مطابق مسلم بن عقبہ مدینۃ الرسول کو تاخت وتاراج کرنیکے بعد مکہ پر حملہ کرنے کیلئے اس جانب بڑھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس ظالم وجابر کو مکہ مکرمہ پہنچنے سے پہلے ہی واصل جہنم کردیا۔ اس کی جگہ حصین بن نمیر یزیدی فوج کا سپہ سالار رہوا۔ حصین بن نمیر واقعہ کربلا میں یزیدی فوج کے ایک دستہ کا جرنل تھا۔ حصین نے محرم ۶۴ھ میں مکہ شہر کا محاصرہ کیا۔ کوہ ابوقبیس پر منجنیق نصب کر کے خانہ کعبہ پر آتش بازی اور سنگ باری کرائی۔ جس سے حرم محترم میں آگ لگ گئی اور غلاف کعبہ اور چھت جل گئی۔ حضرت اسماعیلؑ کے فدیہ میں جو مینڈھا ذبح کیا گیا تھا اور جسکے سینگ اس وقت تک کعبہ کی چھت میں لگا ہوا تھا وہ بھی خاکستر ہوگیا۔[1] اور عمارت کو نقصان پہنچا۔ اس محاصرہ کو چالیس دن گذرے تھے کہ یزید کے مرنے کی اطلاع پہنچی۔ یہ خبر ملنے پر یزیدی فوج منتشر ہوئی۔ اہل مکہ نے شامیوں کا تعاقب کیا اور یزیدیوں کو بری طرح ذلیل کیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسرف اور یزید کو دوزخ کا ایندھن بنا کر اپنے گھر کی حفاظت اسی طرح فرمائی جس طرح ماضی میں ابرابہ کے لشکر سے حفاظت فرمائی تھی۔

مرگ یزید: مورخین بیان کرتے ہیں کہ جب سے یزید نے اپنے دربار میں سر حسینؑ کے ساتھ بے ادبی کی تھی اسی وقت سے وہ راتوں کو خوفزدہ اور بے چین رہتا تھا۔ اور ایسی بیماری میں مبتلا تھا جس کی معالج تشخیص نہیں کر پارہے تھے۔ ایک حاذق رومی معالج کوشش کے باوجود اس کے مرض کا پتہ نہ چلا سکے۔ الغرض ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ کو یزید ملعون اپنے تمام تر فسق وفجور کے ساتھ واصل جہنم ہوا۔

امام مسلم نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

''باشندگان مدینہ کو ڈرانے والے کو اللہ تعالیٰ ڈرائے گا اور اس ڈرانے والے پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے''۔[2]

اگرچہ حکومت نے دین کی صدارت حاصل کرنے کی بڑی کوشش کی کبھی انفرادی قیاس کے ذریعہ اور کبھی لوگوں کو فتوے پر مقرر کرکے۔ یزید نے تلوار کے

[1] تاریخ الخلفاء ص: ۲۳۰ [2] ایضا

زور سے امامت لینی چاہی۔ دین کی امامت تو کیا ملتی دنیاوی حکومت بھی خاندان سے رخصت ہوئی اور امامت کی خواہش میں امارت بھی جاتی رہی۔ کربلا نے ایسا سبق پڑھایا کہ پھر کسی بادشاہ کو آئمہ اہلبیت سے بیعت طلب کرنیکی جرات نہ ہوئی۔

یزید کے جانشین: یزید کے مرتے ہی معاویہ بن یزید کی بیعت کر کے اسے حکمران بنادیا گیا اس طرح یزید ثانی شام ومصر کا' عبداللہ بن زبیر حجاز ویمن کا' عبیداللہ بن زیاد عراق کا خلیفہ بن گئے۔ معاویہ بن یزید جیسے یزید ثانی بھی کہا جاتا ہے اس کی کنیت ابولیلیٰ تھی حلیم وسلیم الطبع جوان صالح تھا وہ اپنے خاندان کی خطاؤں اور برائیوں کو نفرت کی نظر سے دیکھتا تھا اور علیؑ واولاد علیؑ کو مستحق خلافت جانتا تھا۔[1] معاویہ بن یزید حکومت سے متنفر تھا اور اس کو قبول کرنے پر ہرگز تیار نہیں تھا مگر بنی امیہ اور ان کے حاشیہ نشینوں نے اس کو تخت پر بٹھادیا اس نے لوگوں کے سامنے ایک طویل تقریر کی جس میں اپنے دادا معاویہ اور باپ یزید کے ظلم واستبداد کے واقعات بیان کرتے ہوئے کہا کہ میرے دادا معاویہ نے اس خلافت کیلئے اس بزرگ سے جنگ وجدل کی جو اس خلافت کیلئے اس سے کہیں زیادہ مستحق تھے اور نہ صرف معاویہ بلکہ دوسرے تمام لوگوں سے افضل تھے اور جن کے فضائل بہت زیادہ تھے۔ ایسے بزرگ سے میرا دادا جس طرح سرکشی پر آمادہ ہوا اس کو تم لوگ خوب جانتے ہو اور میرے دادا کی وجہ سے تم لوگ جس گمراہی میں پڑے اس سے بھی تم لوگ بے خبر نہیں۔

خدا کی قسم اگر خلافت کوئی نفع کی چیز ہے تو میرے باپ نے اس سے نقصان اٹھایا اور گناہ ہی کا ذخیرہ مہیا کیا اور اگر خلافت کوئی اور وبال کی چیز ہے تو میرے باپ کو اس سے جس قدر برائی حاصل ہوئی وہی کافی ہے مجھے تم لوگوں پر حکومت کرنیکی کوئی خواہش نہیں ہے۔ اسکی تقریر کتب تواریخ میں محفوظ ہے۔[2] ہم

[1] تاریخ خمیس ص: ۳۳۲ ج:۲' تاریخ آئمہ ص: ۳۹۱' [2] تحریر الشہادتین ص: ۱۰۲' صواعق محرقہ ص: ۱۳۲'

اس تقریر کو ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن مصری کی کتاب سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

> ''لوگو! میرے دادا امیر معاویہؓ نے اس شخص سے حریفانہ مقابلہ کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ان سے زیادہ خلافت کا مستحق تھا' میرا اشارہ حضرت علیؑ کی طرف ہے تم جانتے ہو انہوں نے سب کچھ تمہارے بل بوتے پر کیا تھا وہ اپنی راہ گئے اور گناہوں کی گٹھڑی قبر میں ساتھ لے گئے ان کی موت کے بعد میرے باپ یزید نے خلافت حاصل کی حالانکہ وہ اس کا اہل نہ تھا' اس نے اپنی نفسانی خواہشات پر عمل کیا لیکن موت نے زیادہ دیر تک اس کا موقع نہ دیا اور بالآخر وہ بھی اپنے گناہوں کی پوٹلی لے کر قبر میں پہنچ گیا۔''

اس کی بعد وہ اتنا رویا کہ دونوں رخسار آنسوؤں سے تر ہوگئے۔ تقریر جاری رکھتے ہوئے مزید کہا:

> ''ہمارے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ یہ احساس ہے کہ انکا انجام بد ہے' انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کے لوگوں کو شہید کیا' حرم میں قتل وخونریزی کی' کعبہ کی بے حرمتی کی اور اسے خراب کیا' میں اس بار خلافت کا متحمل نہیں ہوسکتا' مشورہ کر کے کسی دوسرے کو خلیفہ منتخب کرلو۔'' (مسلمانوں کا نظم مملکت ص: ۲۰)

تقریر ختم کر کے محل میں داخل ہوا۔ اس کے اعزا اس کے دشمن ہوگئے اور اس کو زہر دے دیا۔ تین ماہ بعد اس کی لاش محل سے نکالی گئی۔ بقول مسٹر ذاکر حسین اس خطبہ کے بعد بنی امیہ نے معاویہ بن یزید کو زہر دیکر ہلاک کردیا۔ اس کی عمر اکیس سال تھی اس کی خلافت کا زمانہ چار ماہ یا بروایت دیگر چالیس یوم شمار کیا جاتا ہے۔[1] علامہ جلال الدین سیوطی کا بیان ہے کہ ''معاویہ بن یزید نے سلطنت کا کوئی کام انجام نہیں دیا۔ لوگوں کو نماز بھی نہ پڑھا سکا۔[2]

[1] تاریخ اسلام ص: ۳۸ ج: ۱ [2] تاریخ الخلفاء ص: ۲۳۳'

یزید کی وکالت کرنے والے' اس کے فسق وفجور کی پردہ پوشی کرنے والے' یزید کو رضی اللہ لکھنے و کہنے والے اور اس کی حمایت میں زمین وآسمان کے قلابے ملانے والے اسی یزید کے بیٹے کی یہ تقریر پڑھیں اور غور سے پڑھیں۔ گو کہ معاویہ یزید کا بیٹا تھا لیکن حق کی طرف راغب تھا' حق کی بات کہہ گیا۔ اس نے تخت اقتدار کو ٹھوکر ماردی لیکن تاریخ میں اس کا یہ کارنامہ ہمیشہ اچھی نظر سے دیکھا جائے گا۔

اقتدار کی کشمکش: مرگ یزید اور معاویہ کی دستبرداری کے بعد ایک طرف عبیداللہ ابن زیاد جو بصرہ کا حاکم بن بیٹھا تھا' اہل بصرہ اس کی جان کے دشمن ہوگئے اور آخر کار وہ اپنا تمام سامان اور خزانہ اکٹھا کر کے رات کی تاریکی میں شام کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ اور دوسری طرف شام میں شامیوں اور عربوں میں نزاع پیدا ہوگیا۔ قبیلہ قیس جو بنی امیہ کی حکومت سے بیزار تھا ضحاک بن قیس فہری کی سربراہی میں دمشق کے ایک موضع ''مرج راہط'' کے مقام پر جمع ہوا اور عبداللہ بن زبیر کیلئے بیعت کرلی۔ قبیلہ کلب جو بنی امیہ کا حامی تھا دمشق کے ایک دوسرے موضع ''جابیہ'' کے مقام پر اکٹھا ہوا اس میں دو نظریات کے لوگ تھے ایک فریق چاہتا تھا کہ یزید کے دوسرے بیٹے خالد (جو ابھی کم سن تھا) کو حکمران بنایا جائے اور دوسرا فریق مروان بن حکم کی حکمرانی کا خواستگار تھا۔ کافی بحث وتکرار کے بعد اس امر پر اتفاق ہوا کہ مروان کو اس شرط پر حکمراں بنایا جائے کہ اس کے بعد خالد بن یزید اور عمرو بن عاص بالترتیب حکمران ہوں گے۔ اس طرح دمشق کی حکمرانی مروان بن حکم کو مل گئی جس کا وہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ مروان زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہا ۶۵ھ میں اس کا انتقال ہوگیا مگر موت سے پہلے اس نے اپنے دونوں بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کو جانشین مقرر کر کے خالد بن یزید اور عمرو بن عاص دونوں کو راہ سے ہٹادیا اس طرح بنی امیہ کی سفیانی شاخ کی حکمرانی یزید بن معاویہ پر ختم ہوگئی۔

تحریک انتقام خون حسینؑ: حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد اہل کوفہ امامؑ کی مدد نہ کرنے پر بہت زیادہ پشیمان تھے ان کے ضمیر کی چبھن انہیں چین

نہیں لینے دے رہی تھی۔ وہ حسینؑ اور اصحابِ حسینؑ کے قاتلین سے انتقام لینا چاہتے تھے مگر غیر منظم ہونے کے باعث مجبور تھے۔ آخر کار انہیں سلیمان بن صرد خزاعی جیسے رہنما مل گئے جنہوں نے اہل کوفہ کو متحد و منظم کیا۔

سلیمان خزاعی: سلیمان صحابی رسولؐ تھے قبل از اسلام انکا نام یسار تھا سرورِ کونینؐ نے ان کا نام سلیمان رکھا ان کی کنیت ابومُطرف تھی۔ یہ حضرت علیؑ کے پرجوش حامیوں میں سے تھے۔ شیرِ خدا کے ہمراہ متعدد جنگوں میں شجاعت کے جوہر دکھا چکے تھے حضرت علیؑ کے بعد حضرت امام حسنؑ اور ان کے بعد حضرت امام حسینؑ کے وفاداروں میں شمار ہوتے تھے۔ سلیمان بڑے جری و بہادر تھے اور اپنے زہد و تقویٰ کے باعث قوم میں ممتاز و باثر تھے۔ سانحہ کربلا کے وقت ابن زیاد نے تقریباً ساڑھے چار ہزار محبانِ اہلبیت کو حراست میں رکھا ہوا تھا جن میں سلیمان جیسی باثر شخصیتیں بھی شامل تھیں۔ سانحہ کربلا کے بعد جب یہ آزاد ہوئے تو ان کی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ کسی طرح قاتلانِ حسینؑ سے انتقام لیں۔ سلیمان نے جب انتقامِ حسینؑ کا نعرہ بلند کیا تو لوگ جوق در جوق ان کے گرد جمع ہوگئے۔ کم و بیش سولہ ہزار افراد نے کتاب اللہؐ سنت رسول اللہؐ اور انتقام حسینؑ پر سلیمان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

ربیع الثانی ۶۵ھ کا چاند دیکھ کر سلیمان نے اعلان عام کیا کہ "لوگو! جس کو رضائے الٰہی اور روزِ آخرت کی بہتری مطلوب ہو وہ حسینؑ کا انتقام لینے کیلئے نکلے" ہر طرف سے آوازیں آئیں کہ "اے ابومطرف ہم آپ کے ساتھ ہیں۔" کچھ لوگوں نے مشورہ دیا کہ قاتلین حسینؑ کی اکثریت کوفہ میں موجود ہے پہلے ان سے نمٹ لیا جائے لیکن سلیمان نے کہا کہ "قاتلوں کا سردار ابن زیاد ہے جب تک ہم اُسے کیفر کردار تک نہ پہنچالیں دوسری طرف متوجہ نہ ہوں گے" پھر وہ چار ہزار کی جماعت کے ساتھ کوفہ سے نکلے۔ میدانِ کربلا میں پہنچے۔ سید الشہداءؑ کے روضہ پر حاضری دی اور نہایت دل سوزی سے گریہ وزاری کی اور ہر ایک رو رو کر کہتا

تھا کہ "اے فرزند رسولؐ آپ پر اور آپ کے ساتھیوں پر اللہ کی رحمت ہو۔" ایک رات اور ایک دن گریہ و ماتم کے بعد کوچ کیا۔ ۲۱ رجمادی الثانی ۶۵ھ کو "عین الوردہ" کے مقام پر پہنچے۔ ابن زیاد نے شرجیل بن کلاع کو مقابلہ کے لئے بھیجا۔ اہل کوفہ نہایت بے جگری سے لڑے اور شرجیل کو شکست دی۔ ابنِ زیاد نے بارہ ہزار کا ایک اور لشکر حصین بن نمیر کی سرکردگی میں روانہ کیا اور دوسرے دن آٹھ ہزار کی کمک ذی الکلاع کی کمان میں روانہ کی۔ ایک طرف بیس ہزار شامی لشکر اور دوسری طرف صرف چار ہزار کوفہ کے باشندے تھے۔ مقابلے سے قبل سلیمان بن صرد نے مسیب بن نخبہ، عبداللہ بن سعد، عبداللہ بن وال اور رفاعہ کو بالترتیب اپنا جانشین مقرر کیا۔ مقابلہ ہوا ایسی گھمسان کی جنگ ہوئی کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے سلیمان اور ان کے ساتھیوں نے شجاعت و جوانمردی کا مظاہرہ کیا۔ دو دن تک لڑائی کا فیصلہ نہ ہوسکا۔ تیسرے دن شامیوں کی مدد کیلئے ایک ہزار کا لشکر اوہم باہلی کی زیر کمان اور آ گیا ادھر سلیمان کے ساتھیوں کی تعداد دو دن کی لڑائی میں بہت کم ہوگئی تھی لیکن وہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرا رہے تھے۔ سلیمان بوڑھے شیر کی طرح جس طرف حملہ کرتے صفوں کو الٹ پلٹ کر دیتے۔ آخر کار شامیوں نے انہیں گھیر لیا اور ہر طرف سے تلواروں کی بوچھاڑ کردی سلیمان زخموں سے چور ہو کر گرے اس وقت ان کی زبان پر تھا کہ "ربِ کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوا" شہادت کے وقت ان کی عمر ترانوے (۹۳) برس کی تھی۔ شامیوں نے ان کا سر کاٹ کر عبدالملک کے پاس بھیج دیا۔ ان کے باقی ماندہ ساتھی رات کی تاریکی میں بچتے بچاتے کوفہ پہنچے اور حادثہ کی اطلاع دی۔

مختار ثقفی: سلیمان بن صرد کی شہادت کے بعد اس تحریک کی رہنمائی مختار بن ابوعبید ثقفی نے سنبھالی۔ مختار کی والدہ کا نام "حلیہ" تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جس روز آنحضرتؐ جنگِ تبوک کیلئے تشریف لے گئے تھے مختار اسی دن پیدا ہوئے تھے۔ پیدائش کے تین ماہ بعد ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ مختار کی پرورش ان کے چچا سعد

بن مسعود ثقفی نے کی۔ جب امام حسنؑ زخمی ہو کر سعد کے گھر قیام پذیر ہوئے تو مختار نے امامؑ کی بڑی خدمت کی۔ جب حضرت مسلم نے کوفہ میں بیعت لینی شروع کی تو مختار پہلے شخص تھے جنہوں نے بیعت کی۔ جس وقت حضرت مسلم کی کوفہ میں جنگ ہوئی اس وقت مختار کوفہ میں موجود نہ تھے۔ خبر ملتے ہی کوفہ کی جانب چل پڑے لیکن ان کے وہاں پہنچنے سے قبل ہی حضرت مسلم شہید ہوچکے تھے۔ کوفہ پہنچنے پر ابن زیاد نے مختار کو قید کردیا۔ یہاں تک کہ کربلا کے میدان میں فرزندِ رسولؐ معہ اعزاء و اصحاب شہید کردیئے گئے اور اہلبیت رسولؐ قیدی بنالئے گئے۔ ایک عرصہ بعد عبداللہ بن عمر (جو کہ مختار کی بہن صفیہ کے شوہر تھے) کی سفارش پر یزید بن معاویہ نے مختار کی رہائی کا حکم دیا۔ مختار قید سے رہا ہو کر مدینہ چلے گئے کچھ عرصہ بہن اور بہنوئی کے پاس قیام کیا اسکے بعد مکہ چلے گئے جب حصین بن نمیر نے مکہ پر حملہ کیا تو مختار نے عبداللہ بن زبیر کی حمایت میں یزیدیوں سے جنگ کی۔ پانچ ماہ مکہ میں قیام کے بعد کوفہ لوٹ آئے اور وہاں انتقامِ خونِ حسینؑ کی تحریک سے منسلک ہوگئے۔ عامل کوفہ عبداللہ بن یزید انصاری نے مختار کو دوبارہ قید کردیا لیکن کچھ عرصہ بعد اسے رہا کرنا پڑا۔ رہائی کے بعد مختار اپنی تحریک میں ہمہ تن مشغول ہوگئے اور سلیمان بن صرد کی شہادت کے بعد مختار اس تحریک کی روحِ رواں ہوئے۔ عبداللہ بن مطیع کوفہ کا گورنر ہوا تو اس نے اس تحریک کو دبانے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اسی اثناء میں مالک اشتر کے بیٹے ابراہیم جو کوفہ کے نامور باثر رئیس اور محبِ اہلبیت تھے اس تحریک میں شامل ہوگئے جس کے باعث یہ تحریک بہت زور پکڑ گئی۔

تحریک کی پہلی کامیابی: جب والئی کوفہ کو ابراہیم کی شمولیت کا علم ہوا تو اس نے دوسرے ہی دن یعنی ۱۴ ربیع الاوّل ۶۶ھ کو شہر کوفہ کی ناکہ بندی کردی۔ ادھر مختار نے حالات کے پیشِ نظر اپنے حامیوں کو فوراً طلب کیا ابراہیم بھی مختار کے بلاوے پر گھر سے نکلے سو آدمی ان کے ہمراہ تھے۔ راستے میں سرکاری فوج نے

انہیں روکا فریقین میں جنگ ہوئی ابراہیم سرکاری فوج کا گھیرا توڑ کر نکل گئے اور جنگ کے دوران سرکاری فوج کا افسر ایاس بن مضارب مارا گیا جب ابراہیم مختار کے گھر پہنچے تو وہاں پہلے ہی سے ہزاروں آدمی جمع تھے تھوڑی ہی دیر میں گورنر کوفہ عبداللہ بن مطیع فوج لے کر وہاں آ گیا جسکے نتیجے میں جنگ چھڑ گئی مختار اور ابراہیم نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا گھمسان کی جنگ ہوئی اور عبداللہ بن مطیع کو شکست ہوئی وہ دار الامارہ میں محصور ہوگیا تین دن محصور رہنے کے بعد اس نے ہتھیار ڈال دیئے اور امان طلب کی جسے مختار نے منظور کیا۔ عبداللہ بصرہ چلا گیا اب مختار ثقفی مکمل طور پر کوفہ کے مختار کل ہوگئے اس کے بعد مختار نے عراق کے دوسرے شہروں میں اپنے عمال بھیجے۔ بصرہ کے علاوہ ہر شہر ان کا مطیع ہوگیا عراق پر قبضہ ہونے کے بعد مختار نے اپنے اصل مقصد کی طرف توجہ دی قاتلانِ حسینؑ میں ابن زیاد کا نام سرفہرست تھا جو اس وقت موصل کا گورنر تھا۔ مختار نے یزید بن انس کو تین ہزار سوار دے کر، ابن زیاد کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا ابن زیاد نے ربیعہ غنوی کو مقابلے کیلئے بھیجا۔ ۹ رذی الحجہ ۶۶ھ کو بابل کے مقام پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ شامی لشکر کو بُری طرح شکست ہوئی اور ربیعہ میدانِ جنگ میں مارا گیا۔ ابن زیاد نے ایک اور لشکر عبداللہ بن ختمی کی سرکردگی میں روانہ کیا اسے بھی شکست فاش ہوئی۔ یزید بن انس کچھ عرصہ بیمار رہ کر رحلت کر گیا اور وقار بن عازب کو اپنی جگہ امیر مقرر کر گیا۔ شامی فوجوں کی پے در پے شکست کے باعث ابن زیاد خود ایک لشکر کثیر کیساتھ مقابلے کیلئے نکلا۔ مختار نے ابراہیم بن مالک اشتر کو وقار کی مدد کیلئے روانہ کیا۔ ابراہیم کے کوفہ سے نکلتے ہی کوفہ میں مقیم قاتلانِ حسینؑ کو موقع مل گیا انہوں نے شبعث بن ربعی کی قیادت میں مختار کے خلاف بغاوت کردی اور قصر الامارہ کو گھیر لیا مختار نے ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعہ ابراہیم کو حالات کی اطلاع دی اور تاکید کی کہ وہ فوراً کوفہ لوٹ آئے۔ ابراہیم اطلاع ملتے ہی انتہائی تیز رفتاری سے کوفہ پہنچا کہ باغی حیران رہ گئے۔ مختار اور ابراہیم نے مل کر باغیوں کو شکست دی۔ اس لڑائی کو جنگ "سبیع" کہتے ہیں۔

قاتلانِ حسینؑ کا انجام: اس کے بعد مختار نے قاتلانِ حسینؑ کو تہہ تیغ کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ پہلے ان تمام افراد کی فہرست بنوائی جو ابن زیاد کے لشکر میں شامل تھے اور قتل حسینؑ سے ان کا کسی نہ کسی رنگ میں تعلق تھا۔ پھر اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ ان خبیثوں کو گرفتار کرکے میرے سامنے پیش کرو۔ اب کیا تھا کوفہ کے گلی کوچے "قصاص حسینؑ" کی صداسے گونجنے لگے۔ مختار کے حاجب ابوعمر اور عبداللہ کامل نے قاتلانِ حسینؑ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا۔ گروہ کے گروہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے مختار کے سامنے پیش کئے گئے۔ ان کی صورتیں دیکھ کر مختار کا چہرہ سرخ ہوگیا مختار غصہ سے اور قیدی خوف سے کانپ رہے تھے۔ جب قیدیوں نے موت کو اپنے سامنے دیکھا تو رو رو کر مختار سے کہا کہ "ہم عمرو ابن سعد اور عبیداللہ ابن زیاد کے حکم سے مجبور تھے" مختار نے جواب دیا کہ "میں خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم سے مجبور ہوں۔" مختار نے جلاد کو حکم دیا کہ انہیں سسکا سسکا کر قتل کرے۔ حکم کی تعمیل ہوئی یکہ بعد دیگرے کئی گروہ قتل کئے گئے۔

مختار ان کے سرغنوں کو دیکھنا چاہتا تھا لیکن وہ روپوش ہوگئے تھے ان میں سے کوئی گرفتار نہیں ہوا تھا لہٰذا اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ جس طرح بھی ہو ابن سعد، شمر، خولی اور حرملہ وغیرہ کو زندہ گرفتار کرکے لاؤ مختار کے آدمیوں نے شہر کا کونہ کونہ چھان مارا اور بڑی کوشش کے بعد شمر کو ایک تہہ خانہ سے عمر ابن سعد کو پہاڑ کی کھوہ سے اور خولی کو جنگل سے پکڑ کر لائے۔ عمر ابن سعد کو اپنے سامنے دیکھ کر مختار کو علی اکبر یاد آگئے اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ اس نے حکم دیا کہ ابن سعد کے بیٹے حفص کو پیش کرو جب وہ لایا گیا تو مختار نے ابن سعد سے کہا تو نے حسینؑ کی نگاہوں کے سامنے ان کے بیٹے علی اکبر کو شہید کرایا تھا میں تیرے سامنے تیرے بیٹے کو قتل کراؤں گا۔ مختار نے حکم دیا اور حفص کا سر قلم کردیا گیا ابن سعد بہت رویا پیٹا۔ مختار کا اشارہ پاتے ہی عمر ابن سعد کا بھی کام تمام کیا اور حسب قاعدہ ان دونوں کے ناموں کی پرچی ان کے کانوں میں ٹھونس دی گئی۔

شمر کو بھوکا پیاسا رکھا گیا اسکے بعد جب مختار کے سامنے لائے تو اس نے کہا "تو ہی وہ جفا کار ہے جس نے جگر گوشہ بتولؑ کی شان میں گستاخی کی۔" شمر خوف سے کانپنے لگا وہ اس وقت بہت زیادہ پیاسا تھا اس نے مختار سے درخواست کی کہ اسے تھوڑا سا پانی پلا دے۔ مختار نے کہا "اے ملعون وہ وقت یاد کر جب تم لوگوں نے اہلبیت رسولؐ کے چھوٹے چھوٹے بچوں اور سیدانیوں تک کو تین شب و روز پانی نہیں دیا تھا۔" اس کے بعد مختار نے اس سے کہا کہ اپنا وہ ہاتھ اٹھائے جس سے تو نے امام عالیمقامؑ کی گردن پر خنجر پھیرا تھا۔ شمر نے ہاتھ اٹھانے میں تذبذب کیا تو مختار نے اپنی تلوار سے اس کا ایک ہاتھ قلم کردیا۔ اور جلاد کو اشارہ کیا جلاد نے شمر کا سر تن سے جدا کردیا اور اس کے نام کی پرچی اس کے کان میں ڈال دی گئی۔

اسی اثناء میں حرملہ بن کاہل گرفتار کرکے لایا گیا حرملہ کو دیکھتے ہی مختار کو علی اصغر کا خیال آیا اس نے فوراً حکم دیا کہ "اس ملعون کے گلے پر تیروں کی بارش کرو" حرملہ کو رسیوں سے جکڑ کر اس کے گلے کو تیروں سے چھید دیا گیا یہاں تک کہ وہ جہنم واصل ہوا۔

حرملہ کے بعد خولی کو مختار کے سامنے پیش کیا گیا۔ مختار نے حکم دیا کہ اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے جائیں جب اس کے ہاتھ کٹ گئے تو دونوں پیر کاٹنے کا حکم دیا۔ جب پیر بھی کٹ گئے تو اس کا دھڑ باہر پھنکوا دیا۔

الغرض اب کوفہ میں ایک متنفس بھی ایسا نہ بچا تھا جس نے میدانِ کربلا میں حضرت امام حسینؑ کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا البتہ چند افراد چھپ چھپا کر کسی نہ کسی طرح بصرہ یا موصل پہنچ گئے تھے وہ باقی تھے اور ان کا سربراہ ابن زیاد بھی بچا ہوا تھا لہٰذا مختار نے ۲۲ر ذی الحجہ ۶۶ھ کو ابراہیم بن مالک اشتر کو ابن زیاد کی سرزنش کیلئے روانہ کیا ابن زیاد بھی ایک عظیم لشکر کیساتھ موصل سے نکلا۔ صوبہ جزیرہ میں نہر خازر کے کنارے فوجوں کا ۔۔۔ ہوا۔ شامی لشکر تعداد میں بہت زیادہ تھا لیکن ابراہیم اور ان کیساتھ بڑی بے جگری سے لڑے یہاں تک کہ شریک بن جدیر تغلبی نے حصین بن نمیر کو اور ابراہیم نے ابن زیاد کو جہنم واصل کیا۔ شامی فوج بدحواسی کے

عالم میں بھاگی تو ان کی بہت بڑی تعداد نہر خازر میں ڈوب کر ہلاک ہوگئی ابن زیاد کا سر قلم کرکے مختار کے پاس بھیج دیا گیا اور جسم کو نذرِ آتش کردیا گیا۔ مختار نے جب ابن زیاد کے سر کو دیکھا تو بے اختیار سجدۂ شکر میں گر پڑا۔ اس کے بعد لوگوں سے مخاطب ہوکر کہا "آج اللہ نے ہمارے کلیجے ٹھنڈے کردیئے۔ شہدائے کربلا کے تمام چھوٹے بڑے قاتل جہنم واصل ہوگئے۔ اللہ نے ان کو عبرتناک سزا دی۔"

شہدائے کربلا کے جو قاتل کسی بھی طرح مختار کے ہاتھوں بچ گئے ان کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے دردناک عذابوں میں مبتلا کردیا۔ کوئی اندھا ہوگیا تو کوئی کوڑھی، کسی کے بدن میں پیپ پڑگئی، تو کسی کے بدن میں کیڑے پڑ گئے اور وہ اسی طرح عذاب الٰہی برداشت کرتے ہوئے راہیٔ جہنم ہوئے۔

دیگر والیانِ حکومت: یزید بن معاویہ اور معاویہ بن یزید کی موت کے بعد حضرت امام زین العابدینؑ کو جن ظالم و جابر حکمرانوں کا سامنا کرنا پڑا ان میں مروان بن حکم، عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک تھے۔ گو کہ امام زین العابدینؑ نے کربلا و دمشق سے واپسی کے بعد مدینہ ہی میں قیام فرمایا اور تمام سیاسی اکھاڑ بچھاڑ سے اپنے آپ کو علیحدہ رکھا۔ آپ عبادت الٰہی اور خدمت دینی میں مصروف رہتے تھے اس کے باوجود ہر حکمران آپ کی طرف سے خائف رہتا تھا۔

معاویہ بن یزید کی حکومت سے دستبرداری کے بعد مروان بن حکم نے دمشق کی حکومت پر قبضہ کرلیا جبکہ عبداللہ بن زبیر اپنی نیرنگیوں سے حجاز و یمن پر قابض ہوئے اور مصر و شام پر اقتدار حاصل کرنے کیلئے کوشاں رہے۔ بصرہ و کوفہ پر عبیداللہ بن زیاد قابض ہوا مروان ایک سال بھی اپنی حکومت کا پورا نہ کر پایا تھا کہ ۶۵ھ میں موت کے پھندے میں گرفتار ہوگیا۔[1] اسکے بعد اس کا بیٹا عبدالملک برسر اقتدار ہوا اور اپنی حکومت کی جڑیں مستحکم و مضبوط بنانے میں لگ گیا۔ اس نے ۷۳ھ میں حجاج بن یوسف کو کثیر فوج کیساتھ مکہ پر حملہ کرنے کو بھیجا جس نے مکّہ کا محاصرہ کرکے عبداللہ بن زبیر کو قید کیا اور قتل کرادیا۔

[1] تاریخ الخلفاء ص: ۲۱۲

عبدالملک ایک بے رحم، بخیل و ستمگر آدمی تھا۔ عبداللہ بن زبیر کو قتل کرنے کے بعد ایک دن خطبہ کے دوران لوگوں سے کہنے لگا۔ "اگر کوئی مجھے تقویٰ و پرہیزگاری کی دعوت دے گا تو میں اسے قتل کرڈالوں گا۔[1] یہ تھے وہ حکمران جو رسول خداؐ کے خلیفہ ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔

عبدالملک ہی نے اپنے دور حکومت میں حجاج بن یوسف ثقفی کو بصرہ اور کوفہ کا والی مقرر کیا تھا جس نے خونریزی، درندگی، قتل و غارت، لوٹ مار اور عفت دری کے ذریعہ لوگوں کو طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا کیا۔ خاص طور پر شیعان علی کو تو چن چن کر بے جرم و خطا قتل کیا۔ بچوں کو یتیم اور عورتوں کو بیوہ کرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ اس ظالم و جابر نے ایک مختصر مدت میں ایک لاکھ بیس ہزار بے گناہوں کو قتل کرڈالا۔[2]

عبدالملک ہمیشہ حضرت امام زین العابدینؑ پر کڑی نظر رکھتا تھا اور تلاش میں رہتا تھا کہ آپ کے خلاف کوئی ذرا سا بھی بہانہ ہاتھ آجائے تو آپ کو مصیبت میں مبتلا کرے۔ ایک مرتبہ امامؑ نے اپنی آزاد کردہ کنیز سے عقد فرمایا تو خبر ملنے پر اس نے اس امر کی بھی باز پرس کی۔ اور ایک مرتبہ امامؑ کی توہین کی خاطر آپ کو شام طلب کیا طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں۔ پھر مدینہ واپس کردیا۔[3]

یہ ظالم بادشاہ ۸۶ھ میں مرگیا جس کے بعد اس کا بیٹا ولید حکمران بنا یہ بھی ظلم و ستم میں آباء و اجداد کے نقش قدم پر گامزن تھا۔ ولید نے مسندِ حکومت پر بیٹھنے کے بعد جو پہلا خطبہ دیا اس میں کہا "جو شخص ہماری مخالفت کریگا اس کی سزا قتل و غارت ہے اور جو شخص خاموشی اور سکوت کی زندگی بسر کرنا چاہے گا تو خاموشی اور سکوت اس کی موت کا سبب بنے گی۔"[4]

ولید نے اپنے اس قول کو سچ کردکھایا۔ حضرت امام علی زین العابدینؑ جو انتہائی خاموش زندگی گذار رہے تھے انھیں اس ظالم بادشاہ مسموم کرکے قتل

[1] تاریخ کامل ص: ۵۲۱ ج: ۴ [2] ایضاً ص: ۵۸۷ ج: ۴ [3] کافی ص: ۳۳۳
[4] طبری ص: ۱۱۷۸ ج: ۸ مطبوعہ لندن

کرادیا۔ جیسا کہ مولانا عبیداللہ امرتسری نے تحریر کیا ہے کہ: قال ابن الصباغ المالکی المکی مات مسموما وان الذی سمه الولیدبن عبدالملک "یعنی ابن صباغ مالکی مکی کہتے ہیں کہ آپ کا انتقال زہر سے ہوا ہے اور بہ تحقیق ولید بن عبدالملک نے آپ کو زہر دیا تھا۔[1]

الغرض سیدالشہداء حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا واقعہ تاریخ اسلام میں ہمیشہ خون آلود حروف سے لکھا گیا اور اشکبار آنکھوں سے پڑھا گیا۔ اس درد انگیز واقعہ اور ماتم خیز حادثہ کے اندر شریعت اسلامی کی بے شمار بصیرتیں مضمر ہیں۔ جب بھی پڑھا جائے نئی راہیں اور نئی منزل بھائی دیتی ہیں۔

۱۔ ارجح المطالب ص: ۴۴۹، نورالابصار ص: ۱۴۹، صواعق محرقہ ص: ۱۲۰، مناقب شہرآشوب ص: ۳۱۱ ج: ۳

فضائل ومناقب

حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام سلسلہ امامت کے دوسرے علی تھے جو صورت وسیرت، کردار وگفتار، زہد وتقویٰ، عبادت وریاضت صبر واستقلال، ضیافت ومہمان نوازی، فقراء وغربا پروری الغرض ہر اعتبار سے پہلے علی یعنی حضرت علیؑ بن ابی طالب کے مشابہ تھے۔ طبقات ابن سعد کے حوالے سے علامہ سبط ابن جوزی نے تحریر کیا ہے کہ "علی بن حسینؑ قابل وثوق، مامون، کثیرالحدیث، بلند مرتبہ، رفیع القدر، پرہیزگار، عابد اور خوف خدا رکھنے والے تھے۔[1] کربلا کے جانکاہ واقعہ اور دمشق کے قید خانہ سے رہائی پاکر مدینہ میں آمد کے بعد حضرت امام زین العابدینؑ نے اپنی تمام تر توجہ عبادت وبندگی، دعاء ومناجات، تبلیغ دین وتعلیم اسلامی اور غربا پروری ومہمان نوازی پر مرکوز رکھی۔ آپ تمام سیاسی ہنگامہ آرائیوں سے بالکل الگ تھلگ رہے۔

عبادت وبندگی: حضرت امام علی بن حسین علیہ السلام کی کثرت عبادت کا یہ عالم تھا کہ آپ کا لقب زین العابدینؑ پڑ گیا اور یہ لقب اتنا مشہور ومقبول ہوا کہ نام کی جگہ استعمال ہونے لگا۔ آپ قائم اللیل اور صائم النہار یعنی راتوں کو نماز پڑھتے اور دن میں روزے رکھتے تھے۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ شب وروز میں ایک ہزار رکعات نماز ادا کرتے تھے۔[2] وقت نماز آپ کے جسم میں لرزہ طاری رہتا تھا اور جب وضوع فرماتے تو چہرے مبارک کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا۔ لوگ اس کا

۱۔ تذکرۃ الخواص ص: ۳۸۳، ۲۔ تاریخ احمدی ص: ۳۲۹، صواعق محرقہ ج: ۱۱۹

سبب دریافت کرتے تو آپ فرماتے "کیا تم نہیں جانتے کہ میں کس قادر مطلق کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہوں اور کس سے مناجات کرتا ہوں۔"[1] امام زین العابدینؑ کا لقب "ذوالثفنات" اس وجہ سے ہوا کہ کثرت عبادت سے آپ کے موضع سجود مانند زانوئے شتر کے سخت ہوگئے تھے۔[2] آپ جب کسی نعمت خداوندی کا ذکر کرتے یا کسی مصیبت سے نجات پاتے تو بارگاہ الٰہی میں سجدۂ شکر بجالاتے اسی وجہ سے آپ کا لقب "سجاد" یعنی کثرت سے سجدے کرنے والا اور چونکہ آپ سے زیادہ سجدے کرنے والا کوئی نہ تھا اسلئے آپ کا ایک لقب "سیدالساجدین" یعنی سجدے کرنے والوں کا سردار بھی مشہور ہوا۔

امام زین العابدینؑ جب قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تو لوگ آپ کے گرد جمع ہوجاتے اور اس قدر محویت کے عالم میں آپ کی تلاوت سنتے کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ ہوتی۔ آپ پاپیادہ حج کرتے نہ آپ کے پاس سواری ہوتی نہ زادراہ۔ عام طور سے یہ سفر بیس روز میں تنہا طے کرتے تھے۔ کنزالعمال میں امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ امام زین العابدینؑ اذان میں "حی علی الفلاح" کے بعد "حی علیٰ خیرالعمل" بھی کہتے تھے اور فرماتے کہ "اذان سابق یہی ہے"۔[3] علامہ دمیری نے ابن عساکر کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ دمشق میں ایک مسجد جامع آپ کے نام سے موسوم ہے۔[4]

آپ کا مطمع نظر معبود کی عبادت اور خالق کی معرفت میں استغراق کامل تھا۔ آپ عبادت کی اس منزل پر فائز تھے جس پر کوئی بھی فائز نہیں ہوا۔[5] آپ کی محویتِ عبادت کی بابت ایک روایت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے مکان میں آگ لگ گئی اس وقت آپ محو عبادت تھے لوگوں نے آگ آگ کا شور کیا لیکن آپ بلاتردد عبادت میں مشغول رہے حتیٰ کہ آگ بجھ گئی۔

۱۔ تاریخ احمدی ص: ۳۲۹، مطالب السئول ص: ۲۶۲، تذکرۃ الخواص ص: ۳۸۵
۲۔ تاریخ احمدی ص: ۳۳۰، کشف الغمہ ص: ۹۰، ۳۔ تاریخ احمدی ص: ۳۳۰
۴۔ حیاۃ الحیوان ص: ۱۳۱، ۵۔ دمعہ ساکبہ ص: ۴۳۹

جب آپ عبادت سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے کہا فرزند رسول آپ کے مکان میں آگ لگی اور آپ نے کوئی پرواہ نہیں کی آپ نے فرمایا "میں آخرت کی آگ بجھانے میں مصروف رہا۔"[1]

علم واخلاق: امام زہری اور امام مالک کا متفقہ فیصلہ ہے کہ امام زین العابدینؑ بڑے متقی، عابد، زاہد تھے ان سے بڑھ کر علم دین کا عالم نہیں پایا اور وہ پوشیدہ طور پر صدقہ دیا کرتے تھے۔[2] حلیۃ الاولیا میں ابوحازم کا بیان منقول ہے کہ امام زین العابدین سے بڑھ کر فقیہہ اور صاحب ورع وتقویٰ کسی کو نہیں دیکھا۔ یحییٰ عامری نے "ریاض مستطابہ" میں لکھا ہے کہ "امام زین العابدینؑ کی ذات والا صفات پر علم وعبادت کا خاتمہ تھا۔[3] آپ شب وروز میں اتنی دعائیں پڑھتے تھے کہ ایک مشترکہ جماعت بھی اتنی دعائیں نہیں پڑھ سکتی"۔[4]

کتاب "صحیفہ کاملہ" حضرت علی زین العابدینؑ کی دعاوں کا مجموعہ ہے اس میں بے شمار علوم وفنون کے جوہر موجود ہیں۔ یہ پہلی صدی کی تصنیف ہے۔[5] اس کتاب کو علمائے اسلام نے زبور آل محمد اور انجیل اہلبیت کہا ہے۔[6] اسکی فصاحت وبلاغت معانی کو دیکھ کر اس کتاب کو صحف سماویہ اور صحف لوحیہ کا درجہ دیا گیا ہے۔[7]

کتب تاریخ میں آپ کے حلم واخلاق سے متعلق بہت سے واقعات تحریر کئے گئے ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

شیخ مفیدؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ زید بن اسامہ بستر مرگ پر زندگی کے آخری لمحات طے کر رہے تھے۔ امام زین العابدینؑ عیادت کیلئے تشریف لے گئے اور سرہانے جاکر بیٹھ گئے۔ زید کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے امام نے رونے کی وجہ دریافت فرمائی۔ زید نے بتایا کہ وہ پندرہ ہزار دینار کے مقروض ہیں اور

۱۔ تذکرۃ الخواص ص: ۳۸۵، شواہد النبوۃ ص: ۱۷۷، ۲۔ بحوالہ تاریخ احمدی ص: ۳۲۹
۳۔ ایضاً ص: ۳۳۰، ۴۔ رسول اور اہلبیت رسول ص: ۹۳ ج: ۲، ۵۔ معالم العلماء، ص: ۱
۶۔ ینابیع المودۃ ص: ۴۹۹، ۷۔ ریاض السالکین ص: ۱

قرض ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ امام نے فرمایا رونے اور گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ تمہارا سارا قرض میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ بعد میں امامؑ نے زید کا پورا قرض ادا فرمایا۔ [1]

علامہ دمیری کا بیان ہے کہ ایک شامی حضرت علیؑ کو سب و شتم کر رہا تھا۔ امام زین العابدینؑ نے اس سے فرمایا" بھائی تم مسافر معلوم ہوتے ہو، آؤ میرے ساتھ چلو، میرے یہاں قیام کرو اور جو حاجت رکھتے ہو بتاؤ تا کہ میں پوری کروں۔" وہ شرمندہ ہوکر چلا گیا۔ [2]

شیخ مفیدؒ نے ایک اور واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ حضرت علی زین العابدینؑ اپنے اصحاب کے درمیان تشریف فرما تھے۔ ایک شخص حاضر ہوا۔ آتے ہی امامؑ کو برا بھلا کہا اور واپس چلا گیا۔ کچھ دیر بعد امامؑ اپنے اصحاب کے ہمراہ اس کے گھر جانے کیلئے روانہ ہوئے۔ راستے میں آپ سورہ آلعمران کی آیت: ۱۳۴ کی تلاوت فرمارہے تھے جس کا ترجمہ ہے کہ" مومنین وہ ہیں جو غصہ کو روک لیتے ہیں اور لوگوں کو معاف کردیا کرتے ہیں۔ اور خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔" آپ اس کے گھر پہنچے اپنی آمد کی اطلاع کرائی۔ وہ شخص یہ سمجھا کہ امامؑ لڑنے کیلئے آئے ہیں لہٰذا وہ جنگ کیلئے آمادہ ہوکر گھر سے نکلا۔ آپ نے اسے مخاطب کرکے فرمایا" بھائی! تھوڑی دیر پہلے تم میرے پاس آئے تھے اور کچھ کہہ رہے تھے۔ جو کچھ تم نے کہا اگر وہ سچ ہے تو خدا مجھے معاف فرمائے اور اگر وہ چیزیں مجھ میں نہیں پائی جاتیں تو میں تیرے لئے بارگاہ خداوندی میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تجھے معاف کرے۔" امام کا کلام سن کر وہ شخص بہت شرمندہ ہوا۔ امام کی پیشانی مبارک کا بوسہ لیا اور کہا" جو کچھ میں نے کہا اس کا شائبہ بھی آپ کی ذات والا صفات میں نہیں پایا جاتا بلکہ صحیح معنوں میں اس کا حق دار میں خود ہوں۔" [3]

[1] الارشاد ص: ۲۳۲ [2] حیوۃ الحیوان ص: ۱۲۱ [3] الارشاد ص: ۲۴۰ تذکرۃ الخواص ص: ۲۸۵ مطالب السئول ص: ۲۶۷

علامہ طبرسی نے ایک واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے امام زین العابدینؑ سے کہا کہ فلاں شخص آپ کو گمراہ اور بدعتی کہتا ہے۔ آپ نے فرمایا "افسوس ہے کہ تم نے اس کی ہمنشینی اور دوستی کا کوئی خیال نہیں کیا اور اس کی برائی مجھ سے بیان کردی۔ دیکھو یہ غیبت ہے' اب ایسا کبھی نہ کرنا۔ [1]

اس قسم کی متعدد روایتیں علماء و مورخین نے تحریر کی ہیں۔ مثلاً علامہ ابن حجر مکی نے صوائق محرقہ ص: ۱۲۰ میں' علامہ دمیری نے حیواۃ الحیوان ص: ۱۲۱ ج: ۱ میں' علامہ طبرسی نے احتجاج طبری ص: ۳۰۴ میں' علامہ شبلنجی نے نوالابصار ص: ۱۲۶ میں' علامہ محمد ابن طلحہ شافعی نے مطالب السئول ص: ۲۶۷ میں وغیرہ وغیرہ۔

غربا پروری: حافظ ابو نعیم نے "حلیۃ الاولیاء" میں شیبہ بن نعمان سے روایت کی ہے جسے دیگر مورخین نے بھی لکھا ہے کہ حضرت امام زین العابدینؑ لوگوں کو بخشش و عطا فرماتے تھے اور جب آپ کی رحلت ہوئی تو لوگوں کو معلوم ہوا۔ آپ مدینہ کے ایک سو خاندانوں کی پرورش فرماتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ روٹیوں کا تھیلہ اپنی پشت پر لاد کر رات کو لیجاتے اور تصدق فرماتے تھے۔ اہل مدینہ کہا کرتے تھے کہ ہم صدقہ نامعلوم سے علی بن حسینؑ کی وفات کے بعد ہی محروم ہوئے۔ [2]

کاشتکاری انبیاء و آئمہ کی سنت ہے۔ حضرت امام زین العابدینؑ بھی زراعت کیا کرتے تھے جس کی بابت آپ کا ارشاد ہے کہ" میں اپنا فائدہ حاصل کرنے کیلئے زراعت نہیں کیا کرتا ہوں بلکہ اس لئے زراعت کرتا ہوں کہ اس سے غریبوں، فقیروں محتاجوں اور طائروں خصوصاً قبرۃ کو روزی فراہم کروں۔ [3]

جب کوئی سائل آپ کے پاس آتا تو آپ خوش و مسرور ہوجاتے تھے اور فرماتے" خدا تیرا بھلا کرے کہ تو میرا زادِ راہ اٹھانے کیلئے آگیا۔" [4]

[1] احتجاج طبری ص: ۳۰۴ [2] تذکرۃ الخواص ص: ۳۸۷' نورالابصار ص: ۱۲۶' [3] سفینۃ البحار ص: ۵۴۹ ج: ۱ [4] مطالب السئول ص: ۲۶۳

تعلیمات وہدایات: حضرت امام زین العابدینؑ کا زمانہ امامت اہلبیت رسول اور محبان اہلبیت کیلئے انتہائی پرآشوب دور تھا۔ حکمرانوں کا ظلم و ستم عروج پر تھا، ہر طرف قتل و غارت کا بازار گرم تھا، اسلام کا شیرازہ منتشر ہو چکا تھا، تعلیمات پیغمبر گو دیدہ و دانستہ پامال کیا جارہا تھا، حجاج جیسے ظالم امراء محبان اہلبیت کو چن چن کر قتل کررہے تھے، بنی ہاشم شدید مظالم کا شکار تھے اور بادشاہان وقت امامؑ کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے۔ ایسے نازک و پرآشوب دور میں یہ ممکن ہی نہ تھا کہ امام زین العابدینؑ ہدایت خلق اور تعلیمات محمدؐ و آل محمدؐ کے فرائض علانیہ و آزادانہ انجام دے سکیں۔ نہ تقریر کی آزادی نہ اجماع کی اجازت۔ لہٰذا امامؑ نے دعاؤں کا راستہ اختیار فرمایا۔ آپ نے دعاؤں کے ذریعہ ہدایت و تعلیم کے فرائض انجام دینے کا طریقہ اختیار کیا۔ جو موثر بھی تھا اور پرامن بھی، جو ناقابل اعتراض بھی تھا اور ناقابل گرفت بھی۔ آپ نے اپنی دعاؤں کے ذریعہ خدا کی وحدانیت، رسولؐ کی رسالت اور آئمہ اہلبیت کی امامت کی تعلیم فرمائی۔ آپ کی دعائیں حقائق و معارف کا گنجینہ اور ہدایت و تعلیمات اسلامی کا خزانہ ہیں۔ آپ کی دعاؤں کا مجموعہ کتابی شکل میں صحیفہ کاملہ اور صحیفہ سجادیہ کے نام سے منسوب ہے۔ اکثر مورخین نے آپ کی تعلیمات اور زرین اقوال سے اپنی کتابوں کو زینت دی ہے۔

فضائل امام کا تعرف: جناب احمد حسین خان صاحب نے "حلیۃ الاولیا" "وفیات الاعیان" اور "صواعق محرقہ" سے یہ واقعہ منقول کیا ہے کہ جب ہشام بن عبدالملک اپنے باپ کی زمانہ سلطنت میں حج کیلئے آیا اور ہنگام طواف میں اس نے حجر اسود کو بوسہ دینے کا قصد کیا تو بوجہ ازدحام خواص و عوام باوجود کوشش کے حجر اسود تک نہ پہنچ سکا مجبوراً ایک طرف منبر پر بیٹھ کر مجمع کی سیر دیکھنے لگا اور منبر کے گرد سرداران شام نے حلقہ کرلیا تا کہ ہشام کی سطوت شہزادگی سب پر عیاں

ہو۔ اتنے میں حضرت علیؑ امام زین العابدینؑ طواف کیلئے تشریف لائے اور جب انہوں نے حجر اسود کی جانب رخ کیا تو لوگ فوراً اِدھر اُدھر ہٹ گئے اور امام زین العابدینؑ نے بلاتکلف حجر اسود تک پہنچ کر شرط اسلام ادا کی۔ اعیان شام میں سے ایک شخص نے متعجب ہوکر ہشام سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے، جس کی ہیبت سے لوگ ہٹ گئے ہشام نے اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو اہل شام کا میلان علی بن الحسینؑ کی امامت و خلافت کی جانب ہوجائے کہا کہ" میں اس شخص کو نہیں پہچانتا۔" اتفاقاً اُس مجمع میں فرزدق شاعر بھی موجود تھا۔ ہشام کا تجاہل عارفانہ دیکھ کر فرزدق سے رہا نہ گیا اور اُس نے شامیوں کی طرف مخاطب ہوکر کہا" اس شخص کو میں جانتا ہوں مجھ سے سنو کہ یہ کون شخص ہے۔" اور برملا یہ قصیدہ پڑھا۔

قصیدہ فرزدق:

هذاالذی تعرف البطحاو راته　　والبیت یعرفه والحلّ والحرم

یہ وہ شخص ہے جس کو خانہ کعبہ اور حل و حرم سب پہچانتے ہیں اور جس کے قدم رکھنے کی جگہ کو زمین بطحا بھی محسوس کرلیتی ہے۔

هذا ابن خیر عباد الله کلهم　　هذا التقی النقی الطاهر العلم

یہ شخص اس کا فرزند ہے جو تمام بندگان خدا سے افضل مانا جاتا ہے اور یہ شخص خود بھی پرہیزگار پاک سرشت اور سردار قوم ہے۔

اذا راته قریش قال قائلها　　الیٰ مکارم هذا ینتهی الکرم

یہ وہ شخص ہے جس کو دیکھ کر قریش کہہ اٹھتے ہیں کہ اسی کے مکارم اخلاق پر کرم کی انتہاء ہوتی ہے۔

ینمی الیٰ ذروة العزالتی وقصرت　　عن نیلها عرب الاسلام والعجم

یہ وہ شخص ہے جسکے اوج عظمت تک رسائی پانے سے مسلمانان عرب و عجم قاصر ہیں۔

یکاد یمسکه عرفان راحته　　رکن الحطیم اذاما جاء یستلم

یہ وہ شخص ہے کہ جب حجر اسود کے سلام کو جاتا ہے تو حجر اسود اس کے کف دست کو پہچان کر اوس سے متمسک ہوتا ہے۔

یغضی حیاء و یغضی من مھابته   فلایکلم الاحین یبتسم
یہ وہ شخص ہے کہ اسکی نگاہیں حیا سے نیچی رہتی ہیں اور دوسروں کی نگاہیں اسکے رعب سے۔ حتیٰ کہ جب تک یہ متبسم نہ ہو کسی کو اس سے ہم کلام ہونیکی جرات نہیں ہوتی۔

من جدہ وان فضل الانبیاء له   وفضل امة وامت له الامم
یہ وہ شخص ہے جس کے جد کا مرتبہ ہر نبی کے مرتبہ سے بالاتر ہے اور یہ وہ شخص ہے جس کے جد کی امت ہر نبی کی امت پر فوقیت رکھتی ہے۔

ینشو نور الھدی من نور عزته   کالشمش ینجاب عن اشراقھا الظلم
یہ وہ شخص ہے جس کی جبیں سے آفتاب کی طرح ہدایت کی روشنی پھیل کر تمام تاریکیوں کو زائل کر دیتی ہے۔

مشتقه من رسول الله بنعة   طابت عناصره والخیم والشیم
یہ وہ شخص ہے جس کا شجر طیبہ گلشن رسالت سے آگاہ ہے اور جس کے عناصر و اخلاق سب پاک و پاکیزہ ہیں۔

ھذا ابن فاطمة ان کنت جاھله   بجدہ انبیاء الله قد ختموا
اے ہشام اگر تو نہیں جانتا تو جان لے کہ یہ شخص فاطمہ زہرا کا فرزند ہے اور اس کا جد امجد خاتم المرسلین ہے۔

الله فضله قدما و شرفه   جری بذالک له فی لوحه قلم
یہ وہ شخص ہے جس کو خدا نے ازل سے شرف عطا فرمایا ہے اور جس کا فضل قلم قدرت سے لوح پر لکھا ہوا ہے۔

لیس قولک من ھذا بضائرہ   العرب تعرف من انکرت والعجم
اس شخص کو تیرا تجاہل کچھ ضرر نہیں پہونچا سکتا۔ اس لئے کہ اس کو تمام عرب و عجم جانتے ہیں اور پہچانتے ہیں۔

کلتایدیه غیاث عم نفعھما   یستوکفان ولایعروھما العدم
یہ وہ شخص ہے جس کے دونوں ہاتھ مخلوق کو نفع پہنچانے کیلئے ابر کرم ہیں اور پھر کبھی اس کے پاس تہیدستی کا گزر نہیں ہوتا۔

سھل لخلیفة لاتخشی بوادرہ   بزینة اثنان حسن الخلق والکرم
یہ شخص ایسا حلیم و نیک خو اور پاک طینت ہے جس سے درشتی اور بدخوائی کا اندیشہ تک نہیں ہو سکتا۔

حمال اثقال اقوام اذا فدحوا   حلو الشمائل تحلو عنده نعم
یہ وہ فیاض طبع شخص ہے جو دوسروں کا بار خود اٹھا لیتا ہے اور اس کی شیریں عادات سے اس کا فیض و انعام اور زیادہ شیریں ہو جاتا ہے۔

ماقال لاقط الا فی تشھدہ   لولا التشھد کانت لائه نعم
یہ وہ شخص ہے کہ سوا موقع تشہد کے لا کا لفظ کبھی زبان سے نہیں نکالتا۔ اور اگر تشہد نہ ہوتا تو اس کا وہ لا بھی نعم ہو جاتا۔

لایخلف ابو عدمیمون نقیبه   رحب الفناء اریب حین یعتزم
یہ وہ راست باز عاقل و مہمان نواز شخص ہے جسکی ذات سے کبھی وعدہ خلافی نہیں ہوتی۔

عم البریة فی الاحسان مانقشعت   عنه الغیاھب والاملاق والعدم
یہ وہ شخص ہے جس کا احسان عام مخلوق خدا پر ہے اور جس کی برکت سے لوگوں کی فاقہ کشی اور تہی دستی دور ہو جاتی ہے۔

من معشر حبھم دین و بغضھم   کفر وقربھم منجی ومعتصم
یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جن کی دوستی ایمان اور دشمنی کفر ہے۔ اور جن کی نزدیکی نجات کی دستاویز سمجھی جاتی ہے۔

ان عدا اھل التقی کانوا ائمتھم   اوقیل من خیر اھل الارض قیل ھم
اگر پرہیزگاروں کا شمار کیا جائے تو یہی لوگ امام ہیں اور اگر پوچھا جائے کہ بہترین اہل ارض کون ہے تو یہی لوگ بتائے جائیں گے۔

لایستطیع جواد بعد غایتھم   ولایدانیھم اقوام ان کرموا
کوئی سخی ان کی سخاوت کو نہیں پا سکتا اور کوئی قوم ان کے رتبہ و کرم کو نہیں پہنچ سکتی۔

ھم الغیوث اذا ما ازمة ازمت   والاسد اسد الشری والباس محتدم
یہی حضرات ابر کرم ہیں جب کہ لوگ قحط سے تباہ حال ہوں اور یہی شیر غضبناک ہیں جب کہ میدان کارزار گرم ہو۔

لاینقص العسر بسطا من اکفھم   سیان ذالک ان اثروا وان عدموا
یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی تنگ دستی فیاضی کو کم نہیں کرتی کیوں کہ یہ زرداری اور بے زری میں یکساں فیاض ہے۔

یستدفع الضر والبلوی بحبھم   ویستزاد به الاحسان والنعم
یہ شخص اُن لوگوں میں سے ہے جن کے طفیل میں دفع مصیبت کی خواستگاری کی جاتی ہے اور جن کی برکت سے نعمتوں میں افزائش ہوتی ہے۔

مقدم بعد ذکر الله ذکرھم   فی کل بر ومختوم به الکلم
یہ شخص اُن لوگوں میں سے ہے جن کا ذکرِ خدا ہر کلام کے آغاز و اختتام پر مقتدر سمجھا جاتا ہے۔

یابی ھھم ان یحل الذم ساحتھم   خیم کریم وایدبالندی ھضم
یہ شخص اُن لوگوں میں سے ہے جو کریم الخصال اور فیاض دست ہیں اور اُن کے صحن میں عیب و برائی کو نازل ہونے سے انکار ہے۔

ای الخلائق لیست فی رقابھم   لاولیة ھذا اوله نعم
خلائق میں کوئی ایسا نہیں جو اس شخص کی اولیت اور اس کے حقوق و منت و نعمت کی وجہ سے اس کا بندہ بے دام نہ ہو۔

من یعرف الله یعرف اولیة ذا   والدین من بیت ھذا ناله الامم
اور سچ تو یہ ہے کہ جو خدا کو پہچانتا ہے وہ اس کی اولیت کو بھی مانتا ہے کیونکہ اسی کے گھر سے امت نے دین اور ایمان پایا ہے۔

(اس قصیدہ کا منظوم ترجمہ مولانا سید نجم الحسن صاحب کراروی نے کتاب "چودہ ستارے" میں رقم کیا ہے۔)
منقول از تاریخ احمدی ص: ۳۳۲ منتھی الامال ص: ۳۷ ج:۲ تذکرۃ الخواص ص: ۳۸۸

یہ اشعار سن کر ہشام غضب ناک ہو گیا اس نے فرزدق کو عسفان کے مقام پر جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے گرفتار کر دیا۔ جب امامؑ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے بارہ ہزار درہم فرزدق کو دیئے۔ اس نے یہ کہہ کر واپس کئے کہ "میں نے دنیاوی اجرت کیلئے یہ قصیدہ نہیں کہا، اس سے کسب ثواب کا ارادہ رکھتا ہوں۔" امامؑ نے فرمایا "ہم آل محمد کا اصول ہے کہ جو چیز دے دیتے ہیں پھر اسے

واپس نہیں لیتے۔ تم اسے لے لو خدا تمہاری نیت کا اجر عظیم دیگا۔ وہ سب کچھ جانتا ہے۔" تب فرزدق نے اسے قبول کر لیا۔ [۱]

شہادت: حضرت امام زین العابدینؑ ملکی سیاست سے دور اور حصول اقتدار کیلئے ہونے والی تمام ہنگامہ آرائیوں سے الگ نہایت صبر و استقلال کے ساتھ مدینہ میں زندگی گذار رہے تھے۔ لیکن آپ کی روحانی عظمت اور خاندانی عزت و شرافت ہمیشہ حاسدین کی نظروں میں کھٹکتی رہتی تھی۔ بنی ہاشم کی بزرگی اور ہر دلعزیزی اموی حکمران پر شاق گذرتی تھی۔ لہٰذا بادشاہ وقت ولید بن عبدالملک اموی نے آپ کو زہر دلوادیا جس کے اثر سے آپ ۲۵ محرم ۹۵ھ کو شہید ہوئے۔ آپ کے فرزند اکبر حضرت محمد باقرؑ نے تجہیز و تکفین کی، نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کو جنت البقیع میں دفن کر دیا۔

ازواج واولاد: حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام کی کل پندرہ اولاد میں سے گیارہ فرزندان اور چار دختران تھیں۔ آپ کی کل اولاد اور ان کی مادراں گرامی کے نام یہ ہیں۔

محمد الباقرؑ، آپ کی مادر گرامی ام عبداللہ فاطمہ بنت امام حسنؑ تھیں۔

عبداللہ الباہرؒ حسن اور حسین ان تینوں کی مادر گرامی ام ولد تھیں۔ زید شہیدؒ عمر اشرف ان دونوں کی مادر گرامی ام ولد دیگر تھیں۔ حسین اصغرؒ عبدالرحمٰن اور سلیمان یہ تینوں دیگر ام ولد سے تھے۔ علی اور خدیجہ۔ یہ دونوں ام ولد سے تھے۔ محمد اصغر۔ ان کی مادر گرامی ام ولد دیگر تھیں۔ فاطمہؒ علیہ اور ام کلثوم۔ ان تینوں کی مادر گرامی ام ولد دیگر تھیں۔ آپ کی شہادت ۹۵ھ کے وقت صرف چھ فرزندان (۱) محمد الباقرؑ (۲) عبداللہ الباہر (۳) زید الشہید (۴) عمر الاشرف (۵) علی اصغر اور (۶) حسین الاصغر حیات تھے۔ کتب انساب و تاریخ

[۱] تاریخ احمدی ص: ۳۳۲ تذکرۃ الخواص ص: ۳۸۸ ارجح المطالب ص: ۴۴۲

میں انہی چھ فرزندان اور انکی اولاد کے تذکرہ ملتے ہیں۔ ان کا مختصر تعارف اس طرح ہے۔

۱) محمد باقرؑ فرزند اول کا تفصیلی ذکر آئندہ صفحات میں مرقوم ہے۔

۲) عبداللہ الباھر کی کنیت ابو محمد تھی۔ آپ کے لقب الباھر کی بابت شیخ محمد عباس قمی کا بیان ہے کہ یہ لقب آپ کے حُسن و جمال اور رخساروں کی درخشندگی کے سبب ملا۔ ۱ ایک جماعت کا کہنا ہے آپ کی والدہ ام عبداللہ فاطمہ بنت امام حسنؑ تھیں۔ اس طرح آپ امام محمد باقرؑ کے ماں جائے بھائی تھے۔ ان کی بابت شیخ مفیدؒ کا بیان ہے کہ آپ عالم و فاضل اور فقیہہ و محدث تھے۔ نیز آپ صدقات رسولؐ و امیر المومنینؑ کے متولی تھے۔

عبداللہ الباھر کے ایک بیٹے محمد ارقط تھے اور ان کے دو فرزند عباس اور اسمٰعیل تھے۔ عباس بن محمد ارقط کی بابت ابوالفرج اصفہانی کا بیان ہے کہ ہارون رشید نے ان سے سخت کلامی کی اور ان کو "ابن الفاعلہ" کہا جسکے جواب میں عباس نے ہارون سے کہا تیری ماں فاعلہ یعنی زانیہ ہے جسے بردہ فروشوں نے اپنے تصرف میں رکھا۔ ہارون یہ سخت جواب سن کر برہم ہوگیا اور غیظ میں آکر عباس کو قتل کرادیا۔ ۲ دوسرے بیٹے اسمٰعیل بن محمد ارقط کے ایک فرزند محمد اور دوسرے حسین تھے۔ محمد بن اسمٰعیل کے بیٹے احمد الدخ تھے اور احمد الدخ کے تین بیٹے عبداللہ، حسین اور حمزہ تھے۔ عبداللہ کی بابت صاحب عمدۃ الطالب کا بیان ہے کہ انہوں نے مستعین عباسی کے دور میں خروج کیا۔ دوسرے بیٹے حسین جن کا لقب کوکبی تھا ان کی والدہ بنت جعفر بن اسمٰعیل بن امام جعفر صادقؑ تھیں۔ یہ حسن بن زید کی حمایت میں لڑتے ہوئے قتل ہوئے۔ ۳ تیسرے بیٹے حمزہ نے قم میں رہائش اختیار کی لہٰذا وہ حمزہ قمی کہلائے ان کے دو بیٹے ابوجعفر محمد کوکبی اور ابوالحسن علی تھے۔ حسین کوکبی بن اسمٰعیل بن محمد ارقط کے دو بیٹے عبداللہ اکبر اور احمد اطلج تھے۔ بعض نے محمد ارقط کے علاوہ عبداللہ الباھر کے دو بیٹے اسحاق اور احمد بھی لکھے ہیں اور احمد کے ایک بیٹا حسین بھی تحریر کیا ہے۔

۱ منتہی الامال ص: ۵۰ ج: ۲ ۲ مقاتل الطالبین ص: ۳۳۱ ۳ مقاتل الطالبین ص: ۴۵۵

۳) زید الشہیدؒ کے واقعات کی تفصیل بھی آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

۴) عمر الاشرف: کی کنیت ابو علی تھی۔ شیخ مفید کے بیان کے مطابق عمر اشرف فاضل، جلیل و سخی تھے اور صدقات رسولؐ کے متولی تھے۔ ان کے لقب کی بابت مورخین نے لکھا کہ حضرت علیؑ ابن ابیطالب کے ایک فرزند کا نام عمر تھا اور حضرت علی زین العابدینؑ کے ان فرزند کا نام بھی عمر تھا اور یہ دونوں ایک زمانہ میں تھے لہٰذا عمر بن علیؑ بن ابیطالب اور عمر بن علیؑ بن حسینؑ میں امتیاز کی خاطر عمر بن علیؑ ابن ابیطالب کو عمر اطرف اور عمر بن علیؑ زین العابدین کو عمر اشرف کہا جانے لگا۔ عمر اشرف کی زوجہ ام سلمہ بنت امام حسنؑ تھیں۔ بعض مورخین نے عمر اشرف کی وفات پینسٹھ سال اور بعض نے ستر سال کی عمر میں بتائی ہے۔

عمر اشرف کے تین بیٹے یحییٰ، علی اصغر اور محمد اکبر تھے۔ بعض واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے ایک بیٹے موسیٰ بھی تھے جن کے ایک بیٹی صفیہ تھیں جو زوجہ تھیں قاسم بن علی بن عمر اشرف کی۔ یحییٰ کے ایک فرزند عبداللہ تھے ان کی نسل آگے چلی۔ عمر اشرف کے دوسرے بیٹے علی اصغر جو عالم، فقیہہ اور محدث تھے ان کی اولاد کثیر تھی۔ جن کے نام ابو علی قاسم، زید، عبداللہ، ابو محمد حسن، جعفر، محمد الکباشتہ، حسین، موسیٰ، عمر شجری اور ایک بیٹی علیہ تھے۔ ان میں سے زید، جعفر، محمد اور حسین کی اولاد کا ذکر نہیں ملتا ممکن ہے یہ لاولد فوت ہو گئے ہوں۔ جبکہ عبداللہ کے تین بیٹے محمد، قاسم اور زید تھے۔ اور موسیٰ کے تین بیٹے علی، محمد اور احمد تھے۔ ان کی آگے نسل کا علم نہیں اس طرح صرف تین فرزند کے نام مشہور ہیں۔ یعنی ابو علی قاسم، ابو محمد حسن اور عمر الشجری۔

ابو علی قاسم جو شاعر تھے ان کے ایک فرزند ابوجعفر محمد تھے جن کا لقب "الصوفی" تھا جو صاحب عبادت و زہد اور عالم و فقیہہ تھے۔ ان کی والدہ صفیہ بنت موسیٰ بن عمر اشرف تھیں۔ یہ نہایت عابد و زاہد اور صوفی بزرگ تھے سفید صوف کا

لباس پہنتے تھے۔ زیدیہ الجارودیہ کے ہم خیال تھے۔ مسعودی کا بیان ہے کہ محمد بن قاسم کوفہ میں رہتے تھے۔ اور زہد و عبادت و ورع میں مشہور تھے۔ معتصم عباسی ان کے پیچھے پڑ گیا انہیں اتنا ڈرایا دھمکایا کہ یہ خوفزدہ ہو کر کوفہ سے خراسان چلے گئے اور وہاں مختلف مواضعات مثلاً مرو، سرخس، طالقان و نساء وغیرہ میں منتقل ہوتے رہے۔ ان کے زہد و عبادت کے باعث بہت سے لوگ ان کے حلقہ ارادت میں آگئے۔ والئی خراسان عبداللہ بن طاہر ان کے درپے آزار ہوا۔ کئی لڑائیاں ہوئیں۔ عبداللہ بن طاہر کی فوج کو بہت سی لڑائیوں میں شکست ہوئی یہ واقعات ۲۱۹ھ کے ہیں۔ ۱

ابوالفرج اصفہانی نے ان کے واقعات تفصیل سے لکھے ہیں۔ ۲ مختصر یہ کہ طالقان میں مقابلہ ہوا اس میں عباسیوں کو شکست دی لیکن پہلے سے قائم کی ہوئی عباسی فوج نے کمین گاہ سے اچانک حملہ کر دیا جس کے باعث محمد بن قاسم کی فوج کے پیر اکھڑ گئے۔ محمد طالقا سے مقام نساء چلے گئے۔ عبداللہ بن طاہر نے ان کی گرفتاری کیلئے ابراہیم ابن غسان کو بھیجا جو بھاری زنجیروں اور بیڑیوں میں انہیں جکڑ کر لے آیا۔ عبداللہ بن طاہر نے انہیں تنگ و تاریک جیل خانہ میں بند کر دیا۔ ابراہیم بن غسان کہتا ہے کہ اتنی کثرت سے عبادت کرنے والا میں نے محمد بن قاسم کے سوا نہیں دیکھا۔ عبداللہ بن طاہر نے انہیں معتصم عباسی کے پاس بھیجدیا۔ جہاں انہیں معتصم کے حکم سے انتہائی ذلیل کر کے اس کے حضور میں پیش کیا گیا وہ رقص و سرور کی محفل میں مشغول تھا اور محمد بن قاسم تسبیح و تحلیل خدا میں مصروف تھے۔ بہرحال انہیں قید کر دیا گیا۔ کسی طرح وہ قید خانہ سے نکل گئے اور معتصم و واثق کے دور حکومت میں روپوش رہے مگر متوکل کے زمانہ میں گرفتار ہو گئے قید کر دیئے گئے اور قید خانہ ہی میں زہر دیکر ہلاک کرا دیئے گئے۔

علی اصغر بن عمر اشرف کے دوسرے بیٹے حسن تھے جن کی کنیت ابو محمد تھی۔ یہ عالم و محدث تھے۔ ان کے فرزندان میں جعفر، محمد اور علی تھے۔ جعفر

۱ مروج الذہب ص: ۸ ج: ۳ ۲ مقاتل الطالبین ص: ۳۸۳-۳۹۴ تاریخ طبری عربی ص: ۳۰۵ ج: ۱۰

بن حسن کے ایک بیٹے محمد تھے ان کی والدہ رقیہ بنت عیسیٰ بن زید شہید تھیں۔ محمد بن جعفر کے تین بیٹے حسن، جعفر اور احمد تھے۔ جبکہ محمد بن حسن کے ایک بیٹا احمد اور ان کے ایک فرزند محمد تھا۔ ابو محمد حسن کے تیسرے بیٹے علی کے ایک بیٹا جعفر تھا۔

جب متوکل عباسی مسند حکومت پر بیٹھا تو اس نے آل ابیطالب پر شدید مظالم کرنے شروع کر دیئے جس کے باعث اولاد ابوطالب منتشر ہو گئی۔ اسی دوران امام حسنؑ کی اولاد میں سے حسن بن زید نے طبرستان اور نواح دیلم پر قبضہ کر لیا۔ ان کی حمایت میں محمد بن جعفر بن ابو محمد حسن نے مقام رے سے خروج کیا۔ لیکن عباسیوں کے کارندوں نے انہیں گرفتار کر کے نیشاپور میں قید کر دیا۔ اسی قید خانہ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ جبکہ جعفر بن علی بن حسن بن علی بن عمر اشرف لڑتے ہوئے قتل ہو گئے اور جعفر بن محمد بن جعفر بن ابو محمد حسن بھی جنگ میں مارے گئے۔

علی اصغر بن عمر اشرف کے تیسرے بیٹے عمر تھے جن کا لقب الشجری تھا۔ ان کے دو بیٹے تھے ایک ابوعبداللہ محمد جن کے ایک بیٹا علی تھا۔ عمر شجری کے دوسرے بیٹے علی تھے جو شاعر تھے ان کے ایک بیٹے احمد تھے۔

۵) حسین اصغر: انکی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ بقول شیخ مفیدؒ یہ فاضل و محدث تھے اپنے پدر بزرگوار حضرت زین العابدینؑ، اپنی چچی فاطمہ بنت حسینؑ اور اپنے بھائی محمد باقرؑ سے حدیث روایت کرتے تھے۔ بقول شیخ محمد عباس قمی انہوں نے ۱۵۷ھ میں چونسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی اور بقیع میں دفن کئے گئے۔ ۱

حسین اصغر کے فرزندان عبداللہ عقیقی، علی، محمد، حسن الدکہ، زید، ابرہیم، یحییٰ، عبیداللہ اعرج اور سلیمان تھے۔ ان میں سے چار فرزندان عبداللہ عقیقی، حسن الدکہ، ابوالحسین علی اور عبیداللہ اعرج کو شہرت ملی۔

۱۔ عبداللہ عقیقی کے چار فرزندان قاسم، محمد، جعفر اور علی تھے بعض نسب نگاروں نے ان کے علاوہ احمد، اسمٰعیل اور عبیداللہ بھی تحریر کئے ہیں۔ ایک فرزند قاسم جو رئیس

۱ منتہی الامال ص: ۹۷ ج: ۲،

وفاضل تھے۔ عمر بن الفرح ان کو بے جرم وخطا گرفتار کر کے سامرہ لے گیا۔ بعد میں رہا کر دیا لیکن پھر طبیب کے ذریعہ زہر دلوادیا۔ دوسرے ابوعبداللہ محمد تھے علمائے رجال نے ان کا ذکر کیا ہے انہوں نے ۱۸۱ھ میں وفات پائی۔ تیسرے بیٹے جعفر تھے جو جعفر صحصح کہلاتے تھے۔ انکے چار بیٹے احمد المعتقد ی عبداللہ' اسمٰعیل اور محمد تھے محمد کی کنیت ابوعبداللہ اور لقب عقیقی تھا۔ محمد عقیقی کے ایک فرزند حسن اور دوسرے علی تھے حسن کے بیٹے احمد تھے جو احمد عقیقی مشہور تھے یہ مکہ میں رہتے تھے اور صاحب تصنیف تھے۔ عبداللہ عقیقی کے چوتھے بیٹے علی درج تھے۔

۲۔ حسن الدکہ جنکی کنیت ابومحمد تھی۔ ان کے بیٹے محمد اور انکے بیٹے عبداللہ تھے جنکے پسران جعفر' محمد السلیق اور علی المرعشی تھے بقول قاضی نوراللہ سوشتری علی المرعشی علوشان ورفعت تھے سادات مرعشیہ انہی سے منسوب ہیں جنکے چار فرقے ہیں۔ (۱) سادات عالی مازندران (۲) سادات شوشتر (۳) سادات مرعشیہ اصفہان (۴) سادات مرعشیہ قزوینیہ۔

۳۔ ابوالحسین علی کا شمار رجال بنی ہاشم میں ہوتا ہے۔ یہ صاحب فضل ولسان وبیان وسخاوت تھے۔ مورخین نے انکی سخاوت واخلاق کا ذکر کیا ہے۔ ان کے پانچ بیٹوں میں سے ایک احمد حفینہ تھے جن کے ایک بیٹے کا نام علی تھا۔ دوسرے عبید' تیسرے عبداللہ' چوتھے محمد اعقب اور پانچویں عیسیٰ تھے جن کا لقب عضازہ تھا ان کے چار بیٹے جعفر' عبداللہ' زید اور احمد تھے۔ یہ احمد' حسن بن زید کی حمایت میں لڑتے ہوئے مارے گئے۔ پسران ابوالحسین علی میں سے عبداللہ یمن میں' محمد اعقب طبرستان اور بقیہ تین برادان کوفہ میں مقیم تھے۔

۴۔ عبیداللہ اعرج کی کنیت ابوعلی تھی ان کی والدہ ام خالد یا خالدہ بنت حمزہ بن مصعب بن زبیر بن عوام تھیں۔ ایک نسب نامہ سے پتہ چلتا ہے کہ عبداللہ عقیقی اور ابوالحسین علی بھی انہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ عبیداللہ اعرج کے فرزندان جعفر الحجہ، احمد، عبداللہ، ابراہیم، علی الصالح، یحییٰ الزاہد، محمد الجوانی اور حمزہ المختلس تھے ان میں سے علی صالح، جعفر الحجہ، محمد الجوانی اور حمزہ المختلس مشہور ہیں۔

علی الصالح: علی الصالح کی کنیت ابوالحسن تھی یہ زاہد و پرہیزگار اور فاضل وکریم تھے۔ ان کی زوجہ ام سلمہ بنت عبداللہ بن حسین اصغر تھیں۔ قاضی نوراللہ شوشتری نے انہیں بزرگ وعظیم القدر قرار دیا ہے۔ ان کی اولاد عراق اور اس کے گرد ونواح میں آباد رہی۔ علی الصالح کے ایک بیٹے عبداللہ ثانی تھے جن کے بیٹے ابوالحسن علی محدث کوفہ میں آباد تھے۔ دوسرے بیٹے ابراہیم تھے جن کے تین بیٹے ابوالحسن علی قتیل سامرہ میں مقیم رہے دوسرے ابوعبداللہ الحسین العسکری اور تیسرے بیٹے حسن تھے۔ علی صالح کے تیسرے بیٹے حسن تھے جن کے بیٹے محمد وابراہیم تھے۔ ابراہیم کے ایک بیٹے علی تھے۔ علی صالح کی اولاد میں محمد وابراہیم پسران حسن بن علی صالح' حسن بن زید حسنی کی حمایت میں لڑتے مارے گئے۔ جبکہ علی بن ابراہیم بن حسن بن علی صالح سامرہ میں بزمانہ معتمد عباسی قتل کر دیے گئے۔

جعفر الحجہ: جعفر الحجہ کی کنیت ابی الحسن تھی یہ شریف سید، عظیم الشان، جلیل القدر، عالی ہمت، رفیع مرتبت اور فصیح اللسان تھے۔ بقول شیخ عباس قمی یہ فصاحت میں حضرت زید شہید سے مشابہ تھے۔ زیدیہ فرقہ کے لوگ انہیں حجۃ اللہ کہتے اور ان کی امامت کے قائل تھے۔ ہارون رشید کے والئی مدینہ نے انہیں قید کر دیا اور بالآخر وہ اسی قید خانہ میں فوت ہوئے۔ انکے بیٹوں میں ایک ابوعبداللہ الحسین بلخ چلے گئے ان کی نسل وہیں پھیلی۔ دوسرے ابی محمد حسن تھے جن کے ایک بیٹے محمد تھے۔ ان محمد اور محمد حنفیہ کی نسل میں سے علی بن محمد پر بزمانہ مکتفی عباسی کسی نے یہ تہمت لگائی کہ یہ دونوں قرمطی صاحب الخال کی مدد کرتے ہیں۔ بغیر کسی تصدیق وتحقیق کے محض اس تہمت کی بنیاد پر ان دونوں کو گرفتار کر لیا۔ پہلے ان کے ہاتھ اور پیر کاٹے پھر انہیں قتل کر دیا گیا۔ ان کے علاوہ طاہر بن یحییٰ بن حسن بن جعفر الحجہ جو بڑے عالم وفاضل اور زاہد و پرہیزگار بزرگ تھے اور جو صاحب الصلاۃ مدینہ کہلاتے تھے انکو بزمانہ مقتدر عباسی ابن الحبانی قرمطی نے مدینہ میں قتل کیا حسن بن جعفر الحجہ کی بقیہ نسل فوارس میں آباد ہوئی۔

محمد الجوانی: محمد الجوانی کے تین بیٹے حسین، علی، عبداللہ اور دو بیٹیاں کلثوم و زینب تھیں۔ ان میں ابی الحسن علی تھے جنکی نسل طبرستان میں پھیلی۔

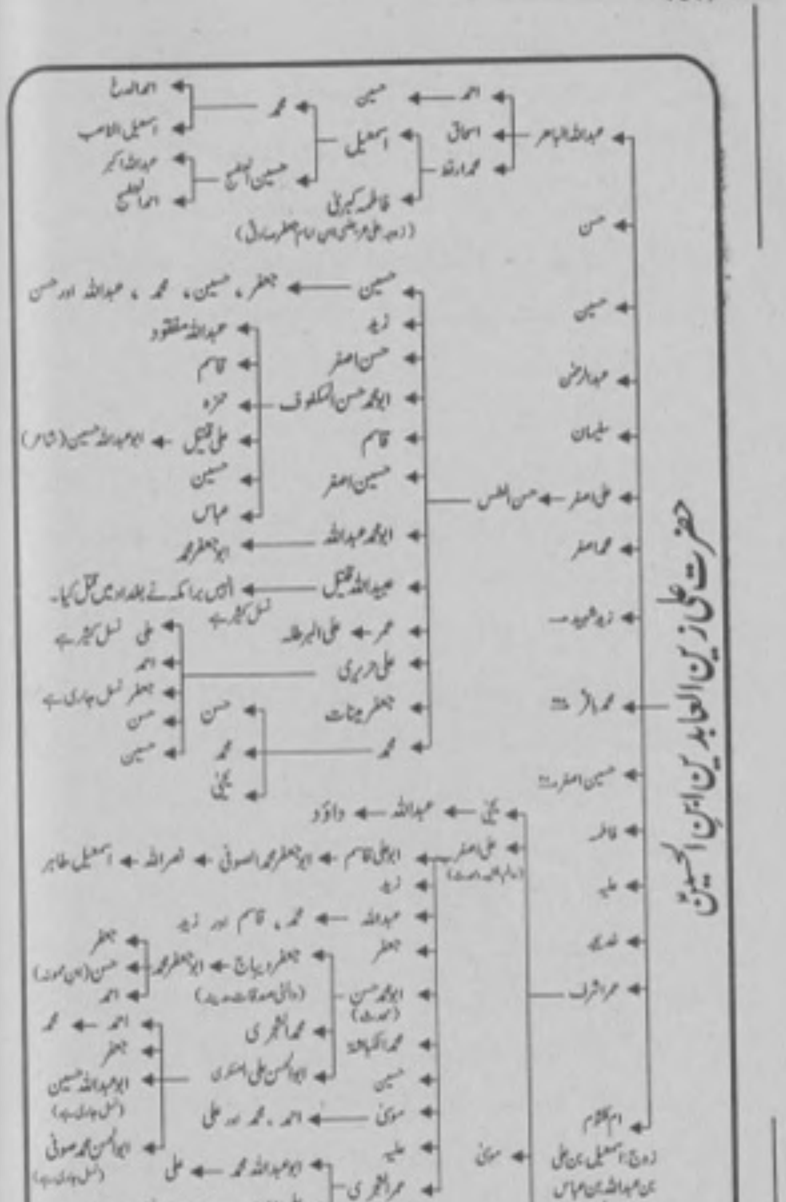

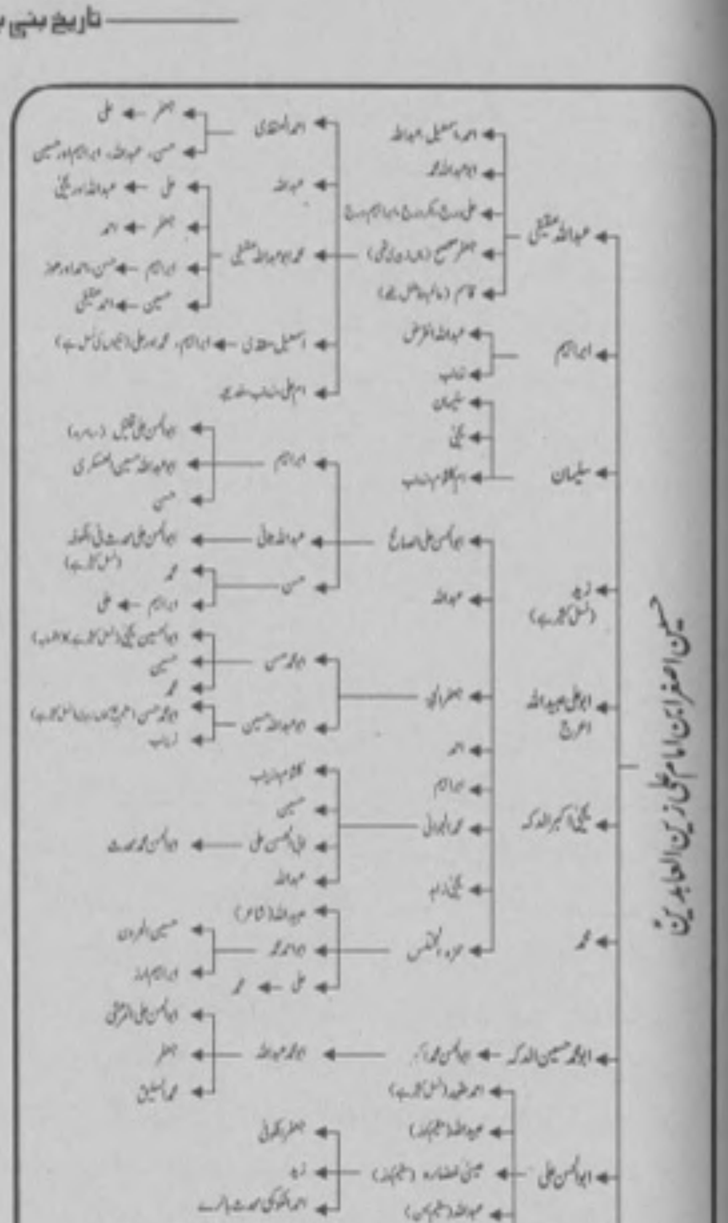

حمزة المختلس: حمزة المختلس کے ایک بیٹے ابواحمد محمد تھے ان کے بیٹے حسین کو ان کوالحرون بھی کہتے تھے۔ جنہوں نے یحییٰ بن عمر بن یحییٰ بن حسین بن زید شہید کے بعد ۲۵۱ھ میں کوفہ میں خروج کیا یہ کوفہ سے نکل کر سامرہ کی طرف گئے اس وقت مستعین عباسی حکمران تھا۔ اسی نے مزاہم بن خاقان کو ان کے مقابلے کیلئے بھیجا اس دوران مستعین کے بھتیجے معتز نے اس سے جنگ کی اور بالآخر ۲۵۲ھ میں احمد بن طولون کے ذریعہ اسے قتل کرا دیا۔ مستعین کی موت کے بعد معتز کی بیعت ہوگئی۔ جس کے بعد عباسی فوج جنگ کئے بغیر واپس لوٹ گئی۔ حسین بن محمد بھی واپس کوفہ لوٹ آئے لیکن کچھ عرصہ بعد وہ دوبارہ خروج کیلئے روانہ ہوئے۔ جنگ ہوئی اور وہ قیدی بنا لئے گئے۔ تقریباً بارہ سال قید میں رہے۔ معتمد نے ۲۶۸ھ میں رہا کر دیا۔ رہا ہونے کے بعد حسین بن محمد نے ۲۶۹ھ ایک بار پھر خروج کیا۔ انہیں شکست ہوئی اور پھر قیدی بنا لئے گئے۔ ۲۷۱ھ میں وفات پائی۔[1]

۲) علی اصغر: یہ امام زین العابدینؑ کے سب سے چھوٹے فرزند تھے صاحب شرف وقدر تھے، ان کی کنیت ابوالحسن تھی، ان کے فرزندان میں ایک بیٹے حسن افطس تھے چونکہ یہ بنی ہاشم میں طویل قامت تھے اس لئے افطس کہلائے۔ افطس نے محمد نفس ذکیہ کے خروج میں ان کا ساتھ دیا جب نفس ذکیہ قتل ہوگئے تو افطس نے روپوشی اختیار کی۔ امام جعفر صادق کے کہنے پر ابوجعفر منصور نے درگذر سے کام لیا۔ حسن افطس کے بیٹوں میں علی الحریری، عمر، حسین حسن مکفوف اور عبیداللہ قتیل کو شہرت ملی۔ عبداللہ بن حسن افطس کی کنیت ابومحمد تھی ان کی والدہ ام سعید بنت سعید بن محمد بن جبیر بن مطعم تھیں۔ یہ یوم فخ قتل کئے گئے۔ محمد بن حسن افطس کی والدہ آمنہ بنت حمزہ بن منذر بن زبیر تھیں۔ یمن میں ابوالسرایا کی جنگ کے دوران قتل ہوئے۔ محمد بن عبداللہ بن حسن افطس کی کنیت ابوجعفر تھی ان کی والدہ زینب بنت موسیٰ بن عمر اشرف تھیں۔ ہارون عباسی کے زمانہ حکومت میں قتل کئے گئے۔

[1] تفصیلی واقعات مقاتل الطالبین ص: ۴۳۱، الطبری ص: ۲۶۹ ج: ۱۱ اور تاریخ کامل وغیرہ میں مرقوم ہیں۔

محمد بن علی زین العابدینؑ

یہ ماہ رجب المرجب ۵۷ھ کا پہلا دن تھا جب آسمان امامت کا یہ وہ خورشید جہاں تاب مدینۃ الرسول کے افق سے نمودار ہوا جس کے علم و عرفان کی ضیاء پُرنور سے ملت اسلامیہ کے قلوب منور ہوگئے جو باقرِ علمِ امامت ہیں، جو قاسم عرفانِ وحدت ہیں، جو ماہتابِ چرخ عصمت ہیں، جو دریائے جود و سخاوت ہیں، جو سرورِ املاکِ رفعت ہیں، جو سلطانِ شریعت ہیں، جو تاجدارِ ولایت ہیں، جو انوارِ امامت ہیں، جو رہبرِ ہدایت ہیں، جو علی اول کے پوتے اور علی دوئم کے فرزند ہیں اور جو حسنؑ و حسینؑ کی نسل کا نقطۂ اتحاد ہیں، جن کی نسبی شرافت و نجابت دنیا میں یکتا و یگانہ ہے اور جو حسنی و حسینی سادات کا واحد نجیب الطرفین نمونہ ہیں۔

آپ کی جلالت قدر، فضل و کمال، علم و عرفان، اخلاق و صفات اور تعلیمات و ہدایات کا تفصیلی احاطہ تو ممکن نہیں البتہ اپنے محدود علم و بصیرت کے مطابق ان محدود صفحات میں آپ کی حیات طیبہ کا مختصر جائزہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

ولادت باسعادت: حضرت محمد باقر کی متفقہ و مصدقہ تاریخِ ولادت یکم رجب ۵۷ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۶۷۷ء یوم جمعۃ المبارک ہے۔ خانوادۂ رسالت میں اس مولودِ مسعود کی آمد پر جشن کا سماں تھا اور کاشانۂ امامت میں مسرت و شادمانی کی فضاء قائم تھی، ہر طرف سے مبارک باد کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔

نام، لقب و کنیت: آپ کے دادا حضرت امام حسینؑ نے اپنے جد کے نامی پر آپ کا نام محمد رکھا۔ اور آپ کے فرزند جعفر صادق کی نسبت سے آپ کی کنیت ابوجعفر قرار پائی۔ آپ کے القاب کثیر ہیں جن میں باقر، شاکر، ہادی، امین شبیہ زیادہ مشہور ہیں۔ ان میں بھی باقر مشہور ترین لقب ہے۔ اس لقب کی بابت مورخین کے چند بیانات ملاحظہ ہوں۔ علامہ سبط ابن جوزی کا بیان ہے کہ

> "آپ کو باقر کثرت سجدہ کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ سجدہ نے آپ کی پیشانی کو نہایت کشادہ اور وسیع کر دیا تھا اور بعض کے نزدیک کثرت علم کی وجہ سے آپ کو باقر کہا گیا ہے اور جوہری نے کہا ہے کہ تبقر بمعنی وسعت علمی ہے اور یہ بھی جوہری نے کہا ہے کہ محمد بن علی بن حسین کو باقر وسعتِ علمی کی بنیاد پر کہا گیا اور شاکر و ہادی بھی آپ کے القاب ہیں۔" (تذکرۃ الخواص ص: ۳۹۸)

مولانا سید نجم الحسن صاحب کراروی نے تحریر کیا ہے کہ "باقر، بقرہ سے مشتق ہے۔ اسی کا اسم فاعل ہے اسکے معنی شق کرنے اور وسعت دینے کے ہیں۔"[1]

حافظ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایۃ" میں تحریر کیا ہے کہ آپ کو باقر اس لئے کہتے ہیں کہ کثرت سجود نے ان کی جبین کو شگافتہ کر دیا تھا۔ وقیل لغزارۃ علمہ یعنی تبحر علمی کے سبب بھی آپ کو باقر کہا جاتا ہے۔

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ آپ نے علوم شریعت، طریقت اور حکمت کے بے شمار اسرار اور نکتے بیان کر کے علم کی زمین میں تخم ریزی کی اس لئے آپ کو باقر کہتے ہیں۔[2] قاموس، لسان العرب اور منتہی الارب کے حوالہ سے "باقر کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔ وکان محمد بن علی زین العابدین یسمّی باقر التبقرۃ فی العلم۔ یعنی محمد بن علی زین العابدینؑ کو باقر اس لئے کہتے ہیں کہ آپ نے علم کو شگافتہ کر دیا تھا۔

[1] المنجد ص: ۴۱، بحوالہ چودہ ستارے ص: ۳۱۲ [2] سواعق محرقہ ص: ۱۲۰

لسان العرب میں تحریر ہے کہ "لقب به لا نه بقر العلم و عرف اصله و استنبط فرعه و توسع عليه و التبقر التوسع" یعنی جناب محمد بن زین العابدینؑ کا لقب باقر اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے علم کو شگافتہ کر دیا تھا اور اس کی جڑ تک پہنچ گئے تھے۔ اس کی شاخیں نکالی تھیں اور اس میں وسعت کر دی تھی۔ التبقر کے معنی وسعت کے ہیں۔[1] عبیداللہ امرتسری تحریر کرتے ہیں کہ:

> "باقر لغت میں بقر الارض سے ماخوذ ہے یعنی زمین کو پھاڑ کر اس کی مخفیات کو ظاہر کرنے والا۔ جناب امام کو اس لئے باقر کہتے تھے کہ وہ نبی معارف اور حقائق احکام اور حکمت اور لطائف کے سربستہ خزانے ظاہر فرماتے تھے جو بصیرت کے اندھے اور فاسد طبیعت والے پر نہیں ظاہر ہوتے اور اس وجہ سے بھی ان کو باقر کہا جاتا تھا کہ وہ علم کے باقر اور جامع اور مشہور کرنے والے اور اس کو بلند کرنے والے تھے۔ جناب امام کا قلب صاف اور علم روشن اور نفس پاک اور خلقت شریف تھے اکے اوقات خدا کی اطاعت سے معمور تھے اور عارفوں کی سیر و مقامات میں اس قدر رسوخ رکھتے تھے کہ وصف کرنے والوں کی زبان اس سے قاصر ہے سلوک اور معارف میں ان کے اقوال نہایت کثیر ہیں۔" (ارجح المطالب ص: ۴۵۰)

نسب: آپ کا نسب شرافت و نجابت کے اعتبار سے دنیا کا اعلیٰ ترین، یکتا و بے نظیر نسب ہے۔ آپ کے پدر بزرگوار حضرت علیؑ بن حسینؑ بن علیؑ بن ابیطالب اور مادر گرامی ام عبداللہ فاطمہ بنت حضرت حسنؑ بن علیؑ بن ابیطالب تھیں اس طرح آپ امام حسنؑ کے نواسے اور امام حسینؑ کے پوتے ہونے کے باعث حسنی اور حسینی سادات کا نقطۂ اتحاد ہیں۔ ماں اور باپ دونوں کی طرف سے علوی اور نجیب الطرفین ہاشمی ہیں۔ یہ شرف کسی اور کا تو ذکر ہی کیا آئمہ معصومین بھی سوائے آپ کے کسی کو حاصل نہیں۔[2]

[1] المنجد، قمقمن من حیات الصادقین ص: ۶۷، [2] سواعق محرقہ ص: ۱۲۰، مطالب السول ص: ۲۶۹

سراپا: ابن شہرآشوب کا بیان ہے کہ آپ کا قد میانہ' چہرہ نرم و روشن اور بال گھونگھریالے تھے۔ رخسار پر ایک خال' کمر پتلی اور آواز نہایت دلکش وخوش آیندہ تھی۔ فصول المہمہ میں ہے کہ آپ کا رنگ گندم گوں تھا۔

اخلاق واطوار: آپ صادق اللہجہ وصادق القول تھے جو وعدہ کرتے اسے پورا فرماتے تھے۔ مبالغہ یا جھوٹ سے اپنی زبان کو آلودہ نہیں کرتے تھے۔ آپ نہایت خوش خلق تھے۔ طبیعت عمدہ مزاق کی حامل تھی۔ اپنے خاندان میں سب سے کم دولت مند لیکن سخاوت میں سب سے زیادہ سخی تھے۔ ہر جمعہ کو صدقہ کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ جمعہ کی برکت کے باعث صدقہ کا ثواب دگنا ہو جاتا ہے۔ جب آپ کو غم پہنچانے والا کوئی امر پیش آتا تو آپ اپنے تمام اہل وعیال کو اپنے گرد جمع کر لیتے تھے۔ پھر آپ دعا کرتے جاتے اور اہل خانہ آمین کہتے جاتے تھے۔ آپ ہر لحظہ اور ہر آن ذکر خدا میں مشغول رہتے تھے۔ کھانا کھاتے وقت راستہ چلتے وقت اور مجلس ومجمع میں جہاں لوگ خوش گپیوں میں مشغول ہوتے آپ کثرت سے خدا کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ پچھلی رات کو بچوں کو جمع کر کے تلاوت وعبادت میں مشغول رکھتے حتیٰ کہ صبح طلوع ہو جاتی تھی۔ کوئی سائل آپ کے در سے محروم نہیں لوٹتا تھا۔ اپنے مکان اور مسجد میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھتے تھے جس سے لوگ فیضیاب ہوتے تھے۔ معمولی لباس پہنتے تھے البتہ کبھی کبھی رنگین جامہ بھی زیب تن فرماتے تھے۔ سادہ غذا نوش فرماتے اور بوریہ پر جلوگر ہوتے تھے۔ حصول معاش کے لئے خود مزدوری کرتے اور محنت ومشقت سے روزی کماتے تھے۔ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ امام محمد باقرؑ تابعین اہل مدینہ کے تیسرے طبقہ میں سے تھے بڑے عالم' عابد اور ثقہ تھے۔

تعلیم وتربیت: آپ عالم علم لدنی تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو زیور علم ومعرفت سے آراستہ کر کے خلق فرمایا تھا۔ آپ نے اپنی عمر کے ابتدائی تین سال اپنے دادا حضرت امام حسینؑ کی آغوش تربیت میں گذارے۔ شہادت حسینؑ کے بعد چونتیس

سال اپنے پدر بزرگوار حضرت امام علی زین العابدینؑ کے سائیہ تربیت میں بسر کئے۔ ان دو آئمہ معصومین کی تعلیم وتربیت کے نتیجہ میں آپ علم واخلاق کی معراج پر فائز ہوئے اور آپ کا شہرہ ہر طرف پھیل گیا۔ حضرت امام محمد باقرؑ علم وشجاعت میں اپنے دادا علی مرتضیٰؑ کے ورثہ دار اور کرم واخلاق میں اپنے نانا محمد مصطفیٰؐ کے وارث وکار تھے۔ آپ صبر وشکر' تسلیم ورضا' تقویٰ وپرہیزگاری' زہد وورع' عبادت واطاعت الٰہی' سخاوت وشجاعت' ہمت وجرات' فصاحت وبلاغت الغرض محاسن اخلاق اور علم ومعارف کے ان تمام مدارج پر فائز تھے جن پر ایک انسانِ کامل اور ہادی برحق فائز ہوتا ہے۔

واقعات قبل از امامت

اموی حکمران: حضرت امام محمد باقرؑ کی ولادت یکم رجب ۵۷ھ سے آپ کے منصب امامت پر فائز ہونے یعنی ۲۵ محرم ۹۵ھ تک جن اموی بادشاہوں نے حکمرانی کی ان کے نام یہ ہیں:

۱) معاویہ بن ابوسفیان ۴۱ھ (۶۶۱ء) تا ۶۰ھ (۶۸۰ء)۔
۲) یزید بن معاویہ ۶۰ھ (۶۸۰ء) تا ۶۴ھ (۶۸۳ء)۔
۳) معاویہ بن یزید ۶۴ھ (۶۸۳ء)۔
۴) مروان بن حکم ۶۴ھ (۶۸۳ء) تا ۶۵ھ (۶۸۵ء)۔
۵) عبدالملک بن مروان ۶۵ھ (۶۸۵ء) تا ۸۶ھ (۷۰۵ء)۔
۶) ولید بن عبدالملک ۸۶ھ (۷۰۵ء) تا ۹۶ھ (۷۱۵ء)۔
۷) سلیمان بن عبدالملک ۹۶ھ (۷۱۵ء) تا ۹۹ھ (۷۱۷ء)

مذکورہ حکمرانوں کے ان ادوار میں حضرت علی زین العابدینؑ کا زمانہ امامت تھا۔ اس دور کے متعلقہ واقعات آپکے باب میں تحریر کئے جا چکے ہیں چونکہ یہی دور حضرت محمد باقر کے زمانہ امامت سے قبل کا بھی ہے اسلئے آپ سے متعلق انہی مذکورہ واقعات کے تسلسل میں مزید حالات یہاں درج کئے جا رہے ہیں۔

سیاسی حالات: حضرت امام محمد باقرؑ کی ولادت کے وقت بنی امیہ کے پہلے تاجدار معاویہ بن ابوسفیان کی حکمرانی کا آخری زمانہ تھا جبکہ وہ اپنے چہیتے بیٹے یزید کی ولیعہدی کیلئے کوشاں تھے۔ اس زمانہ میں ملت اسلامیہ عموماً اور افراد بنی ہاشم خصوصاً ایسے پرآشوب دور سے گذر رہے تھے جس میں طاقت' دولت اور

فریب ہر سہ طریقوں سے لوگوں کا دین خریدا جا رہا تھا' حکمران طبقے کے زہریلے پروپیگنڈے کے باعث زمانہ آل محمدؐ سے برگشتہ ہو رہا تھا' مسائل شریعہ کو دیدہ ودانستہ پس پشت ڈالا جا رہا تھا' خاندانِ رسول کو سرعام رسوا کیا جا رہا تھا' نفس رسول حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر برسر منبر سب وشتم کی بوچھاڑیں کی جا رہی تھیں' حامیان بنی ہاشم کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اسیر بنایا جا رہا تھا۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ان مصیبتوں اور آزمائشوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ بالآخر معاویہ فوت ہوئے اور ان کی کوششوں کے باعث ان کی موت کے بعد ان کا بیٹا یزید حکمران بنا۔ یزید کے عہدِ حکومت میں اس کے تین بڑے کارنامے ہیں۔ پہلا واقعہ کربلا جو محرم ۶۱ھ کو پیش آیا' یزید نے تخت نشین ہوتے ہی فرزندِ رسول حضرت امام حسینؑ کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا۔ اس کی اپنی حکمرانی کا سب سے پہلا فرمان جو جاری کیا وہ طلب سرِ حسین سے متعلق تھا۔ ایسے نازک وپرآشوب دور میں ابھی حضرت امام محمد باقر کی عمر مبارک تین سال ہی ہوئی تھی کہ وقت کی رفتار نے تیزی کے ساتھ واقعہ کربلا کے اسباب فراہم کر دیئے اور حضرت امام حسینؑ کو مدینہ سے مکہ اور پھر مکہ سے کربلا کا سفر کرنا پڑا۔ اس سفر میں جناب محمد باقر بھی شریک تھے۔ واقعہ کربلا اور بعد میں پیش آنے والے واقعات کا امام محمد باقر نے نہ صرف مشاہدہ کیا بلکہ ان روح فرسا واقعات میں خود بھی مبتلا رہے۔ ساتویں محرم سے پانی کا بند ہونا' روز عاشورہ صبح سے عصر تک امام حسینؑ کا لاشوں کا اٹھانا' بیبیوں کا کہرام کرنا' بچوں کا اضطراب' سید الشہداء کی شہادت' ذوالجناح کا خیام حسینی میں آنا' اہل واسباب کا لوٹا جانا' سیدانیوں کی رداؤں کا چھینا جانا' خیام حسینی کو آگ لگانا' شعلوں کے خوف سے بچوں کا سراسیمہ ہونا اور پھر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک کے طویل ودشوار گذار سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا' دربار کوفہ وشام میں اس طرح پیش کیا جانا اور ہر ہر مقام پر تحقیر وتذلیل کا برتاؤ روا رکھنا یہ تمام درد انگیز مناظر ومشاہدات تھے جن کے نقوش نے قلب معصوم پر انمٹ

گہرے اثرات مرتب کئے کہ آپ آخر حیات تک انہیں بھلا نہ سکے۔

دمشق کے قید خانہ سے رہائی پانے کے بعد اہلبیت رسول دمشق سے کربلا ہوتے ہوئے ۸ر ربیع الاول ۶۲ھ کو مدینہ پہنچے جہاں حضرت محمد باقر نے اپنی تمام تر توجہ حصول علم پر مرکوز رکھی اور اپنے والد محترم سے علوم دین حاصل کرتے رہے۔ اس دور میں آپ کو علمی مشاغل کے علاوہ کوئی اور کام نہ تھا۔

یزید کا دوسرا کارنامہ واقعہ حرہ جو ۶۳ھ میں پیش آیا جس میں تین دن تک اہل مدینہ کا قتل عام کیا گیا اس دوران بقول حافظ جلال الدین سیوطی تین سو چھ بڑے بڑے مہاجر و انصار صحابہ کرام شہید کئے گئے۔ اہل مدینہ کا مال و اسباب لوٹا گیا اور ان کی عورتوں کی عصمت دری کی گئی جس کے نتیجے میں ہزاروں ناجائز بچے پیدا ہوئے۔ مسلم نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ:

> ''رسول اللہ نے فرمایا ہے باشندگان مدینہ کے ڈرانے والے کو اللہ تعالیٰ ڈرائے گا اور اس ڈرانے والے پر اللہ' فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔'' (تاریخ الخلفاء، ص: ۲۳۰)

علامہ جلال الدین سیوطی نے واقدی کے حوالہ سے عبداللہ بن حنظلہ کی یہ روایت بھی تحریر کی ہے کہ: ''یزید پر ہم نے اس وقت حملہ کی تیاری کی جبکہ ہمیں یقین ہو گیا کہ اب آسمان سے پتھر برسیں گے کیونکہ لوگ اپنی ماؤں' بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کر رہے تھے' شرابیں پی رہے تھے اور نماز چھوڑ چکے تھے۔[1] یزید کا تیسرا کارنامہ احراق خانہ کعبہ ہے جو ماہ صفر ۶۴ھ میں پیش آیا۔ یزید کے حکم سے خانہ کعبہ کا محاصرہ کر کے اس پر منجنیق کے ذریعہ پتھر اور آگ برسائی گئی۔ اسی محاصرہ کے دوران اللہ تعالیٰ نے یزید کو اسکی تمام تر بداعمالیوں کیساتھ واصل جہنم کیا۔ اسی زمانہ میں ہر طرف سے انتقام خونِ حسین کی صدائیں بلند ہوئیں اور آخر کار مختار ثقفی نے قاتلانِ حسین کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر واصل جہنم کیا۔ اور ۱۴ر رمضان ۶۷ھ

[1] تاریخ الخلفاء، ص: ۲۳۰

کو مختار بھی مصعب بن زبیر کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ اس تحریک کے دوران بھی جناب محمد باقر اپنے پدر بزرگوار کے ہمراہ خانہ نشینی میں دن گذارتے رہے آپ نے کسی تحریک اور سیاسی ہنگامہ آرائی میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ حصول اقتدار کیلئے کوشاں عبداللہ بن زبیر بھی ۱۰ر جمادی الاول ۷۳ھ کو حجاج کے ہاتھوں مارے گئے۔

معاویہ ثانی: یزید بن معاویہ نے اپنی حیات میں اپنے بیٹے معاویہ ثانی کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا تھا لہٰذا یزید کی موت کے بعد معاویہ بن یزید کو حکمران بنا دیا گیا۔ یہ اپنے باپ اور دادا سے قطعی مختلف اور فطرتاً حلیم و سلیم الطبع صالح نوجوان تھا۔ وہ اپنے خاندان کی خطاؤں اور برائیوں کو نفرت کی نظر سے دیکھتا تھا اور علی و اولادِ علی کو مستحق خلافت سمجھتا تھا۔[1] وہ حضرت علی اور اولادِ علی کا معتقد تھا ان کے حق کو پہچانتا تھا۔ وہ اپنے دادا معاویہ اور باپ یزید کو خلافت کا اہل نہیں سمجھتا تھا اس کا برملا اقرار و اظہار اس نے اپنے خطبہ میں کیا۔ معاویہ ثانی کے اس تاریخی خطبہ کو ہم گذشتہ صفحات میں رقم کر آئے ہیں۔ اس خطبہ کے آخر میں اس نے اعلان کیا ''ہمارے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ یہ احساس ہے کہ ان (یزید) کا انجام بد ہے' انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کے لوگوں کو شہید کیا' حرم میں قتل و خونریزی کی' کعبہ کی بے حرمتی کی اور اسے خراب کیا' میں اس بار خلافت کا متحمل نہیں ہو سکتا' مشورہ کر کے کسی دوسرے کو خود منتخب کر لو''۔[2] یہ خطبہ دینے کے بعد وہ محل میں چلا گیا جسکے بعد اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ کچھ دنوں بعد اس کی لاش برآمد ہوئی۔ مورخین کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ اسکے خاندان والوں نے اسے زہر دیدیا۔ بقول علامہ جلال الدین سیوطی اس نے سلطنت کا کوئی کام انجام نہیں دیا۔ لوگوں کو نماز بھی نہ پڑھا سکا۔ قبل از مرگ لوگوں نے کہا کسی کو اپنا خلیفہ منتخب کر دیجئے تو جواب دیا میں نے خلافت

[1] تاریخ اسلام از ماسٹر ذاکر حسین ص: ۳۷ ج: ۱ [2] مسلمانوں کا نظم مملکت ص: ۶۰

کی شیرینی ہی سے استفادہ نہیں کیا تو اسکی تلخیاں کیوں برداشت کروں۔''[1] بوقت وفات اس کی عمر اکیس سال تھی۔

اقتدار کی کشمکش: معاویہ ثانی کی حکومت سے دستبرداری کے بعد خلافت کے بارے میں شدید نزاع پیدا ہو گیا۔ قبیلہ قیس جو بنی امیہ کی حکومت سے بیزار تھا اس نے ضحاک بن قیس فہری کی سرکردگی میں مرج رہط کے مقام پر جمع ہو کر عبداللہ بن زبیر کی بیعت کر لی۔ جبکہ قبیلہ کلب کے لوگ دمشق کے ایک موضع حابیہ میں جمع ہوئے وہ چاہتے تھے خالد بن یزید بن معاویہ کو حکمران بنائیں لیکن مروان بن حکم اور عمرو اشدق بن سعید بن العاص کے درمیان یہ طے ہو گیا تھا کہ اگر اشدق حکومت مروان کو دلوا دیگا تو مروان اپنے بعد خالد بن یز اور عمرو اشدق کو حسب ترتیب جانشین مقرر کرے گا۔ لہٰذا عمرو اشدق کی کوششوں سے حابیہ کے مقام پر مروان کی بیعت اس شرط کیساتھ ہوئی کہ اس کے بعد خالد اور عمرو اس کے جانشین ہوں گے۔ مروان زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ پایا صرف نو مہینہ حکمران رہا لیکن اسی دوران اس نے اپنی موت سے پہلے اپنے دونوں بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ اس طرح اس نے حابیہ میں ہونے والے معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے مروان نے اپنے بیٹے عبدالملک کے بعد عمرو اشدق کو جانشین مقرر کیا تھا لیکن عبدالملک نے اشدق کو قتل کر دیا۔[2] بنی امیہ کی سفیانی شاخ کی حکمرانی معاویہ ثانی پر ختم ہوئی اور مروان کی حکمرانی سے مروانی شاخ کا آغاز ہوا۔

اس طرح مملکت اسلامیہ کے واضح طور پر دو حکمران شام و حجاز میں تھے جبکہ عراق میں مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کی حکمرانی تھی اور اسی دوران تحریک انتقام خونِ حسین کے بانیاں سلیمان بن صرد' مسیب بن نجبہ' عبداللہ بن سعد بن نفیل' عبداللہ بن وال اور رفاعہ بن شداد چار ہزار کا لشکر لیکر ابن زیاد سے انتقام لینے کے

[1] تاریخ الخلفاء، ص: ۲۳۲ [2] تاریخ الخلفاء، ص: ۲۵۱

لئے کوفہ سے نکلے اور عین الورد کے مقام پر شامیوں سے شدید جنگ کی اور شہید ہوئے صرف رفاعہ اپنی باقی ماندہ ساتھیوں کو لیکر کوفہ پہنچے۔

مروان تقریباً نو مہینے حکومت کر کے ۶۵ھ میں انتقال کر گیا۔ اس کا لقب ''خیط باطل'' تھا۔ مروان کے بھائی عبدالرحمن بن حکم نے اس کی بابت ایک شعر میں کہا ہے کہ (ترجمہ) ''ان لوگوں کو اللہ ہلاک کرے جنہوں نے لوگوں پر (خیط باطل) باریک دھاگے کو امیر بنایا۔ وہ جو چاہتا ہے دیتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں دیتا۔''[1]

مختار کا انتقام: مروان بن حکم کی موت کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک مصر و شام کا بادشاہ بنا۔ اسی سال جناب سلیمان بن صرد خزاعی جنگ عین الورد میں شہید ہوئے جن کے بعد جناب مختار بن ابی عبید ثقفی نے انتقام خونِ حسین کی تحریک کو فروغ دیا اور تمام قاتلان حسین و انصار حسین کو چن چن کر واصل جہنم کیا حتیٰ کہ ۱۴ر رمضان ۶۷ھ کو کوفہ میں مصعب بن زبیر سے جنگ کرتے ہوئے مختار بھی میدان جنگ میں کام آگئے۔ بعض مورخین نے جناب مختار کے حالات زندگی کو تعصب کی روشنائی سے لکھا ہے، جس کو پڑھنے والے، صحیح صورتحال سے ناواقف ہونے کے باعث جناب مختار کی بابت اچھی رائے نہیں رکھتے۔ جبکہ شہید ثالث قاضی نور اللہ شوشتری نے تحریر فرمایا ہے کہ:

> ''علامہ حلی (علیہ رحمہ) نے مختار کو مقبول لوگوں میں شمار کیا ہے۔ امام محمد باقرؑ نے ان پر نکتہ چینی کرنے سے روکا ہے اور امام جعفر صادقؑ نے ان کیلئے رحمت کی دعا کی ہے۔'' (مجالس المومنین ص: ۳۳۶)

الغرض جناب مختار کی شہادت کے بعد عراق پر بھی عبداللہ بن زبیر کا متصرف ہو گیا۔ ادھر عبدالملک نے اپنی طاقت کو بڑھا کر حجاج بن یوسف کو کثیر فوج کے ساتھ عبداللہ بن زبیر پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا۔ حجاج نے وہاں پہنچ کر مکہ کا محاصرہ کیا۔ اہل مکہ ابن زبیر کا ساتھ چھوڑ کر حجاج سے جا ملے بالآخر جمادی

[1] مروج الذہب (مسعودی) ص: ۱۳

الاول ۷۳ھ کو حجاج نے عبداللہ بن زبیر کو شکست دی اور ابن زبیر کو گرفتار کر کے پھانسی دیدی جسکے بعد عبدالملک پوری مملکتِ اسلامیہ کا بادشاہ بن گیا۔ مکہ سے فارغ ہو کر حجاج نے مدینہ کا رخ کیا اور اہل مدینہ کو ذلیل کیا جو اصحاب رسولؐ اس وقت موجود تھے ان کیساتھ انتہائی ہتک آمیز سلوک کیا۔ انس بن مالک، جابر بن عبداللہ، سہل بن ساعد جیسے بزرگوں کے ہاتھ پیر رسیوں سے باندھ کر انہیں ذلیل و رسوا کیا۔ [1] اس تمام کارکردگی کے صلے میں عبدالملک نے حجاج کو عراق کا گورنر بنادیا۔ جہاں اس نے دوستداران اہلبیت اور افراد بنی ہاشم پر بے انتہا مظالم کئے۔

اسلامی سکوں کا آغاز: عبدالملک کے کارناموں میں سب سے بڑا کارنامہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے اسلامی سکوں کو رواج دیا۔ اکثر مورخین اس کی تفصیل بیان نہیں کرتے۔ جبکہ علامہ دمیری کی بیان کردہ تفصیل کو کچھ مورخین نے بیان کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ۷۵ھ تک اسلامی ممالک میں وہ سکے و دستاویزات رائج تھے جو رومی بادشاہت کے تحت مصر میں تیار ہوتے تھے اور ان پر رومی زبان میں "القدس" لکھا ہوتا تھا۔ عبدالملک نے مصر کے گورنر کو لکھا کہ مسلم ممالک کیلئے رومی ٹریڈ مارک کے بجائے "شھد اللہ ان' لا الٰہ الا ھو" لکھا جائے۔ گورنر مصر نے اس پر عملدرآمد کیا لیکن قیصر روم کو یہ عمل بے انتہا ناگوار گذرا۔ اس نے عبدالملک کو لکھا کہ سکوں اور تمسکات کی عبارت تبدیل نہ کی جائے۔ عبدالملک نے قیصر روم کی پیشکش کو قبول نہیں کیا اور اسکے سفیر کو معہ تحائف و ہدایہ جو اس نے بھیجے تھے واپس کردیا۔ قیصر روم نے مزید کوشش کی لیکن عبدالملک نے اس کے کسی خط کا جواب نہیں دیا۔ بالآخر قیصر روم نے لکھا کہ اگر تم میری تجویز قبول نہ کروگے تو میں تمہارے رسول کو گالیا سکوں پر نقش کر کے تمام ممالک میں پھیلا دوں گا۔ عبدالملک اس خط کو پڑھ کر بہت پریشان ہوا۔ اس نے اپنے علماء و فضلاء اور تمام اہل الرائے سیاستدانوں کا اجلاس بلاکر مشورہ طلب کیا لیکن کوئی بھی قابل

[1] تاریخ الخلفاء، ص: ۲۳۶

عمل مشورہ نہ دے سکا جسکے باعث عبدالملک بہت زیادہ پریشان ہوا۔ تب اس کے وزیر اعظم "ابن زنبا" نے اس مشکل کشائی کیلئے فرزند رسول حضرت محمد باقرؑ کا نام پیش کیا۔ عبدالملک نے فوراً عامل مدینہ کو لکھا کہ وہ آپ کو رضامند کر کے اسکے پاس بھیج دے۔ جب آپ وہاں پہنچے تو عبدالملک نے صورتحال سے آگاہ کیا۔ آپ نے فرمایا تم اسی وقت حکاک اور کاریگروں کو بلاکر درہم و دینار کے سکے ڈھلواؤ اور تمام اسلامی ممالک میں رائج کردو۔ ان سکوں پر ایک طرف کلمہ توحید دوسری طرف پیغمبر اسلام کا نام نامی اور ضرب سکہ کا سن لکھا جائے۔ آپ نے ان سکوں کے اوزان اور رسم الخط بھی بتایا۔ نیز یہ بھی ہدایت کی کہ ڈھالنے کی مشین (سانچہ) شیشے کا بنوایا جائے تاکہ سب سکے ہم وزن ہوں۔ عبدالملک نے ارشاد کی تعمیل کی۔ اور ان سکوں کو ممالک اسلامیہ میں رائج کردیا ساتھ ہی یہ حکم بھی نافذ کیا کہ رومی سکے کا لین دین قانوناً جرم ہے۔ اس کی بعد عبدالملک نے رومی سفیر جسے نظر بند کر رکھا تھا کے ذریعہ قیصر روم کو اطلاع کردی۔ جس پر وہ بہت چراغ پا ہوا۔ [1]

عبدالملک کا کردار: یحیٰ غسانی کا بیان ہے کہ عبدالملک اکثر و بیشتر اُم درداء صحابیہ کے پاس بیٹھا کرتا تھا ایک دن ان معظمہ نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم شراب نوشی کرتے ہو تو جواب دیا "بخدا خون خواری بھی کرنے لگا ہوں"۔ [2]

عبدالملک اور حجاج کی بابت علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی ذاتی رائے ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

> "میں جلال الدین سیوطی کہتا ہوں کہ عبدالملک اور حجاج میں کوئی فرق نہیں دونوں برابر ہیں۔ عبدالملک ہی نے حجاج کو صحابہ و ممتاز مسلمانوں پر حاکم اعلیٰ بنایا جس نے مسلمانوں کو ذلیل و خوار کیا، مارا پیٹا، گالیاں دیں۔ تابعین و صحابہ کا قتل عام کیا اور سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ مشہور صحابی حضرت انسؓ کی مشکیں کسوائیں، نخدی بندھوائی اور طرح طرح کی سخت ترین تکلیفیں پہنچائیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے ظالم کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔" (تاریخ الخلفاء ص: ۲۵۱)

[1] حیواۃ الحیوان دمیری ص: ۶۳ ج: ۱ طبع مصر [2] تاریخ الخلفاء، ص: ۲۳۶

عبدالملک بن مروان کی بنی ہاشم سے دشمنی کا ایک نمونہ تاریخ کامل میں اس طرح مرقوم ہے کہ ۹۱ھ میں بغرض حج مکہ گیا۔ حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ پہنچا وہاں ایک روز منبر رسول پر خطبہ دے رہا تھا کہ اس کی نظر امام حسنؑ کے بیٹے حسن مثنیٰ پر پڑی جو جناب سیدہ کے مکان میں بیٹھے تھے۔ خطبہ سے فارغ ہو کر والئی مدینہ عمر بن عبدالعزیز کو طلب کر کے کہا "تم نے اب تک حسن بن حسن کو اس مکان میں کیوں رہنے دیا۔ میں نہیں چاہتا کہ آئندہ ان لوگوں کو یہاں دیکھوں۔ یہ مکان ان سے خالی کرالیا جائے اور اسے خرید کر مسجد میں شامل کردیا جائے۔" حسن مثنیٰ اور ان کی زوجہ فاطمہ بنت حسینؑ اور ان کی اولاد نے مکان چھوڑنے سے انکار کیا تو ولید نے حکم دیا کہ مکان کو ان لوگوں پر گرادو۔ پھر لوگوں نے زبردستی ان کا مال اسباب باہر نکال کر پھینک دیا۔ مجبوراً یہ لوگ وہاں سے نکل کر بیرون مدینہ سکونت پذیر ہوئے۔

کچھ عرصہ بعد اسی قسم کا واقعہ جناب حفصہ کے مکان کا بھی پیش آیا جو اولاد حضرت عمرؓ کے قبضہ و تصرف میں تھا جب ان سے مکان خالی کرنے کو کہا تو انہوں نے انکار کیا۔ حجاج بن یوسف اس وقت مدینہ میں تھا اس نے چاہا کہ مکان کو گرادے مگر جب ولید کو اس کا علم ہوا تو اس نے عمر بن عبدالعزیز والئی مدینہ کو لکھا کہ "اولاد عمر بن خطاب کی رضاجوئی میں کمی نہ کرو۔ ان کا احترام ملحوظ خاطر رکھو۔ اگر وہ مکان فروخت کرنے پر راضی نہ ہوں تو انکے رہنے کیلئے مکان کا ایک حصہ چھوڑ دو اور انکی آمدورفت کیلئے مسجد کی جانب ایک دروازہ بھی رہنے دو۔" [1]

عبدالملک کی موت کے بعد اس کا بیٹا ولید تخت نشین ہوا۔ ولید پڑھنے لکھنے سے عاری، صرف و نحو سے ناواقف اور ظالم و ستمگر شخص تھا۔

ابونعیم نے حلیۃ الاولیا میں ابن شوذب کے حوالہ سے عمر بن عبدالعزیز کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ولید بن عبدالملک شام میں، حجاج عراق میں، عثمان بن

[1] جذب القلوب ص: ۱۷۳، وفاءالوفاء، ص: ۳۶۳ ج: ۱

حیارہ حجاز میں اور قرہ بن شریک مصر میں ظالم حاکم کار فرما ہیں اور پوری دنیا میں ظلم و ستم ہو رہا ہے۔ [1] اسی ظالم بادشاہ ولید بن عبدالملک نے حضرت امام علی زین العابدینؑ کو زہر دے کر شہید کرایا تھا۔ حضرت امام زین العابدینؑ کی شہادت ۲۵ محرم ۹۵ھ کے بعد آپ کے فرزند حضرت محمد باقر منصب امامت پر فائز ہوئے۔ حضرت امام محمد باقرؑ کی زندگی کا دوسرا دور یہیں سے شروع ہوتا ہے۔

امامت: حضرت امام زین العابدینؑ کے انتقال کے وقت آپ کی تمام اولاد آپ کے گرد جمع تھی ان کی موجودگی میں آپ نے اپنے فرزند محمد باقر کو وصیت فرمائی اور ایک صندوق جس میں جناب رسالتمآب کے اسلحہ و تبرکات و چند صحیفے تھے حوالہ کیا۔ اسکے بعد ارشاد فرمایا جب میں رحلت کر جاؤں تو تم ہی مجھ کو غسل و کفن دینا۔ کیونکہ امام ہی امام کو غسل و کفن دیتا ہے۔ [2] جناب محمد باقرؑ نے حسب ہدایت عمل فرمایا۔ اسطرح ۲۵ محرم الحرام ۹۵ھ مطابق ۳۰ اکتوبر ۷۱۳ھ کو آپ درجہ امامت پر فائز ہوئے۔

[1] تاریخ الخلفاء، ص: ۲۵۳ [2] اصول کافی کتاب الحجہ ص: ۱۸۸

واقعات بزمانۂ امامت

اموی حکمران: آپ کے زمانہ امامت ۲۵ محرم الحرام ۹۵ھ تا ۷/ذی الحجہ ۱۱۴ھ میں یہ چار اموی حکمران تھے۔ سلیمان بن عبدالملک ۹۶ھ (۷۱۵ء) تا ۹۹ھ (۷۱۷ء)، عمر بن عبدالعزیز ۹۹ھ (۷۱۷ء) تا ۱۰۱ھ (۷۲۰ء)، یزید بن عبدالملک ۱۰۱ھ (۷۲۰ء) تا ۱۰۵ھ (۷۲۴ء)، ہشام بن عبدالملک ۱۰۵ھ (۷۲۴ء) تا ۱۲۵ھ (۷۴۳ء)۔

سلیمان بن عبدالملک نے اپنے آخری ایام ۹۹ھ میں رجاء بن حیاۃ کے مشورے پر عمر بن عبدالعزیز کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ بقول مسعودی سلیمان بن عبدالملک بہت کھانے والا تھا اس کی پرخوری کا عالم یہ تھا کہ وہ ایک وقت میں ایک سو رطل شامی کھانا کھاتا تھا۔ (ایک رطل تقریباً آدھ سیر کے برابر ہوتا ہے) اس کا ناشتہ بیس بھیڑ کے بچے اور چالیس روٹیاں ہوا کرتی تھیں۔ پھر بدستور دن کا کھانا ستر انار، ایک چھ مہینہ کا بکرا، چھ مرغیاں اور بقول مسعودی چھ سیر منقے (اور بقول جلال الدین سیوطی تین پاؤ طائف کی کشمش) ایک ہی وقت میں ایک ہی دسترخوان پر کھا جاتا تھا۔[۱] ایک مرتبہ اس نے اپنے حُسن و جمال پر بڑا ناز کیا اور پیغمبر اسلام سے مشابہت کی تو ایک مہینہ بھی نہیں گزرا کہ اچانک بیمار ہو کر مر گیا۔ اس کی وصیت کے مطابق عمر بن عبدالعزیز ۹۹ھ میں حکمران ہوئے۔

عمر بن عبدالعزیز: آپ بنی امیہ میں بہترین بادشاہ تھے انہوں نے بنی ہاشم سے نرمی برتی جس کے باعث ان کے زمانہ میں بنی ہاشم کو قدرے سکون میسر آیا۔ انہوں نے اپنی قلیل مدت حکومت میں عدل و انصاف کو فروغ دیا اور دیگر بہترین

[۱] مروج الذہب ص: ۱۱۲ ج: ۳ تاریخ الخلفاء ص: ۲۵۵

کاموں کی بنیاد ڈالی۔ دیگر اموی حکمرانوں نے بنو ہاشم کے جو حقوق پامال کر رکھے تھے انہیں بحال کرنے کی کوشش کی مثلاً بقول مسعودی:

> ''عمر بن عبدالعزیز نے اپنے مدینہ کے عامل کو حکم بھیجا کہ دس ہزار دینار علیؑ کی اولاد میں تقسیم کر دے۔ اس نے استفسار کیا کہ قریش کے متعدد قبائل ہیں ان کی اولاد موجود ہے کسے یہ رقم دی جائے؟۔ عمر نے جواب دیا کہ یہ کیا مہمل بات پوچھتے ہو اگر میں تم کو بکری ذبح کرنے کا حکم دیتا تو تم اس کے متعلق مجھ سے دریافت کرتے کہ آیا وہ سیاہ ہو یا سفید؟ جس وقت میرا یہ خط تم کو ملے اسی وقت تم علی کی اولاد میں جو فاطمہ سے ہے دس ہزار دینار تقسیم کر دو۔ کیونکہ مدت سے تم سب ان کے حقوق پامال کرتے آئے ہو''۔
>
> (مروج الذہب ص: ۱۲۷ مطبوعہ کراچی)

انہوں نے معاویہ بن ابوسفیان کی سنت جو ۴۱ھ سے جاری تھی جس میں مساجد کے ہر ممبر سے ہر جمعہ کے بعد خطبہ میں حضرت علیؑ پر سب شتم کیا جاتا تھا اس قبیح رسم کو حکماً بند کرایا اور جاگیر فدک کو واپس کیا۔

فدک: مدینہ سے دو دن کی مسافت پر فدک کا نہایت سرسبز و شاداب علاقہ تھا۔ بقول یاقوت حموی اس علاقے میں خرمے کے باغات کثرت سے تھے اور پانی کے بہت سے چشمے تھے جن سے پانی ابلتا تھا۔ یہ زرخیز و دولتمند علاقہ اہل یہود کے ہاتھوں میں تھا۔ فدک کی حقیقت کے بارے میں ابن اسحاق کا بیان ہے کہ:

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خیبر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اہل فدک کے قلوب میں ہیبت ڈال دی۔ جب انہیں خیبر کے واقعات کی اطلاع ملی تو انہوں نے رسول اللہؐ کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم فدک میں نصف نصف پر مصالحت کرنا چاہتے ہیں----- آپ نے مصالحت کی درخواست قبول فرمائی۔ اس وجہ سے فدک خالص رسول اللہؐ کے لئے ہو گیا۔ کیونکہ اس پر گھوڑوں اور اونٹوں کو نہیں دوڑایا گیا۔ (سیرۃ ابن ہشام ص: ۴۱۹ ج: ۳ مطبوعہ لاہور)

طبری، زرقانی اور ابوالفدا نے بھی یہی لکھا ہے۔ اور علامہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور میں تحریر کیا ہے کہ ''بزاز، ابویعلی اور ابی حاتم نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ جب آیت وات ذی القربا حقہ نازل ہوا تو رسول اللہؐ نے فدک کی جائیداد حضرت فاطمہ کو عطا کی۔''[۱] دیگر محدثین مثلاً ام حاکم اور ملا متقی وغیرہ نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

ہبہ فدک کی یہ حقیقت اتنے متواتر اور معتبر اسناد سے لکھی گئی ہے کہ اس سے انکار ممکن ہی نہیں لیکن پھر بھی اس موضوع پر بحث و مباحثہ کا طویل سلسلہ جاری رہا ہے۔

الغرض جب عمر بن عبدالعزیز نے فدک واپس کیا تو آل مروان سخت برہم ہوئی۔ بنو امیہ سب کچھ برداشت کر سکتے تھے لیکن انہیں یہ ہرگز برداشت نہ تھا کہ انکے قبیلے کے حکمران کا رجحان بنو ہاشم کی طرف ہو۔ لہٰذا انہوں نے رجب ۱۰۱ھ میں عمر بن عبدالعزیز کو زہر دیکر ہلاک کر دیا۔ ان کی مدت حکومت صرف دو سال پانچ ماہ تھی۔ آپ ۸۶ھ سے ۹۳ھ تک مدینہ کے گورنر بھی رہے۔

فدک کی واپسی: جاگیر فدک کی واپسی کے سلسلہ میں مورخین کے دو نظریات ہیں ایک گروہ کا کہنا ہے کہ اولاد فاطمہ کے نمائندے کی حیثیت میں فدک امام محمد باقرؑ کو واپس کیا گیا جبکہ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ یہ جاگیر اسی حالت پر واپس کی گئی جس پر حضرات شیخین کے زمانہ میں تھی۔ ہر دو نقطۂ نظر سے متعلق چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

مسٹر ذاکر حسین دہلوی کا خیال ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے فدک اولاد فاطمہ کو واپس دیدیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

> ''باغ فدک جو رسول اللہ صلعم کی ملکیت تھا اور ان جناب کے ورثاء کو نہ ملا تھا اور بعد میں عثمان نے مروان کو دے ڈالا تھا۔ ان جناب کی اولاد کو واپس دیدیا۔'' (تاریخ اسلام ص: ۴۳ ج: ۱ مطبوعہ دہلی)

[۱] بحوالہ تاریخ احمدی ص: ۶۴

ابن شہر آشوب نے معاذ بن جبل کی ایک تفصیلی روایت بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب عمر بن عبدالعزیز حکمران ہونے کے بعد مدینہ آئے تو منادی کرائی کہ ہر وہ شخص جو داد و انصاف چاہتا ہے یا جس پر ظلم ہوئے ہیں وہ حاضر ہو۔ پس جناب محمد باقرؑ ان کے پاس گئے۔ عمر بن عبدالعزیز نے ان کا استقبال کیا اور مناسب جگہ پر بٹھایا۔ امام محمد باقرؑ نے ان سے دنیا کے نفع نقصان، حق و باطل اور غصہ کی کیفیت وغیرہ کی بابت گفتگو کی۔ جس کے بعد عمر بن عبدالعزیز نے دوات کاغذ منگایا اور لکھا ''بذریعہ اس تحریر کے عمر بن عبدالعزیز واپس کرتا ہے محمد بن علی بن حسین کو فدک جو ان سے بذریعہ ظلم لے لیا گیا تھا۔''

شہید ثالث قاضی نور اللہ شوشتری نے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے ہم اس بیان میں سے متعلقہ اقتباس کا ترجمہ نقل کر رہے ہیں۔

> ''جب خلافت عمر بن عبدالعزیز کو پہنچی تو اس نے فدک اولاد فاطمہ کو رد کر دیا۔ بنو امیہ اور اہل شام نے کہا کہ تم نے فدک کو اس طرح واپس کرنے میں ابوبکر و عمر پر طعن کیا ہے کہ وہ غلطی پر تھے اور ظالم تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ یہ تو ہم سب کے نزدیک امر مسلمہ ہے کہ فاطمہ دختر رسول تھیں، ان کے قبضہ میں فدک تھا۔ فدک چھننے کے بعد انہوں نے دعویٰ کیا اور علی و ام ایمن کو گواہ گزارا۔ یہ ان کی شان سے بعید تھا کہ وہ جھوٹ بولتیں یا جھوٹا دعوا کرتیں۔ میرے نزدیک تو فقط ان کا دعویٰ کرنا ہی کافی تھا۔ گواہی کی ضرورت نہ تھی۔ اور میں نے فدک واپس کرنے میں انصاف کیا ہے۔۔ القصہ عمر بن عبدالعزیز نے منافقین کی ناک اینٹھ کر فدک کو جناب محمد الباقر کو دیدیا اور وہ ان کے پاس تھا یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیز فوت ہو گئے اسکے بعد ۔۔۔ بنو عباس کے بادشاہوں مثلاً مامون، معتصم و واثق نے فدک اولاد فاطمہ کو واپس کر دیا اور جب متوکل ناصبی کی نوبت آئی تو اس نے فدک چھین کر اپنے حجام کو دیدیا۔ اس کے بعد معتضد نے واپس دیدیا۔ مکتفی نے پھر لے لیا اور مقتدر نے واپس کر دیا۔ (مجالس المومنین ص: ۲۲ بحوالہ نور المشرقین ص: ۱۶۴)

مولانا عبدالسلام ندوی نے ابوداؤد اور ابن سعد وغیرہ کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ فدک جو اس وقت عمر بن عبدالعزیز کے قبضہ میں تھا اور جس پر ان کے اہل وعیال کی معاش کا تمام تر دارومدار تھا۔ اس وقت جاگیر فدک کی سالانہ آمدنی دس ہزار دینار تھی۔ لیکن عمر بن عبدالعزیز نے خلیفہ ہونے کے بعد معلومات حاصل کیں جب انکشاف حقیقت ہوا تو عام مروانی خاندان کو جمع کر کے کہا:

"فدک خاص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خالصہ تھا' جسکی آمدنی آپ اپنی اور بنو ہاشم کی مختلف ضروریات میں صرف کرتے تھے حضرت فاطمہؑ نے آپ سے اسکو مانگا تھا لیکن آپ نے انکار فرمادیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ تک اسی کے موافق عمل ہوتا رہا لیکن آخر میں مروان نے اس کو اپنی جاگیر میں داخل کرلیا۔ اسکے بعد وہ میرے قبضہ میں آیا۔ لیکن جو چیز رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت فاطمہ کو نہیں دی اس میں میرا کوئی حق نہیں ہے' اور میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ فدک کی جو حالت عہد رسالت میں تھی اس کو اسی طرف لوٹاتا ہوں۔" (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز بحی: ۳۹' تاریخ الخلفاء، ص: ۲۶۲)

علامہ بلاذری نے اپنی کتاب میں وہ خطبہ نقل کیا ہے جس میں جاگیر فدک کو واپس کرنے کا حکم واعلان کیا گیا تھا۔ ہم اس خطبہ کے ایک جز کا ترجمہ پیش کرتے ہیں:

"فدک جناب رسول خدا کی ملکیت تھا خدا نے ان کو دیا تھا کیونکہ مسلمانوں نے اس کیلئے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے تھے جناب فاطمہ نے رسول خدا سے مانگا کہ مجھے دیدو۔ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ یہ تمہارے لئے مناسب نہ تھا کہ تم یہ سوال مجھ سے کرتیں اور نہ میرے لئے یہ مناسب ہے کہ یہ میں تم کو دیدوں پس جناب رسول خدا اس کی آمدنی مسافروں پر خرچ کرتے تھے۔ پھر حضرت ابوبکر' عمر' عثمان وعلی یکے بعد دیگرے والئی خلافت ہوئے تو انہوں نے بھی فدک کو اسی طرح رہنے دیا جس طرح رسول خدا نے رکھا تھا پھر معاویہ خلیفہ ہوئے انہوں نے فدک کو مروان کے حق میں بطور

جاگیر کے دیدیا۔ اور مروان نے میرے والد اور عبدالملک کے حق میں ہبہ کردیا۔ پھر انکے بعد میں ولید وسلیمان اس کے مالک ہوئے جب ولید بادشاہ ہوا تو میں نے اس کا حصہ جو فدک میں تھا اس سے مانگا اس نے مجھے ہبہ کردیا۔ پس اب کل کا مالک میں ہوگیا اور مجھے کوئی مال فدک سے زیادہ پسند نہ تھا۔ اب تم لوگ گواہ ہو کہ میں فدک کو اسی حالت میں واپس کرتا ہوں جس میں وہ پہلے تھا۔"

(فتوح البلدان ص: ۴۵ مطبوعہ مصر)

جاگیر فدک کی واپسی کی بابت سمہودی نے روایت لکھی ہے کہ: (ترجمہ)

"جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو انہوں نے عامل مدینہ کو حکم نامہ لکھا کہ فدک اولاد فاطمہ کو واپس کردیا جائے چنانچہ ان کے زمانہ خلافت تک فدک انہی (اولاد فاطمہ) کے ہاتھوں میں رہا مگر جب یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو اس نے لے لیا اس وقت سے برابر بنی امیہ ہی کے ہاتھوں میں رہا یہاں تک کہ ابوالعباس سفاح حاکم ہوا تو اس نے حسن بن حسن بن علی ابن ابیطالب کو دیدیا وہ اُس کا انتظام کرتے تھے اور اس کی آمدنی اولاد علی میں تقسیم کردیا کرتے تھے۔ جب منصور خلیفہ ہوا اور اولاد امام حسن نے اس سے جنگ کی تو اُس نے پھر ضبط کرلیا اس کے بعد جب مہدی عباسی خلیفہ ہوا تو اس نے پھر انہی لوگوں کو واپس کردیا' پھر موسیٰ بن ہادی نے قبضہ کرلیا اور اس کے بعد مامون کے زمانہ تک خلفاء قابض رہے مامون کا وقت آیا تو اولاد علی کا نمایندہ آیا اور اس نے فدک کا مطالبہ کیا مامون نے واپسی کا نوشتہ لکھنے کا حکم دیا۔ جب وہ لکھا جاچکا تو مامون کے سامنے پڑھا گیا۔ جس کو سن کر دعبل کھڑے ہوئے اور قصیدہ پڑھا۔"

(تاریخ وفاء الوفا ص: ۱۶۰ ج: ۲)

دعبل شاعر تھے ان کے قصیدے کا ایک شعر جسے یاقوت حموی نے مذکورہ بیان کے آخر میں لکھا ہے۔ ع

صبح وجعالمزمان قل ضحکا بردّ مامون هاشما قل کا

(معجم البلدان ص: ۲۳۳ ج: ۹)

ترجمہ: زمانہ کا چہرہ شگفتہ ہوگیا اس بات سے کہ مامون نے بنی ہاشم کو فدک واپس کردیا۔

یاقوت حموی نے مزید وضاحت اس طرح کی ہے وہ لکھتا ہے کہ:

"مامون نے قثم ابن جعفر عامل مدینہ کو لکھا ہے کہ فدک جناب رسول خدا نے اپنی بیٹی فاطمہ کو دیدیا تھا اور انہی پر خرچ کرتے تھے یہ اولاد رسول میں مشہور ومعروف بات ہے، چنانچہ جناب فاطمہ اس لئے اس کے متعلق برابر دعویٰ فرماتی رہیں ایسا کہ وہ مستحق ترین انسان ہیں اس امر کی کہ ان کے دعوے کی تصدیق کی جائے۔ میری رائے یہ ہے کہ فدک انکے وارثوں کو واپس کردیا جائے اور محمد بن یحییٰ بن حسین بن زید (شہید) بن علی بن حسین بن علی بن ابیطالب اور محمد بن عبداللہ بن حسین بن علی بن حسین بن علی بن ابیطالب کے سپرد کردیا جائے تاکہ وہ لوگ اپنے اہل وعیال کیلئے اس کا انتظام کریں۔"

(معجم البلدان ص: ۲۳۵ ج: ۲)

مامون نے یہ فرمان مورخہ ۲رذی القعدہ ۲۱۰ھ روز چارشنبہ (۱۴ر فروری ۸۲۶ء) کو تحریر کیا۔ جسکی تفصیل کیلئے البلاغ المبین حصہ دوئم ملاحظہ ہو۔

مذکورہ بالا مستند بیانات سے جاگیر فدک کی پوری تفصیل واضح ہو جاتی ہے یعنی اس جاگیر کا جناب رسلتماب کا خالصہ ہونا۔ بحکم خدا' رسول خداؐ کا حضرت فاطمہ زہراؑ کو حبہ کرنا اور انکے قبضہ وتصرف میں ہونا' وفات رسولؐ کے بعد بنت رسولؐ کو اس جاگیر سے جبراً دستبردار کرنا' حاکم وقت کے روبرو بنت رسولؐ کا دعویٰ دائر کرنا اور گواہ پیش کرنا' حاکم وقت کا دعوے کو رد کرکے اپنی تحویل میں لے لینا' پھر حضرت عثمان کا مروان بن حکم کو بخشنا اور جاگیر فدک کا حاکم وقت کی سرکاری تحویل سے نکل کر شخصی وموروثی تحویل میں چلے جانا' پھر وارثتاً عمر بن عبدالعزیز کی ملکیت قرار پانا' خلافت ملنے کے بعد عمر بن عبدالعزیز کا سابقہ حالت میں بحال کرنا یا حضرت امام محمد باقرؑ کو واپس لوٹانا' عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد پھر حکمرانوں کے قبضہ وتصرف میں چلے جانا' بنی امیہ کی حکومت کے خاتمہ کے بعد عباسی حکمرانوں کے قبضہ میں آجانا' بنوعباس کے دور حکومت میں ایک بادشاہ کا اولاد علی وفاطمہ کو واپس کرنا اور دوسرا بادشاہ کا ان سے چھین لینا یہ ایک طویل سلسلہ جاری رہا۔ انہی واقعات سے جاگیر فدک کی پوری تاریخ مرتب ہوتی ہے۔

عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد یزید بن عبدالملک جسے یزید ثانی بھی کہا جاتا ہے حکمراں بنا۔ یہ ۱۰۱ھ سے ۱۰۵ھ تک حکمراں رہا لیکن اسکے دور حکومت میں کوئی قابل ذکر واقع پیش نہیں آیا۔ اسکے بعد ہشام بن عبدالملک ۱۰۵ھ میں تخت نشین ہوا۔

ہشام تقریباً بیس سال تک حکمراں رہا۔ یہ بہت چست و چالاک' کنجوس ومتعصب' چال باز وسخت مزاج' حریص وخودسر' کانوں کا کچا اور حد درجہ شکی تھا۔ یہ رسولؐ اور اہل بیت کا بدترین دشمن تھا۔ اس کے ایما پر اسکے ماتحت گورنر اپنے اپنے علاقوں میں آل رسول کی تضحیک اور آل مروان کی تعریف میں زمین و آسمان ایک کردیتے تھے۔ ان میں گورنر کوفہ خالد بن عبداللہ قسری کا تو یہ حال تھا کہ وہ ہشام کو رسولؐ سے افضل بتاتا اور اس کا پروپیگنڈہ کیا کرتا تھا۔[۱] ہشام ہی نے حضرت زید شہید کو بیدردی سے قتل کرایا۔ اور اپنے زمانہ ولیعہدی میں فرزدق شاعر کو امام زین العابدینؑ کی مدح کہنے کے جرم میں قید کرایا۔ مسعودی نے ہشام کی بابت لکھا ہے کہ:

"ہشام احول تھا' نہایت سخت مزاج' کھر ا' روکھا اور بخیل تھا۔ اسے دولت جمع کرنے' زمینوں کو آباد کرنے اور گھوڑے جمع کرنیکا شوق تھا۔"

بادشاہ وقت کی پیروی میں عام رعایا بھی بخل سے کام لینے لگی۔ اور

"ہر شخص کو دولت جمع کرنے کی دھن تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جود وسخا عنقا ہوچکی تھی اور ایسا سخت ومشکل زمانہ اس سے پیشتر دیکھنے میں نہیں آیا۔" (مروج الذہب ص: ۱۵۲)

مورخین نے اس کا ایک واقع یہ بیان کیا ہے کہ حکمراں ہونے کے بعد ہشام حج کی غرض سے مکہ آیا اور اپنے غلام سالم پر تکیہ لئے مسجد الحرام میں پہنچا۔ وہاں حضرت محمد باقرؑ پہلے سے موجود تھے اور لوگوں کو پند ونصائح سے بہرہ ور فرما رہے تھے۔ آپ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ یہ دیکھ کر اسکی رگِ تعصب

[۱] تاریخ کامل ص: ۱۰۳ ج: ۵

پھڑک اٹھی۔ اس نے آپکی تذلیل کی خاطر اپنے غلام سالم کے ذریعہ آپ سے دریافت کرایا کہ "یوم حشر جب تک لوگوں کا حساب کتاب ختم ہوگا وہ کیا کھائیں گے۔" امام نے جواب میں ارشاد فرمایا "لوگوں کا حشر ایسے قطعہ پر ہوگا جہاں میوے دار درخت اور نہریں جاری ہوں گی۔ اور لوگ وہاں پر کھائیں پئیں گے یہاں تک کہ حساب سے فارغ ہوں۔" اس نے پھر کہلوایا کہ "حشر میں لوگ اپنی مصیبتوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہوں گے انہیں کھانے اور پینے کا ہوش کہاں ہو گا۔" امام نے جواب میں ارشاد فرمایا "جہنم میں ہونا اس سے بھی زیادہ مصیبت ہے لیکن قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ (ترجمہ) اور دوزخ والے اہل بہشت سے کہیں گے کہ ہم پر تھوڑا سا پانی ہی انڈیل دو یا جو نعمتیں خدا نے تم کو دی ہیں ان میں سے ہم کو دو۔[1] جب جہنم میں بھی لوگ کھانا پینا نہیں بھولیں گے تو حشر و نشر میں کیسے بھول جائیں گے۔ آپکا یہ جواب سن کر وہ اپنی حرکت پر بہت نادم ہوا۔[2]

ہشام کا ایک اور واقعہ محمد ابن جریر طبری نے امام جعفر صادقؑ کی زبانی لکھا ہے کہ ایک سال ایام حج میں وہ مکہ آیا ہوا تھا۔ امام محمد باقرؑ اور جناب جعفر صادقؑ بھی مکہ میں موجود تھے جناب جعفر صادق مجمع عام میں خطبہ دے رہے تھے جس میں آپ نے اور باتوں کے علاوہ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس خدا کا شکر ہے جس نے محمدؐ کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور ہم کو محمد کی وجہ سے فضیلت عطا فرمائی۔ ہم خدا کے برگزیدہ بندے ہیں اور زمین پر اسکے خلیفہ اور حجت ہیں۔ وہ سعید ہے جس نے ہماری پیروی کی اور وہ شقی ہے جس نے ہم سے عداوت کی۔ ہشام کو اس خطبہ کی اطلاع دی گئی۔ اس وقت تو وہ خاموش رہا لیکن دمشق پہنچنے کے بعد اس نے حاکم مدینہ کو لکھا کہ محمد بن علی اور جعفر بن محمد کو دمشق روانہ کر دے چنانچہ آپ حضرات دمشق بھیجے گئے۔ تین روز تک دربار میں رسائی کی اجازت نہ ملی چوتھے روز جب دربار میں بلوائے گئے تو دیکھا کہ ہشام تخت پر بیٹھا ہے اور اسکے

[1] سورۃ الاعراف آیت: ۵۰ [2] الارشاد ص: ۲۰۸ تاریخ آئمہ ص: ۴۱۳

لشکر کے لوگ مکان کے وسط میں نصب ایک بڑے نشان پر شرطیہ تیراندازی کر رہے ہیں۔ ہشام نے امام باقرؑ سے کہا کہ اے محمد تم بھی اس نشان پر تیر مارو۔ آپؑ نے فرمایا میں بوڑھا ہو گیا ہوں مجھے معاف کردو تو بہتر ہے۔ ہشام نے قسم کھا کر کہا کہ یہ ہرگز نہ ہوگا۔ اس نے ایک شخص سے کہا کہ آپ کو تیر کمان دے۔ پس جناب محمد باقرؑ نے تیر کمان لے لی اور ٹھیک نشانہ کے بیچ میں تیر پیوست کر دیا۔ پھر دوسرا تیر مارا جو پہلے تیر کے پیکان پر بیٹھا۔ اسی طرح آپ نے یکے بعد دیگرے نو تیر اسطرح مارے کہ ایک تیر دوسرے کے نشان پر لگتا رہا۔ یہ دیکھ کر ہشام مضطرب ہو گیا کیونکہ اس کی غرض تو آپ کی تذلیل تھی لیکن وہاں یہ کمال ظاہر ہوا۔ کچھ دیر وہ سر جھکائے اپنے خیالات میں گم بیٹھا رہا۔ پھر اس نے معانقہ کیا اور اپنے پاس بٹھالیا۔ اور امام محمد باقرؑ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا "آپ کی وجہ سے اگر قبیلہ قریش ہمیشہ عرب و عجم پر فخر کریں تو بجا ہے۔ آپ کو یہ فن تیراندازی کس نے تعلیم کیا۔" امام نے فرمایا "تم کو علم ہے کہ یہ ہنر اہل مدینہ میں عام ہے۔ میں بھی ایام طفولیت میں یہ شغل کرتا تھا۔" ہشام نے کہا "میں نے کبھی ایسا عمدہ تیرانداز نہیں دیکھا اور میرا گمان ہے کہ تمام روئے زمین پر ایسا صحیح تیرانداز نہ ہوگا۔" امام نے فرمایا "بادشاہ ہم معدن رسالت ہیں ہمارا مقابلہ کسی امر میں بھی کوئی نہیں کرسکتا" یہ سن کر ہشام کو غصہ آگیا وہ بولا "آپ لوگ بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں۔ آپ کے دادا علی بن ابیطالب نے غیب کا دعویٰ کیا"۔ آپ نے فرمایا "بادشاہ قرآن مجید میں سب کچھ موجود ہے۔ اور حضرت علیؑ امام مبین تھے انھیں سب کچھ معلوم تھا"۔ الغرض اس قسم کی باتیں ہوئیں۔ اسکے بعد امام محمد باقرؑ نے مدینہ جانے کی اجازت چاہی۔ ہشام نے فوراً منظور کرلی کیونکہ اسے خطرہ ہو گیا تھا کہ امام کا وہاں ٹھہرنا اس کیلئے مزید شرمندگی و ندامت کا باعث ہوگا۔[1]

[1] جلاء العیون ص: ۳۶۳

نصرانی راہب: ہشام کے دربار سے رخصت ہونے کے بعد حضرت امام محمد باقرؑ و جناب جعفر صادقؑ دمشق سے مدینہ کیلئے روانہ ہوئے۔ دوران سفر ایک صحرا سے گذر ہوا۔ وہاں ایک مقام پر بہت سے لوگ جمع تھے دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ یہاں ایک بہت بڑا نصرانی راہب رہتا ہے جو سال میں ایک مرتبہ اپنے معبد سے باہر آتا ہے اور لوگوں کے سوالوں کے جواب دیتا ہے۔ آج اس کے نکلنے کا دن ہے لہٰذا یہ سب لوگ اس کی زیارت کیلئے جمع ہیں۔ امام محمد باقرؑ بھی اس مجمع میں بیٹھ گئے۔ وہ راہب اپنے مقررہ وقت پر نمودار ہوا۔ وہ بہت ضعیف آدمی تھا اس کی بھنویں آنکھوں پر پڑی تھیں۔ اس نے مجمع پر چاروں طرف نظر ڈالی۔ اس کے بعد امام محمد باقرؑ سے مخاطب ہو کر بولا "آپ ہم میں سے ہیں یا امت مرحومہ میں سے" امامؑ نے جواب دیا "امت مرحومہ میں سے۔" اس نے پھر سوال کیا "اس کے علماء میں سے ہیں یا جہال میں سے" آپ نے فرمایا "جہال میں سے نہیں ہوں" اس نے مضطرب ہو کر کہا "میں سوال کروں یا آپ سوال کریں گے" آپ نے جواب دیا "تم سوال کروؑ"۔

راہب: شب و روز میں وہ کونسا وقت ہے جو نہ دن میں شمار ہوتا ہے نہ رات میں؟

امام: مابین صبح و طلوع آفتاب۔

راہب: وہ کن اوقات میں سے ہے؟

امام: وہ بہشت کے اوقات میں سے ہے اور ایسا متبرک ہے کہ اس وقت بیماروں کو ہوش آجاتا ہے۔ درد کو سکون ہوتا ہے۔ اگر رات بھر نیند نہ آتی ہو تو اس وقت نیند آجاتی ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اس وقت کو عاقبت کی رغبت رکھنے والوں کیلئے باعث رغبت بنایا ہے۔ نیک عمل کرنے والوں کیلئے یہ وقت دلیل واضح ہے۔ عاقبت سے انکار کرنے والوں کیلئے یہ وقت حجت ہے۔

راہب: تم مسلمان کہتے ہو کہ جنت میں لوگ کھائیں پئیں گے لیکن بول و براز نہ ہوگا۔ دنیا میں کوئی ایسی مثال ہے؟

امام: جنین در شکم مادر (شکم مادر میں بچہ غذا تو کھاتا ہے لیکن بول و براز نہیں کرتا)

راہب: مسلمان کہتے ہیں جنت کا میوہ کھانے سے کم نہیں ہوتا پھر اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے دنیا میں اس کی کوئی مثال ہے؟

امام: دنیا میں اس کی نظیر چراغ ہے کہ ایک سے ہزاروں چراغ جلالو اس کا نور کم نہ ہوگا۔

راہب: ایک شخص نے اپنی عورت سے مجامعت کی وہ عورت حاملہ ہوئی دو لڑکے توام پیدا ہوئے اور ایک ہی وقت میں مرے لیکن ایک کی عمر پچاس سال کی ہوئی اور دوسرے کی عمر ایک سو پچاس کی ہوئی؟

امام: یہ عزیر اور عزیز پیغمبر تھے۔ دونوں ساتھ پیدا ہوئے۔ دونوں تیس برس تک ساتھ رہے پھر خدا نے عزیر کو مار ڈالا اور سو برس کے بعد زندہ کیا اور وہ حضرت اپنے بھائی کیساتھ بیس برس زندہ رہے اور پھر دونوں نے ایک ساتھ رحلت فرمائی۔

اس مکالمے کے بعد راہب اپنے ماننے والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا۔ جب تک یہ شخص شام کی حدود میں موجود ہے میں کسی کے سوال کا جواب نہ دونگا سب کو چاہئے کہ اسی عالم زمانہ سے سوال کریں اور وہ راہب مسلمان ہو گیا۔[1]

زید بن حسنؑ کی مخاصمت: یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ مسئلہ خلافت پر شروع ہی سے اسلام میں دو فرقے پیدا ہو گئے تھے۔ جس فرقے نے حکومت پر قبضہ کیا وہ دنیاوی اعتبار سے کامیاب قرار پایا۔ اس فرقے نے اقتدار حکومت کو مضبوط و مستحکم بنانے کیلئے جہاں اور بہت سی تدابیر اختیار کیں وہاں تدوین حدیث و تاریخ نویسی کو ایک موثر ترین تدبیر کے طور پر استعمال کیا۔ حکومت کے زیر سرپرستی حدیثیں گھڑی گئیں اور حکمرانوں کے زیر نگرانی ان کی مرضی و منشا کے عین مطابق تاریخ مرتب کی گئی۔ پھر حدیث و تاریخ کو دل کھول کر پروپیگنڈہ کے طور پر استعمال کیا گیا۔ چونکہ اقتدار پر قابض فریق امامت بالاختیار کا قائل تھا لہٰذا

[1] جلاء العیون ص: ۳۳۸

اس کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ فریق مخالف کے نظریہ ''امامت بالنص'' کو کسی نہ کسی طرح غلط ثابت کرے۔ اس غرض کو پورا کرنے کیلئے ہر دور میں موقع و محل کی مناسبت سے روایتیں وضع ہوتی رہیں اور تاریخی بیانات جاری ہوتے رہے۔

انہی موضوعہ روایات اور دروغ بیانات کے ذریعہ امامت سے متعلق آئمہ علیہم السلام کی اولاد میں باہمی تنازعات کی تشہیر کرنا حکمرانوں کا محبوب ترین مشغلہ رہا ہے۔ کبھی امام علی زین العابدینؑ کے مقابل محمد حنفیہ کی جانب سے فرضی دعویٰ امامت کرنا' کبھی حضرت زید شہید اور حضرت امام محمد باقرؑ کے درمیان امامت کا فرضی تنازعہ کھڑا کرنا' کبھی حضرت امام موسیٰ کاظمؑ اور امام علی رضاؑ کی اولاد کے مابین انتہائی مبالغہ آمیز تنازعات ظاہر کرنا اور کبھی زید بن حضرت امام حسنؑ اور امام محمد باقرؑ کے مابین مفروضہ تنازعہ کی تشہیر کرنا یہ سب ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ جن کا بنیادی مقصد اہلبیت رسول کو رسوا و بدنام کرنا ہے۔

زید بن امام حسنؑ اور امام محمد باقرؑ کے تنازعہ کے راوی اول کا تو علم نہیں البتہ اس فرضی واقعہ کو قطب راوندی نے اپنی کتاب ''الخرائج'' میں بیان کیا ہے۔ جو اس کہانی کا پہلا اور آخری ماخذ ہے۔ دیگر تمام مورخین نے یہ فرضی واقعہ اسی کتاب سے اخذ کیا ہے۔ علامہ باقر مجلسیؒ نے بھی یہ واقعہ الخرائج سے اخذ کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ''قطب راوندی نے بسند معتبر جناب امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ زید ابن حسن نے میرے والد (امام محمد باقرؑ) سے جناب رسول خدا کے اوقاف کے متعلق تنازعہ کیا۔'' اس واقعہ کی روایت اپنے اندرونی نقائص کی موجودگی کے باعث درجہ اعتبار سے گر جاتی ہے۔ واقعہ میں بیان کردہ درج ذیل امور قابل غور ہیں۔

۱۔ اس واقعہ کے راویوں کا سلسلہ مفقود ہے لہذا اسکی صحت مشکوک ہو جاتی ہے۔

۲۔ اس واقعہ میں راوی نے امام محمد باقرؑ کی شہادت کے عمل کو عبدالملک سے منسوب کیا ہے جو قطعی غلط ہے۔ کیونکہ عبدالملک ۸۶ھ میں فوت ہوا جبکہ امام محمد

باقرؑ کی شہادت ۱۱۴ھ میں ہوئی۔ لہذا جس راوی کی معلومات اتنی ناقص ہوں اس کی کسی بات پر بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔ یہ واقعہ تاریخ کی کسی مستند کتاب میں مرقوم نہیں ہے۔ اس سے متعلق زیادہ سے زیادہ اتنا ملتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے زید بن حسنؑ سے رسول خدا کے اوقاف کی فہرست مانگی تھی جس کے جواب میں انہوں نے بتایا تھا کہ فہرست ان کے پاس نہیں محمد باقرؑ کے پاس ہوگی۔ اسکے علاوہ طبری نے زید شہید ابن امام علی زین العابدینؑ اور عبداللہ بن حسن بن امام حسنؑ کی اس مقدمہ بازی کا ذکر کیا ہے جو اوقاف علی بن ابیطالب سے متعلق تھی۔

۴۔ جناب یعقوب کلینی نے الکافی میں اس روایت کا مطلقاً ذکر نہیں کیا جبکہ کلینی کا انتقال ۳۲۹ھ میں ہوا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت تک اس روایت کا وجود نہ تھا۔

۵۔ راوی کے بیان کے مطابق عبدالملک نے امام محمد باقرؑ کو کچھ رقم بھیجی اور جناب رسالتمآبؐ کے چند تبرکات منگوائے۔ امامؑ نے رقم رکھ لی اور مطلوبہ تبرکات کی جیسی چیزیں بازار سے خرید کر بھیجدیں۔ یہ سراسر دھوکہ ہے جو امام کے شایان شان نہیں۔ لہذا یہ قطعی ناقابلِ قبول ہے۔ نیز اس روایت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ راوی کا مدعا اولاد امام حسنؑ اور اولاد امام حسینؑ کو ایک ہی روایت سے بدنام کرنا تھا اور دنیا پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ بنی ہاشم خود ہی ایک دوسرے کے قتل پر آمادہ رہتے تھے۔ ہمارے خلیفہ اس سے بری الذمہ تھے۔

۶) چونکہ قطب راوندی نے اس روایت کو جناب امام جعفر صادقؑ سے منسوب کیا ہے جبکہ جناب امام جعفر صادقؑ نے اپنے فرزند اسحاق کا نکاح جناب زید بن حسنؑ کی حقیقی پوتی نفیسہ سے کیا۔ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ آپ اپنے باپ کے قاتل کی پوتی سے اپنے فرزند کا نکاح کرتے لہذا آپ سے اس روایت کی نسبت غیر حقیقی و غیر فطری ہے۔

۷) جہانتک زید بن امام حسنؑ کے ذاتی و اخلاق کردار کا تعلق ہے تو آپ کو علماء نے عابد و زاہد، متقی و ثقہ لکھا ہے۔ ایسے دیندار بزرگ سے یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ قرآن کریم کی اس مشہور آیت ''ومن یقتل مومناً متعمداً فجزاءہ جہنم'' کو بھول جائیں اور جہنم خرید لیں۔ یہ کتنی حیرت کی بات ہے کہ والی مدینہ جو بنی ہاشم کے مخالف قبیلے بنی امیہ سے تعلق رکھتا تھا وہ تو بادشاہ کا حکم ملنے کے باوجود آپ کی گرفتاری کو بُرا سمجھے اور بادشاہ کو آپ کے فضائل و مناقب سے آگاہ کرے اور امام حسنؑ کے فرزند اپنے بھتیجے امام محمد باقرؑ کے قتل کو مباح جانے۔ لہذا ثابت ہوا کہ یہ پورا واقعہ اسی خاص مقصد کے حصول کی خطر گھڑا گیا جس کا ذکر ہم نے شروع میں کیا ہے۔

۸) اس روایت میں یہ بھی قابل توجہ ہے کہ جناب زید بن امام حسنؑ اپنی بزرگی کی وجہ سے تولیت صدقات رسول طلب کر رہے ہیں اور امام محمد باقرؑ انہیں معجزات دکھا رہے ہیں۔ حالانکہ معجزہ ثبوت امامت ہو سکتا ہے نہ کہ وجہ تولیت۔ لہذا یہ بھی ایک فرضی کہانی سے زیادہ کچھ نہیں۔ مزید براں اس پر بھی غور فرمایئے کہ امام نے جو معجزے دکھائے ان میں چھری، پتھر اور درخت نے زید سے کہا کہ اگر وہ باز نہ آئے تو قتل کر دیئے جائیں گے۔ لیکن بقول قطب راوندی زید تو باز نہ آئے یہانتک کہ انہوں نے خود مسموم زین لا کر امام کو قتل کر دیا۔ چھری، پتھر اور درخت نے اپنی دھمکی کیوں نہ پوری کی یعنی وہ معجزہ ہی پورا نہ ہوا۔

اب ہم اس واقعہ کے ایک اور پہلو پر نظر ڈالتے ہیں۔ یعنی کہ اگر واقعی زید بن حسنؑ کی کوئی مخاصمت تھی تو اس کی کوئی بنائے مخاصمت بھی ہوگی۔ مذکورہ روایت میں راوی کے بیان کے مطابق زید بن حسنؑ رسول اللہ کے صدقات کی تولیت چاہتے تھے۔ جو بقول راوی امام محمد باقرؑ کے پاس تھی۔ اور یہی بنائے مخاصمت ہے جبکہ علماء کا بیان ہے کہ منصب تولیت جناب زید بن حسنؑ ہی کے پاس تھا جیسا کہ شیخ مفید نے الارشاد میں زید بن حسن کی بابت تحریر کیا ہے۔

ترجمہ: ''زید بن حسنؑ جناب رسول اللہ کے صدقات کے متولی تھے اور بنو ہاشم میں سب سے بڑے تھے، جلیل القدر اور کریم الطبع اور پاکیزہ تھے ان میں بہت سی خوبیاں تھیں اور لوگوں سے نیکیاں کرتے تھے۔ شعراء نے ان کی تعریف کی ہے اور لوگ دور دراز ممالک سے طلب فضل کیلئے انکی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اصحاب السیر لکھتے ہیں کہ زید بن حسن جناب رسول خدا کے صدقات کا انتظام کرتے تھے۔'' اس سے ثابت ہوا کہ وجہ تنازعہ ہی کوئی نہ تھی۔ قطب راوندی کا بیان کردہ واقعہ ایک فرضی قصہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

فضائل ومناقب

آغوشِ امامت میں تربیت پانے والی، سایۂ عصمت میں پروان چڑھنے والی اور درجۂ امامت پر فائز ہونے والی ذات قدسی کے لامحدود فطری و ذاتی خداداد فضائل ومناقب پر روشنی ڈالنا اور انکے بلند ترین محاسنِ اخلاق وآداب کی حد بندی کرنا ہم جیسے انسانوں کی قوت فہم وادراک سے بالاتر ہے آئمہ اہلبیتؑ کے فضائل ومناقب کے پیش نظر حضرت ختمی مرتبتؐ اکثر وبیشتر اپنے ارشادات کے ذریعہ انکی محبت واطاعت کو امت مسلمہ پر فرض قرار دیتے تھے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی ارشاد فرمایا "ہم اہلبیتؑ رحمت کی کنجیاں اور رسالت کے مقام اور حلم کی کان ہیں"۔ کبھی فرمایا "ستارے اہلِ آسمانوں کیلئے امان ہیں اور میرے اہلبیت میری امت کیلئے امان ہیں"۔ کبھی ارشاد فرمایا "میرے اہلبیت تم لوگوں میں ایسے ہیں جیسے کہ بنی اسرائیل میں توبہ کا دروازہ، جو شخص کہ اس میں داخل ہوا وہ بخشا گیا"۔ کبھی فرمایا "میرے اہلبیتؑ سفینۂ نوح کی مثل ہیں جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا اور جو مخالف ہوا ہلاک ہو گیا"۔ کبھی فرمایا تمہارا نیک وہ ہے جو میرے اہلبیتؑ کیساتھ میرے بعد نیک ہے"۔ کبھی فرمایا "مجھ سے خدا کیلئے محبت کرو، میرے اہلبیتؑ سے میرے لئے محبت کرو" کبھی فرمایا "ہم اہلبیت کو نہیں دوست رکھے گا مگر مومن متقی اور نہیں دشمن رکھے گا مگر منافق بد بخت" کبھی فرمایا "جو آل محمد کی محبت پر مرا وہ شہید مرا" کبھی فرمایا "جو آل محمد کی محبت پر مرا اسکو ملک الموت جنت کی خوشخبری دیگا" الغرض کتب احادیث میں بہت سی روایات منقول ہیں جن سے اہلبیتؑ رسول کی محبت واطاعت امت پر فرض ہونا ثابت ہے۔

جناب محمد باقرؑ جو آلِ محمد بھی ہیں اور رسول اللہ کے پانچویں جانشین بھی، سلسلہ عصمت کے ساتویں معصوم ہیں اور ہمارے پانچویں امام بھی۔ آپ کے فضائل سے متعلق علماء کے چند بیانات ملاحظہ ہوں:

محمد بن طلحہ شافعی رقمطراز ہیں کہ "آپ علم، زہد، تقویٰ، طہارت، صفائے قلب اور دیگر محاسن وفضائل میں اس درجہ پر فائز تھے کہ یہ صفات خود ان کی طرف سے ممتاز قرار پائے۔ [۱]

صاحب ارشاد لکھتے ہیں کہ "جس قدر علم دین اور سنن اور علم قرآن اور سیر اور فنون ادب وغیرہ جناب ابوجعفر محمد الباقرؑ سے ظاہر ہوئے ہیں وہ کسی ایک سے ظاہر نہیں ہوئے" [۲]

علامہ شبلنجی شیخ مفید وغیرہ تحریر فرماتے ہیں کہ "علم دین، علم احادیث، علم سنن اور تفسیر قرآن وعلم سیرت وعلوم وفنون ادب وغیرہ کے ذخیرے جس قدر امام باقر سے ظاہر ہوئے اتنے امام حسین وامام حسن کی اولاد میں کسی سے ظاہر نہیں ہوئے۔ [۳]

حافظ ابونعیم نے عبداللہ بن عطا سے روایت بیان کی ہے کہ "میں نے کسی کے مقابلہ میں علماء کو علم میں اتنا حقیر نہیں دیکھا جتنا ابوجعفر (محمد الباقر) کے پاس دیکھا ہے۔ میں نے حکم کو آپکے سامنے اسطرح دیکھا جیسے کوئی مغلوب ہوتا ہے۔ [۴] (حکم سے مراد حکم بن عتیبہ ہے جو اپنے زمانہ کا عالم جلیل وفاضل جلیل تھا۔)

جناب رسالتمآبؐ کا ارشاد ہے کہ "یہ میرا فرزند "باقر العلوم" ہوگا۔ علم کی گتھیوں کو اس طرح سلجھائے گا کہ دنیا حیران رہ جائے گی۔ [۵]

علامہ شہرآشوب لکھتے ہیں کہ "حضرت کا خود ارشاد ہے کہ علمنا منطق الطیرو اوتینا من کل شئی یعنی ہمیں طائروں تک کی زبان سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز کا علم عطا کیا گیا ہے۔ [۶]

---

۱ مطالب السئول ص: ۲۶۹ ۲ ارجح المطالب ص: ۴۵۲ ۳ نورالابصار ص: ۱۳۱ الارشاد ص: ۲۸۶ ارجح المطالب ص: ۴۴۷ ۴ حلیۃ الاولیاء ص: ۱۸۶ ج: ۳ الارشاد ص: ۲۹۵
۵ اعلام الوریٰ ص: ۱۵۷ ۶ مناقب شہرآشوب ص: ۱۱ ج: ۵

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ "آپ باقر العلوم، علم کے پھیلانے والے اور جامع العلوم ہیں آپ ہی علوم ومعارف میں شہرت عامہ حاصل کرنے اور اسکے مدارج بلند کرنیوالے ہیں آپکا دل صاف، علم وعمل روشن وتابندہ، نفس پاک اور خلقت شریف تھی۔ آپکے کل اوقات اطاعتِ خداوندی میں بسر ہوتے تھے۔" [۱]

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ "امام محمد باقر علامہ زمان اور سردار کبیر الشان تھے آپ علوم میں بڑے تبحر اور وسیع الاطلاع تھے۔ [۲]

علامہ ذہبی تحریر کرتے ہیں کہ "آپ بنی ہاشم کے سردار اور متبحر علمی کی وجہ سے باقر مشہور تھے۔ آپ علم کی تہہ تک پہنچ گئے تھے آپ نے اس کے دقائق کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔" [۳]

جابر بن عبداللہ سے روایت منقول ہے کہ "رسول خدا نے فرمایا کہ تم زندہ رہو گے حتیٰ کہ میرے فرزند حسین کی اولاد میں سے ایک کو ملو جس کا نام محمد باقر ہوگا۔ وہ علم کو اس طرح کھود ڈالے گا جس طرح بیل زمین کو کھودتا ہے جب تم اس سے ملو تو اس سے میرا سلام کہنا۔" [۴] مدائنی نے جابر بن عبداللہ کی اس روایت کی بابت لکھا ہے کہ حضرت محمد بن علی احادیث لکھنے والوں کے پاس تشریف لائے جب کہ وہ صغیر السن تھے۔ جابر نے آپ سے عرض کی رسول اللہؐ نے آپ کو سلام کہا ہے۔ جابر سے پوچھا گیا یہ کیا سلسلہ ہے تو انہوں نے کہا کہ میں ایک دن رسول اللہؐ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور حسینؑ آپ کی گود میں تھے۔ ان سے آپ پیار ومحبت فرما رہے تھے۔ پس فرمایا اے جابر (اس سے) ایک مولود پیدا ہوگا جس کا نام علی ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی ندا کرے گا کہ سید العابدین کھڑے ہوں پس اس (حسین) کا بیٹا کھڑا ہوگا۔ پھر اس علی سے ایک بیٹا پیدا ہوگا جس کا نام محمد ہے پس اے جابر اگر تیری اس سے ملاقات ہو جائے تو انھیں میری طرف سے سلام کہنا۔ [۵]

---

۱ صواعق محرقہ ص: ۱۲۰ ۲ وفیات الاعیان ص: ۴۵۰ ج: ۱ ۳ تذکرۃ الحفاظ ص: ۱۱۱ ج: ۱
۴ الکافی کتاب الحجہ ص: ۴۹۸ مناقب ابن شہرآشوب ص: ۱۱ ج: ۵ ۵ ارجح المطالب ص: ۴۵۰

جبکہ دوسری روایت میں بتایا ہے کہ حضرت ابوجعفرؑ (محمد) جابر کے پاس تشریف لے گئے اس کے بعد کہ جابر کی بینائی جاتی رہی تھی۔ پس آپ نے جابر پر سلام کیا تو جابر نے کہا آپ کون ہیں؟ فرمایا میں محمد بن علی بن حسین ہوں تو جابر نے کہا ذرا میرے قریب تشریف لائیے۔ جب آپ قریب گئے تو جابر نے آپ کے ہاتھوں اور پاؤں کے بوسے لئے۔ پھر آپ سے کہا کہ رسول اللہؐ نے آپ پر سلام کیا ہے۔ اور وہ واقعہ بیان کیا۔ یہ جابر بن عبداللہ ۷۸ھ میں مدینہ میں فوت ہوئے اور اہل عقبہ میں سے وہ آخری فوت ہونے والے ہیں۔ [۱]

اس واقعہ کو متعدد مورخین نے اپنے اپنے انداز میں تحریر کیا ہے لیکن نفس مضمون ایک ہی ہے یعنی جناب رسالتمآبؐ کا جابر بن عبداللہ کے ذریعہ حضرت امام محمد باقرؑ کو سلام کہلوانا۔ حضرت امام محمد باقرؑ کی ولادت سے بہت پہلے رسالتمآبؐ کا آپ کی صفات کا ذکر کرنا اور سلام بھجوانا امام باقرؑ کی بہت بڑی فضیلت ہے۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت محمد باقر مدینہ کے طبقہ ثالثہ کے تابعین میں سے ہیں۔ آپ عالم، عابد ثقہ تھے آپ سے ابوحنیفہ وغیرہ اماموں نے اخذ روایت کیا ہے۔

حلم: آپ کے حلم سے متعلق آغا محمد سلطان مرزا صاحب نے ایک واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ اہل کتاب میں سے ایک شخص نے جناب امام محمد باقرؑ سے کہا کہ "کیا تم بقر ہو" آپ نے جواب دیا کہ "نہیں میں باقر ہوں"۔ اس نے پھر کہا کہ تم طباخہ (باورچن) کے بیٹے ہو" آپ نے فرمایا کہ "اگر ایسا ہے تو یہ ان کا پیشہ تھا"۔ پھر اس نے کہا کہ "تم حبشن کے بیٹے ہو" آپ نے فرمایا کہ "اگر تم سچ کہتے ہو تو خدا اسے بخشے اور تم جھوٹ کہتے ہو تو خدا تمہیں بخشے۔" آپ کا یہ حلم دیکھ کر وہ شخص مشرف بہ اسلام ہوا۔ [۲]

---

۱ تذکرۃ الخواص ص: ۳۹۸ تاریخ طبری ص: ۹۶ ج: ۳ نورالابصار ص: ۱۵۷ شواہد النبوۃ ص: ۱۸۱ ۲ نور المشرقین ص: ۷۳

معجزات و کرامات: آئمہ اہلبیت کا صاحب کرامات ہونا مسلمات میں سے ہے۔ حضرت امام محمد باقرؑ کے معجزات و کرامات میں سے چند کا مختصراً ذکر پیش کرتے ہیں:

ایک شب کو شدید بارش کے دوران ایک شخص آپ کے دولت کدہ پر پہنچا اور سوچنے لگا کہ اس نامناسب وقت میں دق الباب کرے یا واپس لوٹ جائے۔ ناگاہ آپ نے اپنی ایک کنیز سے فرمایا کہ فلاں شخص ملّہ سے آکر میرے دروازے پر کھڑا ہے اسے بلالو۔ کنیز نے دروازہ کھول کر اسے بلالیا۔ وہ بہت حیران ہوا۔

ایک مرتبہ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ منصور دوانقی اور داؤد بن سلیمان آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ منصور آپ سے دور بیٹھا جبکہ داؤد آپ کے قریب آگیا۔ آپ نے فرمایا منصور میرے پاس کیوں نہیں آیا داؤد نے کوئی عذر بیان کیا۔ تب حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا اس سے کہدو کہ عنقریب وہ بادشاہ وقت اور شرق و غرب کا مالک ہوگا۔ داؤد نے اس سے جب یہ کہا تو وہ آپ کے قریب آگیا اور کہنے لگا آپ کا رعب و جلال میرے قریب آنے میں مانع تھا۔ اسکے معلوم کرنے پر آپ نے اس کی حکومت کی تفصیل بیان فرمائی۔ تاریخ شاہد ہے کہ پھر ایسا ہی ہوا۔ [1]

ابو بصیر یحییٰ بن قاسم کی آنکھیں جاتی رہی تھی۔ انہوں نے ایک دن امام سے کہا کہ آپ تو وارث انبیاء ہیں میری روشنی پلٹا دیجئے۔ امام نے اسی وقت آنکھوں پر ہاتھ پھیرا ان کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا اے ابو بصیر کیا تم حشر کے دن اس طرح جانا چاہتے ہو کہ دوسروں کی طرح تمہارا بھی حساب کتاب ہو یا بے حساب بہشت میں داخل ہو۔ انہوں نے کہا بے حساب جنت میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔ تب آپ نے اس طرح آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور وہ پہلے کی طرح نابینا ہوگئے۔ [2]

[1] اعیان الشیعہ ص: ۳۳ ج: ۴ [2] الکافی کتاب الحجہ ص: ۴۹۹

ایک کوفی نے آپ سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کے تابع فرشتے ہیں جو آپ کو شیعہ و غیر شیعہ کا پتہ بتا دیا کرتے ہیں۔ آپ نے دریافت کیا تو کیا کام کرتا ہے۔ اس نے کہا گندم فروشی کرتا ہوں آپ نے فرمایا غلط ہے۔ تب اس نے کہا کبھی کبھی جو بھی بیچتا ہوں۔ فرمایا یہ بھی غلط ہے تو صرف خرمے بیچتا ہے۔ اس نے کہا آپ کو یہ کس نے بتایا امام نے فرمایا اسی فرشتے نے جو میرے پاس آتا ہے۔ اسکے بعد آپ نے فرمایا تو فلاح بیماری میں تین دن کے اندر فوت ہو جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ میرے پدر بزرگوار ایک دن مدینہ میں بہت سے لوگوں کے درمیان بیٹھے تھے۔ ناگاہ آپ نے سر ڈال لیا۔ اس کے بعد فرمایا' اے اہل مدینہ آئندہ سال یہاں نافع بن ارزق چار ہزار سپاہ لے کر آئے گا اور تین شبانہ روز شدید مقابلہ و مقاتلہ ہوگا اور تم اپنا تحفظ نہ کرسکو گے۔ سنو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ ہو کر رہے گا۔ چنانچہ آئندہ سال وہی ہوا جو آپ نے فرمایا تھا۔

زید بن ابی عازم سے منقول ہے کہ ایک دن امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ زید بن علی آپکے چھوٹے بھائی ہمارے پاس سے ہو کر گزرے۔ جناب امام نے فرمایا اس کو دیکھتے ہو کہ یہ کوفہ کی طرف جائے گا اور مارا جائیگا اور اسکا سر تمام شہر میں پھرایا جائے گا۔ پس جیسا کہ آپ نے فرمایا ویسا ہی ہوا۔ [1] راوندی نے بھی خرائج میں اس واقعہ کو روایت کیا ہے۔

ابو نعیم الاصفہانی نے ابو حمزہ ثمالی سے روایت بیان کی ہے کہ ایک صبح چڑیوں کی آواز سن کر جناب محمد باقرؑ نے فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ یہ کیا کہتی ہیں۔ میں نے کہا نہیں جانتا۔ فرمایا یہ خداوند تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں اور اپنے دن کا رزق اس سے مانگتی ہیں۔ [2]

[1] ارجح المطالب ۲۵۲ [2] حلیۃ الاولیا ص: ۱۸۷ ج: ۳ طبع مصر

حمیری نے کتاب الدلائل میں یزید بن ابی حازم سے روایت کی ہے کہ میں جناب محمد باقرؑ کے ہمراہ ہشام کے زیرِ تعمیر مکان کی طرف سے گذرا تو امام نے فرمایا یہ مکان گرا دیا جائے گا اور اس کی مٹی بھی اٹھالی جائے گی۔ وہ کہتے ہیں کہ انہیں یہ سن کر تعجب ہوا اور انہوں نے کہا کہ ہشام کے مکان کو کون گرا سکتا ہے۔ لیکن میں نے دیکھا کہ جب ہشام مر گیا تو ولید کے حکم سے اس مکان کو گرا دیا گیا اور اس کی مٹی بھی اٹھالی گئی۔ [1]

[1] اعیان الشیعہ ص: ۲۵ ج: ۴

(مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو شواہد النبوۃ ص: ۱۸۵، کافی کتاب الحجہ ص: ۴۹۹ نور الابصار ص: ۱۳۰)

درس و تدریس

جناب امام محمد باقرؑ نے تعلیم و ترویج علوم و فقہ اسلامیہ کیلئے مختلف ذرائع اختیار فرمائے ان میں ایک ذریعہ درس و تدریس کا تھا۔ آپ بھی جناب رسالتمآبؐ کی طرح مسجد میں تشریف فرما ہوتے جہاں طالبان علم جوق در جوق حاضر ہوتے اور آپ سے فیض حاصل کرتے تھے۔ درس و تدریس کا یہ طریقہ سنت رسول اللہ اور ائمہ اہلبیتؑ کے عین مطابق تھا۔ شاہان وقت کیلئے یہ بات انتہائی ناپسندیدہ تھی کہ آئمہ اہلبیت اور خاندان بنی ہاشم مرجع خلائق ہوں۔ حالانکہ امامین کا یہ عمل خالص دینی ہوتا تھا اس سے سیاست ملکی کا قطعی کوئی تعلق نہ تھا۔ بہر حال امام محمد باقرؑ نے نشر علوم دینی کا سلسلہ جاری رکھا جس میں بے شمار مواعظ زیرِ بحث آتے تھے۔ علامہ کلینی نے اپنی کتاب الکافی میں ان مواعظ کو تحریر فرمایا ہے ان میں سے چند مواعظ کا مختصراً ذکر ہم یہاں کر رہے ہیں۔

عقل و جہل: جناب امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ جب خداوند تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا تو فرمایا میں نے کوئی شے پیدا نہیں کی جو عقل سے زیادہ مجھ کو محبوب ہو اور میں عقل کو کامل کرتا ہوں اس شخص میں کہ جس کو میں محبوب رکھتا ہوں۔ وہ لوگ انبیاء اولیاء اور مثل ان کے ہیں۔

قیاس: جناب امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ ایک دن امیر المومنین حضرت علیؑ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور فرمایا اے لوگو! رسول خدا کے بعد اسلام میں فتنے پڑے ان خواہشات نفسانی کی وجہ سے جن کی پیروی کی گئی۔ اور ان احکام کی وجہ

سے جو مخالف قرآن صادر کئے گئے۔ لوگوں نے اپنی رائے سے حاکم مقرر کر لئے اگر باطل بالکل عریاں باطل رہتا تو ذی عقل لوگ اس کو معلوم کر لیتے اور اگر خالص حق رہتا تو کبھی اختلاف نہ ہوتا لیکن ان لوگوں نے کچھ باطل میں سے لیا اور کچھ حق میں سے لیا اور دونوں کو ملا کر لوگوں کے سامنے پیش کر دیا پس شیطان اپنے دوستوں پر غالب آ گیا لیکن چند افراد ایسے بھی تھے جنہوں نے ان کی پیروی نہیں کی اور راہ نجات پائی۔

اجل: ایک شخص نے امام محمد باقرؑ سے اس آیت قضی اجلاو اجل مسمی عندہ کا مطلب دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا اجلین دو ہیں۔ ایک اجل محتوم جو حتمی اجل ہے وہ کسی طرح ٹل نہیں سکتی اور دوسری اجل موقوف ہے جو چند امور سے مشروط ہوتی ہے اور ٹل سکتی ہے۔

خیر و شر: جناب امام محمد باقرؑ نے فرمایا ان بعض کتابوں میں جو خدا نے نازل فرمائی ہیں یہ تحریر ہے کہ میں خدا ہوں میرے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے۔ میں نے خیر اور شر کو پیدا کیا۔ خوش ہیں وہ لوگ جنکے ہاتھ پر میں خیر کا اجرء کرتا ہوں اور بربادی ہے ان لوگوں کیلئے جن کے ہاتھوں پر میں شر جاری کرتا ہوں اور بربادی ہے ان لوگوں کیلئے جو کہتے ہیں یہ کیوں اس طرح ہے۔

رسول، نبی و امام: زرارہ سے مروی ہے کہ انہوں نے جناب امام محمد باقرؑ سے پوچھا کہ رسول، نبی اور امام میں کیا فرق ہے تو آپ نے فرمایا رسول وہ ہے جس کے سامنے فرشتہ ظاہر ہو اور کلام کرے۔ اور نبی وہ ہے جو خواب میں دیکھے یعنی خواب کے ذریعہ وحی ہو۔ اور امام وہ ہے جو فرشتہ کا کلام سنتا ہے لیکن اسے دیکھ نہیں سکتا۔

ارکان اسلام: جناب امام محمد باقرؑ نے فرمایا اسلام کے پانچ ارکان ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور ولایت یعنی امامت اور ان میں سے کسی کی اتنی تشہیر نہیں کی گئی جتنی ولایت کی۔ آپ نے فرمایا اسلام کی جڑ نماز ہے۔ زکوٰۃ اسکی شاخ ہے

اور اسکا مقام رفعت جہاد ہے اور فرمایا روزہ سپر ہے جو آتش جہنم سے بچاتا ہے۔ صدقہ و خیرات سے خطائیں دور ہوتی ہیں۔ اور قیام شب خدا کو یاد دلاتا ہے۔

اسلام و ایمان: جناب امام محمد باقرؑ نے فرمایا ایمان وہ ہے جو اندرون قلب میں قرار پکڑے اور اس کو خدا تک پہنچا دے اور اس ایمان کو قوی و راست کرے وہ عمل جو خدا کی اطاعت میں ہو اور رضا بالقضائے خداوندی ہو۔ اور اسلام وہ ہے جو محض ظاہری قول و فعل میں ہو مثلاً منہ سے کلمہ پڑھ لینا۔ نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا۔ اسلام ان تمام فضیلتوں میں شامل نہیں ہے جو ایمان میں ہیں اور ایمان ان تمام فضائل میں شامل ہے جو اسلام میں ہیں اور اس کے علاوہ اس کے اپنے فضائل زائد ہیں۔ جس طرح کعبہ میں مسجد کے بھی فضائل شامل ہیں لیکن مسجد میں کعبہ کے فضائل شامل نہیں ہیں۔ جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰـكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ۔ (سورۃ الحجرات آیت: ۱۴)

ترجمہ: عرب کے دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے (اے رسول) کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ (یوں) کہو کہ اسلام لائے حالانکہ ایمان کا تو ابھی تک تمہارے دلوں میں گزر ہوا ہی نہیں۔

ارکان ایمان: جناب امام باقرؑ سے مروی ہے کہ فرمایا جناب امیرالمومنین حضرت علیؑ نے ایمان کے ارکان چار ہیں۔ (۱) توکل علی اللہ (۲) تفویض الامر الی اللہ (۳) رضا بالقضاء اللہ (۴) تسلیم الامر اللہ۔

شیعیان اہلبیت: جناب امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ خدا کی قسم ہمارے شیعہ صرف وہ ہیں جو احکام الٰہی کی اطاعت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ کافی نہیں کہ کوئی شخص محض اپنے منہ سے کہہ دے کہ میں اہلبیت رسول سے محبت کرتا ہوں۔ قسم خدا کی کوئی ہمارا شیعہ نہیں سوائے اس شخص کے جو خدا کی اطاعت کرتا ہے اور اس سے ڈرتا ہے۔ ہمارے شیعوں کی علامتیں یہ ہیں:۔

(۱) تواضع و فروتنی۔ (۲) خشوع۔ (۳) ترک خیانت۔ (۴) کثرت ذکر۔

(۵) صوم۔ (۶) صلوٰۃ۔ (۷) والدین سے حُسنِ سلوک۔ (۸) فقراء و مساکین، قرضداروں اور یتیموں کے ساتھ نیکی۔ (۹) قول کا سچا ہونا۔ (۱۰) تلاوت قرآن۔ (۱۱) لوگوں کی برائی سے اپنی زبان کو روکنا۔ (۱۲) دوستوں اور رشتہ داروں کے درمیان دیانتدار اور امین ہونا۔

ہدایات و ارشادات: حضرت امام محمد باقرؑ نے اپنی تمام عمر تعلیم و تدریس میں صرف کی۔ آپ کی تعلیمات و ہدایات سے فیض یاب ہونے والے اصحاب نے آپ کی ہدایات و ارشادات کو عام کیا ان میں سے چند درج ذیل ہیں:۔

جابر جعفی کا بیان ہے کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا "اے جابر! میں دنیا سے بالکل بے فکر ہوں۔ کیونکہ جس کے دل میں دین خالص ہو وہ دنیا کو کچھ نہیں سمجھتا اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا چھوڑی ہوئی سواری، اتارا ہوا کپڑا، کھایا ہوا لقمہ اور استعمال کی ہوئی عورت ہے۔ یعنی وہ سواری جس پر تو سوار ہوا، وہ کپڑا جسے تو نے پہن لیا، وہ لقمہ جسے تو نے کھا لیا اور وہ عورت جس سے تو نے مباشرت کی۔ مومن دنیا کی بقا سے مطمئن نہیں ہوتا اور اس کی دیکھی ہوئی چیزوں کی وجہ سے نور خدا اس سے پوشیدہ نہیں ہوتا۔ مومن کو تقویٰ اختیار کرنا چاہیے کہ وہ ہر وقت اسے متنبہ و بیدار رکھتا ہے۔ اے جابر سنو! یہ دنیا ایک سرائے فانی ہے اس میں آنا جانا لگا رہتا ہے اور دنیا ایک خواب ہے جو کمال کے مانند دیکھی جاتی ہے اور جب جاگ اٹھے تو کچھ نہیں۔ امامؑ نے فرمایا:

- ☆ تکبر بہت بری چیز ہے یہ جس قدر انسان میں بڑھے گا اسی قدر اس کی عقل گھٹے گی۔
- ☆ کمینے شخص کا حربہ گالیاں بکنا ہے۔
- ☆ ایک عالم کی موت کو ابلیس نوے عابدوں کی موت سے بہتر سمجھتا ہے۔
- ☆ ایک ہزار عابدوں سے ایک وہ عالم بہتر ہے جو اپنے علم سے انسانوں کو فائدہ پہنچائے۔
- ☆ میرے ماننے والے وہ ہیں جو اللہ کی اطاعت کریں۔

- ☆ آنسوؤں کی بڑی قیمت ہے۔ (خدا کے خوف سے) رونے والا بخشا جاتا ہے اور جس رخسار پر آنسو جاری ہوں وہ ذلیل نہیں ہوتا۔
- ☆ سستی اور زیادہ تیزی برائیوں کی کنجی ہے۔
- ☆ خدا کے نزدیک بہترین عبادت پاک دامنی ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اپنے پیٹ اور شرمگاہوں کو محفوظ رکھے۔
- ☆ دعا سے قضا بھی ٹل جاتی ہے۔
- ☆ نیکی بہترین خیرات ہے۔
- ☆ بدترین عیب یہ ہے کہ انسان کو اپنی آنکھ شہتیر دکھائی نہ دے اور دوسروں کی آنکھ کا تنکا نظر آئے۔ یعنی اپنے بڑے گناہ کی پرواہ نہ ہو اور دوسروں کے چھوٹے عیب اسے بڑے دکھائی دیں اور خود عمل نہ کرے اور دوسروں کو تعلیم دے۔
- ☆ جو خوشحالی میں ساتھ دے اور تنگ دستی میں دور رہے وہ تمہارا بھائی یا دوست نہیں۔
- ☆ جب کوئی نعمت ملے تو الحمد للہ کہو اور جب کوئی تکلیف پہنچے تو لا حول و لا قوۃ الا باللہ کہو اور جب روزی تنگ ہو تو استغفر اللہ کہو۔
- ☆ جتنی محبت تم کرو گے اتنی ہی تمہارا بھائی اور دوست کرے گا۔

تین چیزیں خدا نے تین چیزوں میں پوشیدہ رکھیں:

۱۔ اپنی رضا اپنی اطاعت میں، کسی فرمانبرداری کو حقیر نہ سمجھو شاید اسی میں خدا کی رضا ہو۔
۲۔ اپنی ناراضی اپنی معصیت میں، کسی گناہ کو معمولی نہ جانو شاید خدا اسی سے ناراض ہو جائے
۳۔ اپنی دوستی یا اپنا ولی، مخلوق میں کسی شخص کو حقیر نہ سمجھو شاید وہ ہی ولی اللہ اور اللہ کا دوست ہو۔[1]

مختلف کتب احادیث میں امام محمد باقرؑ کے جو مزید اقوال مرقوم ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں:۔

- ☆ انسان کو جتنی عقل دی گئی ہے اسی کے مطابق اس سے قیامت میں حساب کتاب ہو گا۔
- ☆ عالم کی صحبت میں تھوڑی دیر بیٹھنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

[1] مطالب السئول ص: ۲۷۲، نور الابصار ص: ۱۳۱، تذکرۃ الخواص ص: ۳۹۹، چودہ ستارے ص: ۳۲۰

☆ مخلوق خدا کو تعلیم دینا علم کی زکوٰۃ ہے۔
☆ خدا ان عالموں پر رحم و کرم فرمائے جو احیائے علم کرتے اور تقویٰ کو فروغ دیتے ہیں۔
☆ معلم اور متعلم کا ثواب برابر ہے۔
☆ ذات الٰہی وہ ہے جو عقل انسانی میں سمانہ سکے اور حدود میں محدود نہ ہو سکے۔
☆ خدا کی ذات فہم و ادراک سے بالاتر ہے خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔
☆ خدا کی ذات کے بارے میں بحث نہ کرو ورنہ حیران ہو جاؤ گے۔
☆ زمین حجت خدا کے بغیر باقی نہیں رہ سکتی۔
☆ امت بے امام کی مثال بھیڑ کے اس گلے کی ہے جس کا کوئی بھی نگراں نہ ہو۔

اصحاب امامؑ: حضرت امام محمد باقرؑ کے بہت سے اصحاب تھے جو حصول علم و دانش کی آرزو لئے آپ کے حلقہ درس میں حاضر رہتے تھے۔ آپ بھی معارف اسلامی اور تعلیمات دینی کو اس طرح نکھار کر پیش فرماتے تا کہ آنے والی نسلیں حقیقی اسلام سے متعارف ہو سکیں اور آپ سائل کو اس قدر واضح طور پر بیان فرماتے کہ ہر انصاف پسند انسان خرافات اور حقیقت میں تمیز کر سکے۔ مختصر یہ کہ آپ سے علم و دانش کے وہ سوتے پھوٹتے رہے جن سے اہل دنیا ہمیشہ فیضیاب ہوتے رہیں گے۔ آپ کے حلقہ درس میں تربیت پانے والے چند نامور اصحاب کا مختصر تذکرہ ذیل میں درج ہے:۔

جابر بن عبداللہ انصاری: آپ نے بیعت عقبہ میں رسول اللہؐ کے ہاتھ پر بیعت کی غزوہ بدر و دیگر غزوات و سرایا میں شریک رہے۔ آپ علی مرتضیٰؑ کے مخلص اصحاب میں سے تھے۔ آپ صبح و شام امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ جناب جابر بن عبداللہ کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ آپ یوم اربعین ۶۱ھ حضرت امام حسین کی قبر کی زیارت کرنے کربلا گئے اس طرح آپ سب سے پہلے زائر حسین ہیں۔

ابان بن تغلب: آپ کو تین اماموں یعنی حضرت علی زین العابدینؑ، حضرت محمد باقر اور حضرت جعفر صادق علیہم السلام کی زیارت و صحبت کا شرف حاصل تھا۔ علمی میدان میں آپ کو امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ آپ کو تفسیر، فقہ، حدیث، قرآت، لغت وغیرہ میں یدطولیٰ حاصل تھا اور علم قرآت ولغت کے امام مانے جاتے تھے۔ سب سے پہلے "غریب القرآن" یعنی قرآن مجید کے مشکل الفاظ کی تشریح آپ ہی نے تحریر کی تھی۔ امام محمد باقرؑ نے ان سے ارشاد فرمایا "تم مسجد مدینہ میں بیٹھو اور لوگوں کو فتویٰ دو اور لوگوں کو ان کے مسائل سے آگاہ کرو۔" امام کا یہ ارشاد آپ کی علمی قابلیت کا مسلم ثبوت ہے۔ آپ نے ۱۴۱ھ میں وفات پائی۔ جب حضرت امام جعفر صادقؑ کو آپ کی وفات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا "خدا کی قسم اس خبر نے میرا دل ہلا دیا۔"

ابوجعفر محمد بن حسن رواسی: آپ علم قرآت، نحو اور تفسیر کے مشہور عالم تھے۔ کتاب الفیصل، معنی القرآن وغیرہ پانچ کتابوں کے مصنف تھے۔ ۱۰۱ھ میں وفات پائی۔

عبداللہ بن میمون القداح: آپ کی تصانیف میں ایک کتاب مبعث النبی پر، ایک رسالتمآبؐ کی سیرت و تاریخ پر اور ایک کتاب حالات جنت و نار پر تھیں۔ آپ نے ۱۱۱ھ میں وفات پائی۔

زرارہ بن اعین: آپ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے برگزیدہ اور عالی مرتبت اصحاب میں سے تھے۔ آپ فقیہ، متکلم، ادیب اور شاعر تھے۔ بڑے بزرگ مرتبہ شیعہ عالم تھے آپ کی بابت حضرت امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے "اگر برید بن معاویہ، ابوبصیر محمد بن مسلم اور زرارہ بن اعین نہ ہوتے تو آثار پیغمبر اور معارف شیعہ محو ہو جاتے۔ یہ لوگ حلال اور حرام خدا کے امین ہیں۔" زرارہ کے چاروں بھائی عمران، بکیر، عبدالملک اور عبدالرحمٰن پکے شیعہ تھے۔ زرارہ کے خاندان میں سے چند افراد نے سلاطین بنی امیہ کے ظلم و جور سے تنگ آ کر خروج

کیا تھا لہٰذا حکمران آپ کے دشمن بن گئے ہر وقت اور ہر جگہ ان کے پیچھے جاسوس لگے رہتے تھے۔ علم کلام، فقہ اور حدیث میں آپ کی بہت سی کتب ہیں۔ زرارہ نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔

محمد بن مسلم ثقفی: آپ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ آپ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں تھے اور ہر دو امامین کے راویان ثقات میں سے تھے۔ آپ کو "فقیہ اہلبیت" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ کی زندگی اسلامی تعلیمات کا مکمل نمونہ تھی۔ آپ کی بہت سی تصانیف تھیں۔ آپ کی وفات بھی ۱۵۰ھ میں بتائی گئی ہے۔

ابوحمزہ ثمالی: آپ کا نام ثابت بن دینار تھا۔ آپ بھی امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ کے حلقہ درس میں شامل تھے۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ وکیع اور ابونعیم ان سے روایت کرتے تھے اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ شیعہ تھے۔ آپ کے تین فرزندان منصور، نوح اور حمزہ حضرت زید شہید کے ہمراہ جنگ میں شریک تھے۔ تفسیر پر ایک کتاب کے علاوہ "النواد" اور "الزہد" آپ کی تصانیف تھیں۔ آپ کی وفات بھی ۱۵۰ھ میں بتائی گئی ہے۔

جابر بن یزید جعفی: آپ بھی کوفہ کے رہنے والے تھے۔ آپ کو حضرت محمد باقرؑ کی شاگردی کا شرف حاصل تھا۔ آپ نے امامؑ سے کثیر تعداد میں احادیث سن کر یاد کیں۔ جنکا ذکر صحاح ستہ میں موجود ہے۔ ہشام بن عبدالملک نے حاکم کوفہ کو آپکے قتل کرنے کیلئے لکھا لیکن جابر نے بحکم امام پہلے ہی اپنے آپ کو پاگل بنا لیا تھا۔ جب حاکم کوفہ نے ان کو مجنوں حالت میں دیکھا اور لڑکے ان کے پیچھے لگے ہوئے تھے تو وہ انکو پاگل سمجھ کر قتل کرنے سے باز رہا۔ جابر کا انتقال ۱۲۸ھ میں ہوا۔

اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن السدی: آپ امام محمد باقرؑ کے صحابی اور مشہور مفسر قرآن تھے۔ تمام مفسرین نے آپ کے حوالے "سدی" کے نام سے دیئے ہیں۔ آپ کی وفات ۱۲۷ھ میں ہوئی۔

ابوالبصیر لیث: حضرت امام محمد باقرؑ کے چار اصحاب تھے جن کی کنیت ابوالبصیر تھی جسکی وجہ سے روایات کے منسوب کرنے میں بڑا مغالطہ ہوتا ہے۔ یہ ابوالبصیر لیث بن البختری المرادی تھے۔ آپ شیعہ راویاں ثقہ میں سے ہیں انہیں امام جعفر صادقؑ کی صحبت کا شرف بھی حاصل ہے آپ بہت رفیع المرتبت تھے۔ حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ "جنہوں نے ہمارے ذکر کا احیاء کیا اور میرے باپ کی احادیث کو خلائق کے درمیان پھیلایا وہ ابوالبصیر لیث المرادی، زرارہ، محمد بن مسلم و یزید بن معاویہ العجلی ہیں یہ نہ ہوتے تو کوئی دین کا انبساط نہ کر سکتا۔ یہ محافظان دین اور امانت دار ہیں۔"

ابوالبصیر عبداللہ بن محمد الاسدی: آپ امام محمد باقرؑ کے ان چھ اصحاب میں سے ہیں جو افقہ کہلاتے ہیں وہ یہ ہیں ابوالبصیر اسدی، محمد ابن مسلم، فضیل بن یسار، برید العجلی، زرارہ اور ابوالبصیر المرادی۔

ابوالبصیر ابن حارث تیری: ان کے متعلق کچھ زیادہ معلوم نہیں۔

ابوالبصیر یحییٰ بن ابی القاسم اسحاق الاسدی: آپ حضرت محمد باقرؑ کے راویان میں سے تھے۔ آپ مکفوف یعنی نابینا تھے۔ ان کو امام جعفر صادق کی صحبت کا شرف بھی حاصل تھا۔ آپ جلیل المرتبہ بزرگ تھے۔ جب لوگوں نے امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ "آپ کی عدم موجودگی میں مسائل کس سے پوچھیں۔" آپ نے جواب دیا "اگر کوئی مسئلہ پوچھنا ہو تو ابوالبصیر اسدی سے پوچھو۔" آپکی تصانیف میں ایک کتاب مناسک حج تھی۔

عطیہ بن سعید عوفی: آپ امام محمد باقرؑ کے صحابی تھے۔ آپ نے تفسیر کی پانچ جلدیں تصنیف کیں۔ آپ کی وفات ۱۱۱ھ میں ہوئی۔

عمار بن معاویہ دہنی: امام محمد باقرؑ کے یہ صحابی فقہ کی ایک کتاب کے مصنف تھے۔ ۱۳۳ھ میں فوت ہوئے۔

انکے علاوہ جو دیگر صاحب تصانیف اصحاب امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہم السلام تھے انکے نام یہ ہیں: سالم بن ابی حفصہ کوفی متوفی ۱۳۷ھ عبدالمومن بن قاسم انصاری متوفی ۱۴۷ھ اسحاق قمی، اسمعیل ابن جعفر کوفی، حارث بن مغیرہ، اسمعیل بن عبدالخالق، حذیفہ بن منصور خزاعی، حسن بن السری الکاتب، حسین بن ثور، حسین بن مصیب، حماد بن طلحہ، حسین بن حماد عبدی کوفی، حمزہ بن حمران بن اعین (یہ زرارہ کے بھتیجے تھے)، عامر بن عبداللہ العامری، فضیل بن یسار بصری، سلام بن مستنیر، برید بن معاویہ العجلی، حکیم بن ابی نعیم، محمد بن مسلم ثقفی، عبداللہ بن ابی یعفور، زیاد بن المنذر اعمیٰ (ابوجارود)، زیاد بن ابی رجاء (ابوعبیدہ الحذاء)، زیاد بن سوقہ، زیاد مولی امام محمد باقرؑ، زیاد بن ابی زیاد منقری، زیاد الاحلام، محمد بن اسمعیل بن بزیع، محمد بن مروان کوفی، اسمعیل بن فضل ہاشمی (نوفل بن حارث کی نسل سے)، ابوہارون المکفوف، ظریف بن ناصح، سعید بن الاسکاف دوئلی، عقبہ بن بشیر اسدی، اسلم المکی (محمد حنفیہ کے غلام)، ناجیہ بن عمار اصیداوی، معاذ بن مسلم الھراء خوی، بشیر الرجال وغیرہ۔

ان کے علاوہ کمیت بن زید اسدی جو بہت مشہور شاعر تھے امام محمد باقرؑ کے حلقہ درس میں داخل تھے۔ یہ ہمیشہ مدح اہلبیت میں رطب اللسان رہتے تھے اپنے اشعار کے ذریعہ اہلبیت کا دفاع کرتے تھے جسکے باعث اموی حکمران انہیں ڈراتے دھمکاتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے امام محمد باقرؑ کی مدح میں اشعار کہے اور امام کو پیش کئے امام نے ایک لاکھ درہم عطا کئے اور فرمایا "یہ رقم ہمارے خاندان والوں نے جمع کر کے تمہیں دی ہے۔" کمیت نے کہا "قسم خدا کی میں سیم وزر کا خواہاں نہیں ہوں اگر آپ مجھے اپنا ایک پیرہن عطا کریں تو یہ میرے لئے سب سے زیادہ قیمتی ہے۔" امام نے اپنا ایک پیرہن کمیت کو عطا فرمایا۔

گو کہ آئمہ اہلبیت ہمیشہ معتوب شاہی رہتے تھے لیکن پھر بھی حامل علم لدنی، وارث علوم انبیاء اور سرچشمہ وحی سے سیراب ہونے والے آئمہ معصومین

کے وسعت علمی کے سبب شیفتگانِ علم ودانش دور دور سے کھنچے چلے آتے تھے۔ جناب امام محمد باقرؑ کی تبحر علمی کا یہ عالم تھا کہ صحابہ میں جابر بن عبداللہ انصاری، تابعین میں سے جابر بن یزید جعفی، کیسان سجستانی وغیرہ نے۔ فقہا میں سے ابن المبارک، زہری، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعیؒ، امام اوزاعی، زیاد بن منذر نے۔ مورخین میں سے طبری، بلاذری، السلامی، خطیب نے روایتیں لیں ہیں۔ ان کے علاوہ موطا، حلیۃ الاولیا، شرف المصطفیٰ، سنن ابی داؤد، مسند ابی حنیفہ، مسند مزوری، ترغیب الاصفہانی، بساط الواحدی، تفسیر النقاش، زمخشری، اور رسالۃ السمانی وغیرہ میں بھی امام محمد باقرؑ سے روایتیں لی گئی ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی اور علامہ ابن القیم لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ ایک مدت تک حضرت (محمد باقرؑ) کی خدمت میں حاضر رہے اور انھیں سے فقہ وحدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں۔ شیعہ سنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ہی کا فیض صحبت تھا۔ امام صاحب نے آپ کے فرزند رشید حضرت جعفر صادقؑ کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا۔ جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ [1]

علامہ جامی نے تحریر کیا ہے کہ انسانوں کی طرح آپ سے جن بھی علمی فائدہ اٹھایا کرتے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن بارہ اجنبی اشخاص کو آپ کے پاس دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں، امام محمد باقر نے فرمایا "یہ جن میرے پاس مسائل شرعیہ پوچھنے آئے ہیں۔" [2]

مولفات امام: جناب امام محمد باقرؑ کی ایک کتاب تفسیر قرآن ہے جس کا ذکر ابن الندیم نے اپنی کتاب "الفہرست" میں زیرعنوان کتب تفسیر ان کے الفاظ میں کیا ہے۔ کتاب الباقر محمد بن علی ابن الحسین علیهم السلام رواه عنه ابوالجارود وزیاد بن المنذر۔ یعنی کتاب تفسیر جناب محمد باقرؑ کی جس سے

[1] سیرۃ نعمان ص: ۳۵، اعلام الموقعین ص: ۹۳ ج: ۱، [2] شواہد النبوۃ ص: ۱۸۳،

جارود وزیاد بن منذر رئیس جارودیہ نے روایت کی ہے۔ علامہ محسن الامین کہتے ہیں اس کتاب سے علی بن ابراہیم بن ہاشم نے اپنی تفسیر میں روایت لی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے مرقومہ دو رسالے ہیں جو آپ نے سعد الخیر کو لکھے۔ ان دونوں رسالوں کو علامہ کلینی نے اپنی کتاب "الکافی" میں نقل کیا ہے۔ [1]

شہادت: علماء کا بیان ہے کہ اس آفتاب علم وہدایت کو بھی زہر کے ذریعہ شہید کردیا گیا۔ گرچہ امام محمد باقرؑ اپنے علمی فیوض وبرکات سے تعلیمات اسلامی کے فروغ میں مصروف رہتے تھے اور ملکی سیاست واقتدار کی دوڑ سے قطعی لاتعلق تھے لیکن پھر بھی حکمرانِ وقت آپ کی ہردلعزیزی وشہرت سے خائف رہتے تھے۔ اموی حکمران ہشام بن عبدالملک نے ولید بن مغیرہ کے ذریعہ آپ کو زہر دلوایا۔ ایک روایت کے مطابق ہشام نے زہر آلود زین ارسال کی جس سے آپکی موت واقع ہوئی۔ [2] ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ مات مسموماً کابیه یعنی آپ اپنے پدر بزرگوار کی طرح زہر سے شہید کئے گئے۔ [3] امام کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ امام کو اپنی رحلت کا وقت اور دن معلوم ہوتا ہے۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ امام محمد باقرؑ اتنے شدید علیل ہوئے کہ آپ کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی ہم سب غمزدہ انکے سرہانے بیٹھے تھے۔ آپ نے آنکھ کھولی ہماری طرف دیکھا اور فرمایا کہ رنجیدہ نہ ہو میں اس بیماری سے نہیں مروں گا بلکہ فلاں دن اور فلاں وقت رحلت کروں گا۔ چنانچہ اس بیماری سے آپ نے صحت پائی اور آپکا انتقال اسی دن اور اسی وقت ہوا جس کی بابت آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔ [4] علامہ کلینی نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی کہ جس دن میرے والد نے رحلت کی میں ان کے پاس تھا۔ انہوں نے اپنے غسل وکفن اور قبر میں داخل کرنے کے متعلق کئی وصیتیں فرمائی۔ [5] علامہ جامی علیہ رحمۃ تحریر کرتے ہیں کہ شہادت سے

[1] نورالمشرقین ص: ۲۳۵ [2] دمعہ ساکبہ ص: ۴۷۸ ج: ۲ [3] صواعق محرقہ ص: ۱۴۰،
[4] اعیان الشیعہ ص: ۸۱ ج: ۳، [5] الکافی کتاب الحجہ ص: ۵۹،

قبل آپ نے اپنے فرزند جعفر صادق سے بہت سے امور کی بابت وصیت فرمائی۔ آپ نے غسل وکفن کے متعلق خاص طور سے ہدایت کی۔ [1] علامہ کلینی نے الکافی میں روایت بیان کی ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ آپ کے والد بزرگوار نے تبرکات رسول یعنی کتب "سلاح" آثار الانبیاء" وغیرہ میرے پاس امانت رکھوائے تھے جب آپ کا وقت رحلت نزدیک ہوا تو آپ نے چار گواہ بلوائے جن میں ایک حضرت عبداللہ بن عمر کے غلام حضرت نافع تھے پھر آپ نے وصیت لکھوائی۔ اس کے بعد فرمایا کہ مجھے اس ردا میں کفن دینا جو میں نماز جمعہ کے وقت اوڑھا کرتا تھا۔ اور ایک عمامہ بھی باندھا جائے۔ قبر چوڑی کھودی جائے۔ حضرت امام محمد باقرؑ نے بتاریخ ۷/ذی الحجہ ۱۱۴ھ یوم دوشنبہ (پیر) مدینہ منورہ میں رحلت فرمائی اس وقت آپ کی عمر ۵۷ سال تھی اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔ [2] آپ کی شہادت سے دنیائے علم ودانش ہمیشہ کیلئے سوگوار ہوگئی۔

آپ نے شہادت سے قبل حضرت امام جعفر صادقؑ سے ارشاد فرمایا "میں آج کی رات اس دنیا سے کوچ کر جاؤں گا، کیونکہ میں نے اپنے پدر بزرگوار کو خواب میں دیکھا ہے کہ مجھے شربت پیش کررہے ہیں جسے میں نے پیا، مجھے زندگی جاوید اور اپنے دیدار کی بشارت دے رہے ہیں۔ [3]

ازواج واولاد: حضرت امام محمد باقرؑ کی چار ازواج تھیں جن سے آپ کی کل سات اولاد ہوئی جن میں پانچ فرزندان اور دو دختران تھیں۔ حضرت جعفر صادق اور عبداللہ افطح ان دونوں کی مادر گرامی ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ تھیں۔ (یہ قاسم بن محمد حضرت امام حسینؑ کی زوجہ بی بی شہربانو کی بہن گیہاں بانو کے فرزند تھے)۔ ابراہیم وعبیداللہ کی والدہ محترمہ ام حکیم بنت اسد بن مغیرہ ثقفی تھیں۔ ابراہیم اور عبیداللہ دونوں والد کی حیات میں فوت ہوگئے تھے۔ علی اور زینب کی والدہ ام ولد تھیں جن کا نام لیلیٰ تھا۔ ام سلمہ ان کی والدہ بھی ام ولد تھیں۔ یہ ام سلمہ زوجہ تھیں محمد ارقط بن عبداللہ الباھر کی اور والدہ تھیں اسمعیل

[1] شواہد النبوۃ ص: ۱۸۱، [2] ارشاد شیخ مفید ص: ۲۹۳، روضۃ الشہداء ص: ۳۳۳، شواہد النبوۃ ص: ۱۸۱، کشف الغمہ ج: ۲ ص: ۹۳ وغیرہ [3] بصائر الدرجات ص: ۱۳۱

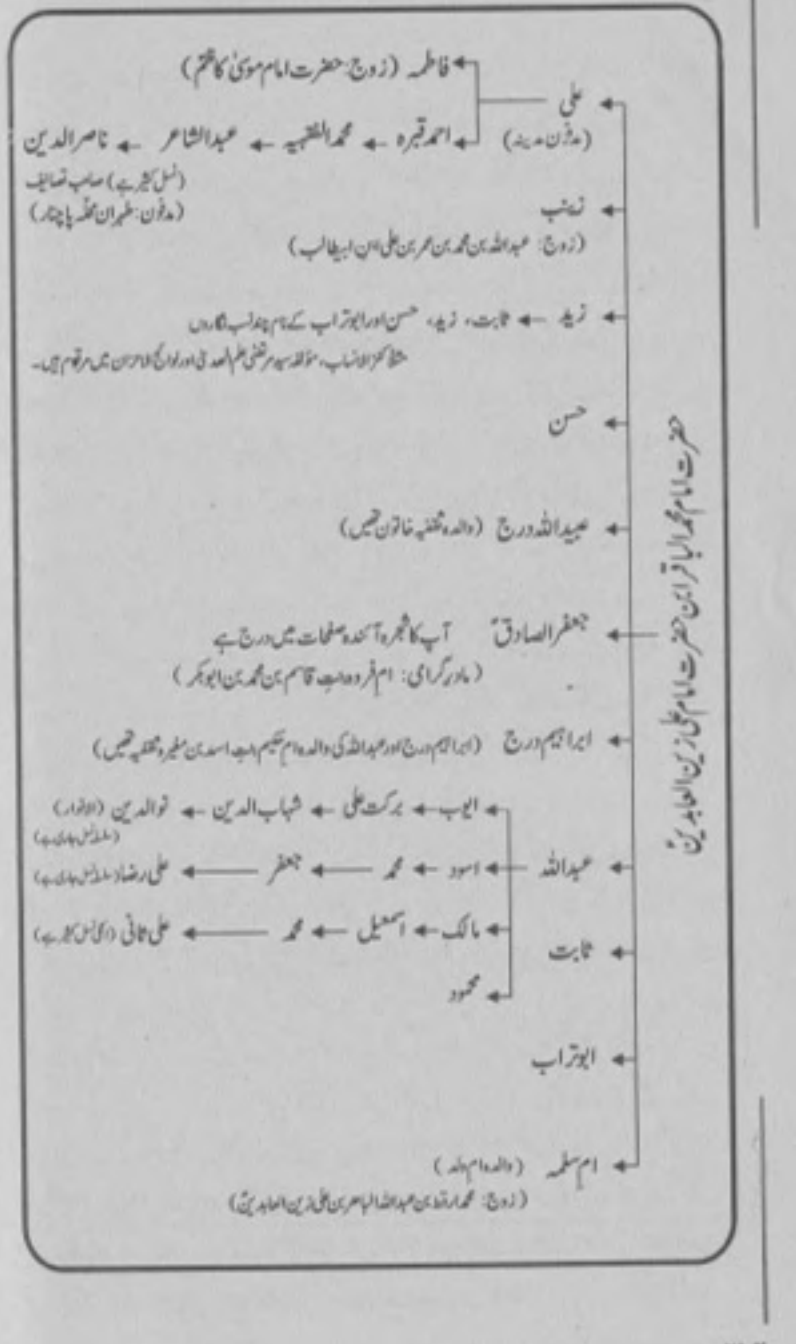

بن محمد ارقط کی جنہوں نے ابوالسرایا کے ساتھ خروج کیا تھا۔ جب کہ زینب زوجہ تھیں عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی ابن ابیطالب کی۔

جعفر صادق کے واقعات آئندہ صفحات میں مرقوم ہیں۔ عبداللہ افطح کی بابت شیخ عباس قمی نے لکھا ہے کہ آپ صاحب فضل و ورع مشہور تھے۔ ان کو ایک اموی نے زہر دیکر شہید کر دیا۔ عبداللہ افطح کے ایک بیٹے اسمٰعیل تھے جن کو علمائے رجال نے امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔ ان کے ایک بیٹی تھی جنکی کنیت ام خیر تھی۔ [1]

علی بن امام محمد باقرؑ کی ایک دختر فاطمہ تھیں جو حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی زوجہ تھیں۔ اور علی بن محمد کے ایک بیٹے احمد تھے جن کا لقب قبرہ تھا یہ احمد قبرہ اصفہان میں آباد ہوئے اور وہیں پر ان کا مزار مسجد شاہ کے نزدیک ہے۔ جبکہ علی بن محمدؒ کی قبر بغداد کے محلّہ جعفریہ میں ہے۔

علامہ محمد آل کاشف الغطاء اور علامہ حسین واعظ کاشفی کا بیان ہے کہ حضرت محمد باقرؑ کی نسل صرف حضرت امام جعفر صادق سے چلی ان کے علاوہ کسی کی اولاد زندہ و باقی نہیں رہی۔ [2] جبکہ نسابین میں خصوصاً علامہ سید فاضل موسوی اعلیٰ مقامہ نے حضرت جعفر صادق کے علاوہ علی اور عبداللہ کی کثیر نسل تحریر کی ہے۔ نیز حضرت امام محمد باقرؑ کے مذکورہ پانچ فرزندان کے علاوہ مزید تین فرزندان زیدؑ حسن اور ثابت بھی تحریر کئے ہیں۔ عین ممکن ہے یہ تینوں بھی طفلی میں فوت ہو گئے ہوں۔ جناب علامہ سید فاضل موسوی اعلیٰ مقامہ نے اپنے مرتبہ شجرہ میں عبداللہ افطح کے چار فرزند ایوب (المعروف نجیب اللہ)، محمود، اسود (المعروف سید ہاشمی) اور مالک لکھے ہیں اور ان کی نسلوں کے نام بھی تحریر کئے ہیں۔ [3]

[1] منتہی الامال ص: ۱۳۵ ج: ۲ مقاتل الطالبین ص: ۱۰۹ [2] انوار الحسینیہ ص: ۳۸ ج: ۲ روضۃ الشہداء ص: ۳۳۳ [3] الشجرۃ الطیبہ ص: ۵ ج: ۲

قدیم و جدید مستند کتب کی روشنی میں خاندان بنی ہاشم کے آباء و اجداد، پسران و دختران، امہات و ازواج کے واقعات و حالات، عقائد و نظریات، دینداری و دینی خدمات، نسلی و نسبی تسلسل اور باہمی رفاقت و رقابت کو

ارتضیٰ بن رضا نواز پوری نے

تاریخ بنی ہاشم

میں نئے زاویے اور نئے انداز سے پیش کیا ہے

تاریخ کا یہ سلسلہ پانچ جلدوں پر مشتمل ہے

حضرت آدمؑ سے حضرت خاتمؐ تک کے واقعات	جلد اوّل	قیمت۔/90
حضرت خاتمؐ سے حضرت دائمؑ (امام حسینؑ)	جلد دوئم	قیمت۔/90
	جلد سوئم	قیمت۔/90
حضرت دائمؑ (امام حسینؑ) سے حضرت کاظمؑ تک کے واقعات	جلد چہارم	قیمت۔/110
حضرت کاظمؑ سے حضرت قائمؑ عج تک کے واقعات	جلد پنجم	زیر طبع

ترجمہ: اللہ ہی کے بہترین نام ہیں، اور تم اسے انہی ناموں سے پکارا کرو۔ (القرآن)

وظائف اسماء الحسنیٰ

مرتب: ارتضیٰ بن رضا نواز پوری

اس کتاب میں اللہ کے پاک و پاکیزہ نام، ان ناموں کے خواص، ابجد قمری کے حساب سے ان کے اعداد، ورد کرنے کے اوقات و ایام اور طریقہ استخراج اسم اعظم وغیرہ اردو اور انگریزی میں درج کئے گئے ہیں۔

ہدیہ: ۔/36 روپے

ناشر: مکتبۃ الشہبازیہ
A-15 [illegible] کراچی۔
فون نمبر: 624988

کربلا اور کربلا کے بعد

مولف: ارتضیٰ بن رضا نواز پوری

اس کتاب میں تاریخ کے مستند واقعات

- [illegible]
- [illegible]
- [illegible]
- شہادت امام حسینؑ کے اثرات
- [illegible]
- [illegible]
- [illegible]

[illegible]

قیمت: ۔/60 روپے

ہماری مطبوعات جملہ شیعہ بک اسٹالز پر دستیاب ہیں

حضرت جعفر بن محمدؑ

اللہ رب العزت نے جناب محمد بن علی زین العابدین علیہم السلام کو درسگاہ باقر العلوم کی وسعت و سربلندی کیلئے ایک جانشین مرحمت فرمایا۔ جو جعفر نامی نہر بہشت کی مناسبت جعفر فضیلت مآب ہیں، جو اپنے اقوال کی صداقت کے باعث صادق لقب ہیں، جو گلستانِ زہراؑ کے گل بوتراب ہیں، جو گلدستہ امامت میں مثل گلاب ہیں، جنکے جد جناب رسالتمآبؐ ہیں، یہ فرزند محمدؐ و علیؑ دین خدا کا شباب ہیں، جو اپنے ہمعصروں میں مانند آفتاب ہیں، جو ستاروں کی انجمن میں ماہتاب ہیں، رہبر کامل و ہادی دیں آپ جناب ہیں، آپ فقہائے زمانہ میں لاجواب ہیں، آئمہ فقہ نے جن کو پڑھا وہ نصاب ہیں، حاسد جنکے بڑے خانہ خراب ہیں، مداح آپکے حشر میں کامیاب ہیں۔ اور آپ وہ معصوم ہیں جو بارگاہ رب میں باریاب ہیں۔

ولادت باسعادت: آپ کی تاریخ ولادت کی بابت دو اقوال پائے جاتے ہیں۔ بقول علامہ محسن الامین آپ کی تاریخ ولادت ۱۷ ربیع الاول ۸۰ھ مطابق ۲۴ مئی ۶۹۹ء ہے جبکہ علامہ کلینی علیہ رحمۃ کے مطابق ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ مطابق ۲۱ اپریل ۷۰۲ء آپ کی تاریخ ولادت ہے۔ علماء نے بالاتفاق قول دوئم یعنی ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ کو درست اور مرجح قرار دیا ہے۔ [1]

آپ کی ولادت کے بعد ایک دن امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ "میرا یہ فرزند چند مخصوص افراد میں سے ہے جن کے وجود سے خدا نے بندوں پر احسان فرمایا ہے اور یہی میرے بعد میرا جانشین ہوگا۔" [2]

[1] الارشاد (فارسی) ص: ۳۱۳، اعلام الوریٰ ص: ۲۶۶ [2] جنات الخلود ص: ۲۷، چودہ ستارے ص: ۳۳۶

نام، لقب وکنیت: آپ کا اسم گرامی جعفر رکھا گیا جس کی بابت علماء کا بیان ہے کہ آپ نے خود فرمایا کہ "میرے والد ماجد نے میرا نام جنت کی ایک نہر کے نام پر جعفر رکھا۔"[1] آپ کے مشہور القاب صادق، صابر، فاضل، طاہر وغیرہ تھے۔ ان میں مشہور ترین لقب صادق ہے۔ جسکی بابت علامہ ابن خلکان کا بیان ہے کہ صدق مقال کی وجہ سے آپ کے نام نامی کا جز "صادق" قرار پایا۔[2] آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور ابواسمٰعیل تھی لیکن زیادہ مقبول ابوعبداللہ ہے علامہ کلینی نے "الکافی" میں اسی کنیت سے آپ کا ذکر کیا ہے۔

نسب مبارک: آپ حضرت امام محمد باقرؑ ابن علیؑ ابن حسینؑ ابن علیؑ ابن ابیطالب کے فرزند تھے۔ اس سلسلہ نسب کی فضیلت وبرتری اظہر من الشمس ہے۔ اپنے بیگانے، دوست ودشمن سب ہی اس نسب کی نجابت وشرافت اور بزرگی وعظمت کے قائل ہیں۔

آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ ابن قحافہ ہے۔ ام فروہ کے دادا محمد، اسماء بنت عمیس کے بطن سے ذی قعدہ ۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اسماء بنت عمیس پہلے حضرت جعفر بن ابیطالب کی زوجہ تھیں۔ جناب جعفر طیار کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ان سے عقد کیا جن سے محمد پیدا ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت علیؑ نے ان سے عقد کرلیا۔ اس طرح محمد بن ابوبکر تین سال کی عمر میں حضرت علیؑ کے سایہ شفقت میں آگئے۔ آپ ہی نے ان کی تعلیم وتربیت فرمائی اور وہ "ربیب علیؑ" کہلائے۔ یہ عابد وزاہد اور متقی و پرہیزگار تھے۔ جنگ جمل وصفین میں حضرت علیؑ کی فوج میں شامل رہے اور جوانمردی وجانثاری کے جوہر دکھائے۔ حضرت علیؑ نے ۳۸ھ میں ان کو مصر کا والی بنا کر بھیجا۔ صفین میں تحکیم کے کارنامے کے عیوض امیر معاویہ نے عمر بن العاص کو مصر کی ولایت دینے کا وعدہ کیا تھا لہٰذا اس کو محمد بن ابوبکر پر لشکر کشی کیلئے

---

[1] ارجح المطالب ص:۴۵۲، [2] وفیات الاعیان ص:۱۰۵ ج:۱، جواہر الکلام (بغدادی) ص:۱۳

بھیجا۔ عمرو بن العاص نے ایک لشکر معاویہ بن خدیج کی سپہ سالاری میں مقابلہ کیلئے روانہ کیا۔ فریقین میں جنگ ہوئی۔ محمد بن ابوبکر کو شکست ہوئی۔ معاویہ بن خدیج نے انھیں گدھے کی کھال میں منڈوا کر زندہ جلادیا۔[1] اس واقعہ کو متعدد مورخین نے لکھا ہے ہم یہاں ایک اقتباس سبط ابن جوزی کا نقل کر رہے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ:

> "جب محمد اور شام کے لشکر میں جنگ شروع ہوئی تو محمد گھوڑے سے اتر کر جنگ کرنے لگے آپ کے ساتھی آپ کو چھوڑ گئے تو آپ نے ایک خرابہ میں جا کر پناہ لی۔ انھیں پکڑ کر معاویہ بن خدائج کے پاس لایا گیا جبکہ آپ روزہ کی حالت میں سخت پیاسے تھے۔ معاویہ نے آپ کو پانی نہ پینے دیا۔ انھیں قتل کرنے کے بعد گدھے کی کھال میں ڈال کر جلادیا۔ جب حضرت عائشہ کو یہ خبر ملی تو عائشہ نے سخت گریہ کیا۔ حضرت عائشہ، معاویہ (بن ابوسفیان) اور عمر بن عاص کو ہر نماز میں بددعا کیا کرتی تھیں ــــــــ حضرت علی کو محمد کی خبر ملی تو آپ روئے اور انکہار تاسف کیا اور محمد کے قاتلوں پر لعنت کی۔"
>
> (تذکرۃ الخواص ص:۱۳۶)

جناب جعفر صادق کے نانا قاسم بن محمد بن ابوبکر بھی وفاداران اہلبیت میں سے تھے۔ ان کا شمار حضرت امام زین العابدینؑ کے رفقائے خاص میں ہوتا ہے۔ قاسم کی والدہ گیہان بانو حضرت امام حسینؑ کی زوجہ شہربانو (شاہ زنان) کی سگی بہن تھیں۔ اس رشتہ سے قاسم جناب زین العابدینؑ کے خالہ زاد بھائی ہوئے۔ اور جناب جعفر صادق کی نانی اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابوبکر تھیں انھیں کے بطن سے ام فروا پیدا ہوئیں۔ اس طرح حضرت امام جعفر صادقؑ کا مادری سلسلہ نسب بھی نجیب وشریف اور قابل عزت واحترام ہے۔

---

[1] ابن اثیر ص:۱۳۳ ج:۳، الطبری جلد:۶، الاستعیاب، تاریخ کامل وغیرہ۔

ابتدائی پرورش وتربیت: جناب امام جعفر صادقؑ کی ابتدائی پرورش و تربیت گیارہ سال تک آپکے دادا حضرت امام علی زین العابدینؑ کے سایہ شفقت میں ہوئی۔ آپ اپنے پوتے جعفر بن محمدؑ سے بہت زیادہ مانوس تھے۔ اور بے حد محبت فرماتے تھے۔ آپ اکثر وبیشتر فرمایا کرتے تھے کہ "اس امت کی کشور کشائی میرے اس فرزند کے ہاتھوں ہوگی۔" دادا کے انتقال کے بعد آپ تقریباً بیس سال اپنے پدر بزرگوار کی زیر تربیت رہے۔ بچپن ہی سے حضرت جعفر صادق پر خوف الٰہی کا غلبہ تھا آپ اکثر وبیشتر اپنے جلیل القدر دادا کے ساتھ محراب عبادت میں کھڑے ہوتے تھے اور ان مجالس میں شریک رہتے تھے جن میں آپ کے جد و پدر یعنی امام حضرت علی زین العابدین اور امام محمد باقر علیہم السلام دینی مسائل بیان فرمایا کرتے تھے اور لوگوں کو درس دیتے تھے۔

یافعی نے مراۃ الجنان میں تحریر کیا ہے کہ "شروع ہی سے یہ بات ظاہر ہوگئی تھی کہ جعفر بن محمد کی ذات مظہر انوار الٰہیہ اور ان کا سینہ علم وصدق کا خزانہ ہے۔ جتنے علوم آپ کی ذات سے دنیا میں پھیلے ہیں اور جتنی برکتیں آپ سے ظاہر ہوئی ہیں اس کی مثال امت محمدیہ میں نہیں ملتی۔ بے شک آپ صدیق، صادق، خدا سے بہت ڈرنے والے، عابد، زاہد اور امام عہد تھے۔"

سراپا ولباس: جناب جعفر صادقؑ کے سراپا یعنی شکل وشباہت کی بابت اعیان الشیعہ، مناقب ابن شہر آشوب، جلاء العیون، کشف الحقائق وغیرہ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا قد میانہ مائل بہ فربہی تھا۔ چہرہ مبارک درخشاں، بال سیاہ وگھونگریالے تھے۔ ناک دراز وباریک جس کا استخواں قدرے درمیان سے ابھرا ہوا تھا۔ سر کے اگلے حصہ پر بال نہ تھے۔ رخسار پر سیاہ خال تھا۔ جسم مبارک پر دو ڈورے سرخی کے تھے۔ ریش مبارک گھنی اور مدور تھی۔ لبیں زیادہ لیتے تھے۔ فصول المہمہ میں رقم ہے کہ رنگ گندم گوں تھا۔ ریش وبروت پر حنا کا خضاب کرتے تھے۔[1]

---

[1] نورالمشرقین من حیات الصادقین ص:۲۴۷

جناب جعفر صادقؑ عمدہ، نفیس ولطیف لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے جس کو دیکھ کر لوگ تعجب کرتے اور معترض ہوتے کہ امیر المومنین حضرت علیؑ ادنیٰ درجہ کا موٹا لباس پہنتے تھے اور آپ عمدہ لباس پہن رہے ہیں۔ جناب جعفر صادقؑ نے جو جوابات دیئے ان میں آپ نے تین نہایت اہم بنیادی اصول بیان فرمائے۔ (۱) اسلاف کے اقوال وافعال کا صحیح اندازہ کرنے کیلئے ان کے زمانے کے حالات کا مطالعہ اشد ضروری ہے پھر ان کے اقوال وافعال کو اپنے زمانہ کے لحاظ سے دیکھنا چاہیے۔ یعنی موازنہ کرتے وقت ہر دو ادوار کی معاش ومعاشرت و دیگر عوامل کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرنا چاہیے۔ عام طور سے لوگ ایسا نہیں کرتے جس کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ سخت غلطی کا شکار ہوجاتے ہیں۔ (۲) انسان کو اپنی استطاعت کے مطابق اتنا قیمتی لباس پہننا چاہیے جس سے عزت ہو۔ اگر باوجود استطاعت کے کوئی پھٹے پرانے کپڑے پہنے گا تو وہ بخیل کہلائے گا یا ریاکار۔ اگر لباس کی وضع قطع یا طرز میں کوئی شے حرام ہے تو وہ لباس مطلقاً جائز نہیں مثلاً انگریزی لباس میں "ٹائی"۔ (۳) دنیا یا دنیا کی زینت بذات خود بری چیز نہیں ہے بلکہ قرآن مجید میں دولت کو فضل اللہ کہا گیا ہے اور مفلسی وناداری باعث ذلت ہے۔ لیکن اس کے لئے تین شرائط ہیں۔

۱۔ حلال طریقہ سے دولت وزینت حاصل کی گئی ہو۔
۲۔ دولت کا استعمال وخرچ درست ہو۔ حرام امور میں خرچ نہ ہو اور نہ ہی بیجا اسراف ہو۔
۳۔ دولت کا ذخیرہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ اسلام میں دولت کی ذخیرہ اندوزی کو بہت برا سمجھا گیا ہے۔

ہمارے آئمہ اہلبیت عمدہ لباس زیادہ سے زیادہ ایک موسم پہنتے تھے دوسرے موسم کیلئے محفوظ نہیں کرتے بلکہ غربا کو دیدیتے تھے اس طرح وہ غریب بھی اچھے لباس سے لطف اندوز ہوجاتا تھا۔ ہمارے کسی امام نے دولت جمع نہیں کی اس معنی میں تو انہیں غریب کہا جاسکتا ہے لیکن ناداری نہ تھی جو باعث ذلت

ہو۔ کبھی کسی سے مانگا نہیں ہمیشہ دوسروں کو دیتے ہی رہے۔ بقول ابونعیم اصفہانی ''امام جعفر صادق اتنا غربا، کو کھلاتے تھے کہ ان کے عیال کیلئے بھی نہیں رہتا تھا۔''

ولادت سے امامت تک: حضرت جعفر صادقؑ کی ولادت کے وقت بنی امیہ کی مروانی شاخ کا دوسرا بادشاہ عبدالملک بن مروان حکمران تھا۔ جس کا ذکر ہم امام محمد باقرؑ کے عنوان کے تحت کر آئیں ہیں۔ جب آپ کی عمر تین سال ہوئی تو عبدالملک بن مروان ۸۶ھ میں فوت ہوا۔ عبدالملک کے بعد اس کا بیٹا ولید بن عبدالملک تخت نشین ہوا۔ اسی ولید کے زمانہ حکومت میں حضرت علی زین العابدینؑ کی شہادت ہوئی اور امام محمد باقرؑ درجہ امامت پر فائز ہوئے۔ ۹۶ھ میں ولید بھی موت کی آغوش میں چلا گیا۔ اور اس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک بادشاہ وقت ہوا۔ ان ظالم و حاسد بادشاہوں کی بداعمالیوں کا اندازہ ان تاریخی واقعات اور ان کے برتاؤ سے کیا جا سکتا ہے جو انہوں نے اپنے فاتح جنرلوں کیساتھ روا رکھے جب فاتح اسپین موسیٰ بن نصیر چار سو گوتم شہزادے اور ہزاروں غلام، قیمتی اسباب اور کثیر دولت کیساتھ دمشق پہنچا تو ولید کا آخری وقت تھا۔ جب سلیمان بادشاہ ہوا تو اس نے اپنے اس فاتح کی بہت تذلیل کی پورے دن دھوپ کی تپش میں ننگا کھڑا رکھا۔ اس کی ساری جائیداد ضبط کر لی نوبت یہانتک پہنچی کہ مسلمانوں کا فاتح اسپین موسیٰ بن نصیر وادی القریٰ میں بھیک مانگتا پھرتا تھا اور صدا لگاتا کہ ''ہے کوئی جو ہسپانیہ کے فاتح کو ایک روٹی دے۔''

جن بادشاہوں کا اپنے خیر خواہوں کے ساتھ ایسا بہیمانہ سلوک ہو ان کا خاندان بنی ہاشم جنہیں وہ اپنا دشمن تصور کرتے تھے کیساتھ کیسا برتاؤ ہوگا یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ اس کے علاوہ کتب تاریخ میں ان بادشاہوں کے جو واقعات مرقوم ہیں ان سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمان بادشاہوں کی جنگ آرائیاں نہ تو اسلام کی خاطر تھیں اور نہ ہی اسلامی مفاد ان کے پیش نظر تھا۔ وہ تو ہوس ملک گیری اور دنیاوی مفاد کی خاطر لڑتے تھے اور وہ بھی بدویوں کی مشہور حماقتوں کیساتھ۔

ان کے برعکس آئمہ اہلبیت ہمہ وقت تبلیغ دین اور تشہیر علوم اسلامی میں مصروف رہتے تھے اور دنیائے اسلام میں شمع نور ہدایت روشن فرماتے تھے۔ ان آئمہ کی یہ دینی خدمات بھی ان بادشاہان وقت کی نظروں میں کھٹکتی تھی۔

سلیمان بن عبدالملک کی وفات کے بعد ۹۹ھ میں عمر بن عبدالعزیز سربراہ حکومت ہوئے قبیلہ بنی امیہ میں یہ انتہائی نیک خو منصف مزاج و حق پسند بادشاہ تھے۔ لیکن ان کے قبیلے والوں کو آپ کی عدل پسندی و منصف مزاجی پسند نہ آئی۔ ابھی آپ کو حکومت سنبھالے ڈھائی سال بھی نہ گذرا تھا کہ آپ کے خاندان والوں نے زہر دیدیا افسوس کہ بنی امیہ کے اس بہترین فرمانروا کی خوبیاں ہی ان کیلئے بلائے جان بن گئیں۔ آپ کے انتقال کے بعد یزید بن عبدالملک ۱۰۱ھ میں حکمران ہوا۔ اور پھر وہی دور شروع ہوگیا۔ یزید بن عبدالملک کے عہد میں کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں سوائے اس کے کہ وہ عبابہ نامی ایک لونڈی پر فریفتہ تھا۔ ہر وقت وہ اسی کی آرزو کرتا تھا جب وہ بیمار ہوئی تو یزید اس کی بستر مرگ پر رونے لگا اور اپنے عشق کا یقین دلانے لگا۔ اور جب وہ مر گئی تو دفن نہ ہونے دیا اور اس کی میت کے بوسے لیتا رہا بالآخر لوگوں کے کہنے پر تین دن بعد میت دفن ہوئی۔ اس کے رنج میں سات دن کے اندر وہ خود بھی مر گیا۔ بس یہی اس کا قابل ذکر واقعہ ہے۔

یزید بن عبدالملک کی وفات کے بعد اس کا بھائی ہشام بن عبدالملک ۱۰۵ھ میں بادشاہ ہوا۔ ہشام کے بیس سالہ دور حکومت میں بنوامیہ کی سلطنت اپنی آخری حدود تک پہنچ گئی۔ ویسے تو یزید بن عبدالملک کے زمانہ ہی سے عباسی تحریک کا آغاز ہوگیا تھا لیکن ہشام کے طویل دور حکومت میں مروانیوں کی وسیع و عریض عظیم الشان سلطنت مائل بہ زوال ہوگئی۔ واقعہ کربلا کے بعد ہی سے لوگوں میں بنی امیہ سے نفرت پیدا ہوتی گئی اور بنوہاشم کے ساتھ بنوامیہ کے ہتک آمیز رویہ اور مخالفانہ و ظالمانہ روش نے اس میں مزید شدت پیدا کردی۔ آخر میں

حضرت زید بن علی زین العابدینؑ کی شہادت بنی امیہ کے تابوت کیلئے آخری کیل ثابت ہوئی جسکے نتیجہ میں دس سال کے اندر مروانی حکومت دریائے زاب میں غرق آب ہوگئی۔

اسی ہشام بن عبدالملک کے دور حکومت میں امام محمد باقرؑ کو شہید کیا گیا جسکے بعد ۱۱۴ھ میں جناب جعفر صادقؑ منصب امامت پر فائز ہوئے۔ آپ نے اپنی زندگی کا یہ ابتدائی دور دینی علوم کے حصول اور اپنے پدر بزرگوار کے دوش بدوش تبلیغ و تدریس میں گذارا۔ اور انتہائی صبر و استقامت سے حالات کا مقابلہ کیا۔

واقعات زمانہ امامت

۱۱۴ھ (۷۳ء) تا ۱۴۸ھ (۷۶۵ء)

حضرت جعفر صادقؑ کے زمانہ امامت جو مروانی اور عباسی حکمران گذرے انکے نام یہ ہیں۔ (۱) ہشام بن عبدالملک ۱۲۵ھ تک، ولید بن یزید ۱۲۵ھ سے ۱۲۶ھ تک، یزید بن ولید ۱۲۶ھ (صرف چار ماہ حکمران رہا) ابراہیم بن ولید ۱۲۶ھ (صرف ۷۰ دن حکمران رہا) مروان بن محمد ۱۲۷ھ سے ۱۳۲ھ تک (یہ آل مروان کا آخری تاجدار تھا)، عباسیوں کا پہلا تاجدار ابوالعباس سفاح ۱۳۲ھ سے ۱۳۶ھ اور ابوجعفر منصور ۱۳۶ھ سے ۱۵۸ھ تک۔ اسی منصور نے اپنے اقتدار کے زمانہ میں امام جعفر صادقؑ کو زہر سے شہید کر دیا۔!

حضرت امام جعفر صادقؑ کی امامت کا زمانہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہی وہ زمانہ تھا جس میں مسلمانوں کی تاریخ زبردست انقلاب سے دوچار ہوئی۔ اسی زمانہ میں حضرت زید شہیدؓ نے اور بعدہ، ان کے فرزند یحییٰ بن زید نے مروانی حکمرانوں کے ظلم کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ یہی وہ زمانہ تھا جس میں عباسی تحریک نے زور پکڑا۔ اسی زمانہ میں آل مروان کی بادشاہت ختم ہوئی اور بنوعباس کی حکمرانی قائم ہوئی اور یہی وہ زمانہ تھا جس میں محمد نفس ذکیہ نے عباسی حکومت کے خلاف اعلان جنگ کیا۔

حضرت جعفر صادقؑ کے زمانہ امامت میں مسلمانوں کی وسیع ترین حکومت پر طویل مدت حکمرانی کرنے والا ہشام بن عبدالملک ربیع الثانی ۱۲۵ھ میں فوت ہوا۔ جسکے بعد ولید بن یزید بادشاہ بنا جو اپنی بدکرداریوں اور بداعمالیوں

۱؎ صواعق محرقہ ص: ۱۲۱

میں شہرت رکھتا تھا۔ جملہ مورخین نے اس کی شراب خوری، عیش پرستی، فسق وفجور اور رقص وسرور سے وابستگی کا اظہار کیا ہے۔ طبری کا بیان ہے کہ یہ انتہائی بدعقیدہ اور رند تھا ہشام نے ۱۱۶ھ میں اسے امیر حج بنا کر بھیجا تو یہ اپنے ساتھ صندوقوں میں کتے بھی لیکر گیا۔ ایک صندوق جس میں کتا تھا اونٹ پر سے گر گیا۔ ولید کے خادموں نے اونٹ والے کو کوڑوں سے بری طرح پیٹا۔ اور یہ اپنے ہمراہ شراب بھی لیکر گیا تا کہ کعبہ میں شراب ونشاط کی محفل گرم کرے۔ [۱]

ابن فضل اللہ نے مسالک میں لکھا ہے کہ ''ولید بن یزید بڑا ہی ظالم، سرکش، حاسد، بے راہ، اپنے وقت کا فرعون، زمانہ بھر کا عیب دار، روز محشر اپنی قوم کے آگے آگے دوزخ میں جانے والا، قرآن کریم کو نیزہ پر اٹھانے والا، فاسق وفاجر تھا اور گناہوں پر بڑا دلیر تھا''۔ [۲]

بقول مسعودی ''ولید بن یزید نہایت شرابی، عیاش، فاسق و فاجر اور گانے کا دلدادہ تھا۔ سب سے پہلے اسی نے تمام شہر کے گویے بلا کر اپنے پاس جمع کئے۔ رندوں کی صحبت میں بیٹھ کر شراب پیتا اور اس کی صحبت میں افعال قبیحہ اور فحش باتیں ہوتیں۔۔۔۔ اسکے پاس رنڈیاں بھی تھیں۔ یہ سخت بدکار، زانی اور بیہودہ تھا۔ خلیفہ ہونے کے بعد مسلسل دو راتیں شراب خوری میں بسر کیں''۔ [۳]

مسعودی نے ولید کی بابت مزید تحریر کیا ہے کہ ''ولید آل مروان کا رند مشہور ہے۔ ایک دن اس نے آیت پڑھی۔ واستفتحوا و خاب کل جبار عنید من وراۂ جھنم و یسقیٰ من ماء صدید (یعنی انہوں نے دروازہ کھولنے کی خواہش کی اور ہر ظالم وسرکش محروم رہا اس کے پیچھے جہنم ہے اور اسے گرم پانی پلایا جاتا ہے) ولید نے قرآن منگوایا اسے تیروں کیلئے نشانہ بنایا اور خود یہ شعر پڑھتا ہوا اس پر تیر اندازی کرنے لگا۔

الو عد کل جبار عنید فھا انا ذاک جبار عنید

اذاما جئت ربک یوم حشر فقل یارب خرقنی الولید

[۱] تاریخ طبری ص: ۳۱۴ ج: ۶ مطبوعہ کراچی [۲] تاریخ الخلفاء ص: ۲۸۲ [۳] مروج الذہب ص: ۱۶۰

ترجمہ: تو ہر متکبر ظالم کو ڈراتا ہے۔ لے میں وہی ظالم وسرکش ہوں۔
جب تو حشر کے دن اپنے رب کے سامنے پیش ہو تو کہہ دینا کہ اے رب
مجھے ولید نے پارہ پارہ کیا۔ [۱]

اسی بداعمال وبدبخت ولید بن یزد کے دور حکومت میں جناب یحییٰ بن زید شہید کو جوزجان کے علاقہ میں شہید کیا گیا۔ ۱۲۶ھ میں یزید بن ولید نے اپنے باپ کو قتل کر کے حکومت سنبھالی۔ یہ معتزلی عقائد رکھتا تھا۔ یہ صرف چار ماہ حکمران رہا اس کے بعد ابراہیم بن ولید بادشاہ بنا جس کی بادشاہت صرف ستر دن رہی۔ یزید ثالث (الناقص) اور ابراہیم کے زمانہ میں بنی مروان کی بنیادیں اور کھوکھلی ہو گئیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ''بعض لوگ خلافت کی وجہ سے سلام کر لیتے تھے بعض لوگ امارت کی وجہ سے خوشامدانہ سلام کرلیا کرتے، بعض لوگ سلام تک نہ کرتے انکی نظر میں ان دونوں چیزوں میں سے کسی کی اہمیت نہ تھی''۔ [۲]

ابراہیم بن ولید کے بعد مروان بن محمد بادشاہ بنا جو مروانیوں کا آخری تاجدار تھا۔

ایسے وقت میں جبکہ ملت اسلامیہ کا ہر حوصلہ مند شخص اور ہر دنیادار گروہ کی یہی کوشش تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے مسند خلافت اسی کے قدموں سے پامال ہو۔ ایسے میں حضرت امام جعفر صادقؑ اپنے اجداد کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ہر قسم کی دنیاوی سیاسی چپقلش سے کلیتہً کنارہ کش رہے۔ کیونکہ آپ اچھی طرح جانتے تھے کہ اس خلفشار، فساد وخونریزی کے نتیجہ میں کوئی صالح اسلامی حکومت قائم نہیں ہوسکتی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے ان دونوں خاندانوں کے عروج وزوال کے موقع پر ان تمام درخواستوں کو ٹھکرادیا جو عہدۂ خلافت قبول کرنے کیلئے آپکی خدمت میں پیش کی گئی تھیں۔ آپ کو یہ علم تھا کہ جب لوگوں کا اخلاقی معیار پست ہو جائے، جب زندگی کی ساری تگ ودو کا مقصد خود غرضی اور دنیا طلبی ہو، جب ملت کا مزاج بگڑ جائے اور جب نیک لوگوں کے ہاتھوں میں حکومت کے رہنے کا قطعی کوئی امکان نہ ہو تو ایسی درخواست پر توجہ دینا کسی طرح بھی درست نہیں۔

[۱] مروج الذہب ص: ۱۶۳ [۲] الفخری ص: ۱۲۳

اس زمانہ میں عام اخلاقی زوال اور دینی انحطاط کیساتھ ساتھ بے دینی، لامذہبی اور الحاد کا فتنہ بھی سر اٹھا رہا تھا۔ اس طوفان کا سرچشمہ یونانی وایرانی فلسفہ اور ایسے عقائد وخیالات جن کو مسلمان غیر قوموں کی صحبت سے سیکھ کر اسلامی عقائد کے رنگ میں پیش کرنے لگے تھے۔ اور یہ وبا اس قدر مقبول ہوئی کہ اس دور کی خلافتیں بھی جو جانشینی رسول اور شرعی پاسبانی کی دعویدار تھیں عام مسلمانوں کو اس رجحان سے روکنے کے بجائے خود اس کی ہمت افزائی کرنے لگیں۔ حکومت کی شہ پر ایسے لوگ جو اپنے کو فقہ، حدیث اور علوم دینیہ کا عالم ومجتہد سمجھتے تھے قیاس، تاویل اور علم کلام کو اپنی کتب میں اسلئے داخل کر رہے تھے تا کہ اس بے اصل و بے فیض فلسفے اور پریشاں خیالات کی توسیع وتشہیر کی راہ ہموار ہو سکے۔ یہ ذہنی ودماغی اصول شکن فتنہ اس سیاسی وملکی فتنہ سے بھی کہیں زیادہ ضرر رساں تھا۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنی پوری قوت سے ان گمراہیوں اور ضلالتوں کے خلاف عملی جہاد کیا اور اسلام کی حقیقی تعلیمات کو ایسے دلنشین انداز اور قابل فہم پیرائے میں لوگوں کے سامنے پیش کیا کہ غیر اسلامی منطق وفلسفے کا امنڈتا ہوا سیلاب اپنی حدود سے آگے نہ بڑھ سکا۔ آپ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں تمام عقلی علوم حاصل کرنے کی ہمت افزائی فرمائی اور کورانہ تقلید وروایت پرستی سے بچا کر مسلمانوں کو ایسی راہ پر گامزن کیا جو فکر وعقل اور علم وعمل کے نور سے درخشاں اور منور تھی۔

حضرت امام جعفر صادقؑ جس طرح مسلمانوں کی دینی واخلاقی اصلاح اور روحانی رہنمائی کو اپنا فریضہ جانتے تھے اسی طرح ان کی عقلی وذہنی ترقی کو بھی اپنی ذمہ داری تصور کرتے تھے اور اس پر خصوصی توجہ فرماتے تھے۔ اپنے اصحاب اور شاگردوں میں ہمیشہ حصول علم، غور وفکر، مطالعہ کتب اور تصنیف وتالیف کا شوق پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ یہ اسی کوشش کا نتیجہ ہے کہ آپ کے چار ہزار شاگردوں میں سے چار سو حضرات اہل قلم وصاحب تصنیف ہوئے۔

مسلمانوں کا سب سے بڑا کیمیاداں جابر بن حیان الکوفی آپ ہی کا شاگرد تھا۔

جہانتک آپ کی انسانی اور شخصی زندگی کا تعلق ہے تو وہ ایک ایسا نمونہ عمل تھی جس کو سامنے رکھ کر آج بھی ایک انسان شرف انسانیت پر فائز ہوسکتا ہے۔ اہل خانہ پر آپ کی شفقت، اعزاء واقرباء سے آپ کی پرخلوص محبت، غلاموں اور کنیزوں سے بے پناہ مروت، غرباء ومساکین پر کثیر لطف وکرم، اصحاب اور شاگردوں سے حسن سلوک اور عوام الناس سے برادرانہ برتاؤ اپنی جگہ خود ایک درس حکمت تھے۔ مختصر یہ کہ آپ کی ذات والاصفات سرتاپا علم وعمل کا ایک بے مثل مجموعہ تھی۔

اب ہم آپ کے زمانہ امامت میں وقوع پذیر ہونے والے چند اہم سیاسی واقعات کا ذکر کرتے ہیں۔ ان میں سب سے پہلا واقعہ حضرت زید بن علی زین العابدینؑ کے جہاد کا ہے۔ اس کے بعد عباسی تحریک، پھر جناب یحییٰ بن زید شہید کا خروج۔ اس کے بعد بنی امیہ کا زوال اور عباسی حکومت کا قیام اور پھر محمد نفس ذکیہ کا خروج خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

زید بن علی زین العابدینؑ

ولادت باسعادت: حضرت زید بن علی زین العابدینؑ کی ولادت کی بابت جناب ظفریاب ترمذی نے تحریر کیا ہے کہ آپ ۶۸ھ میں پیدا ہوئے اور حضرت امام زین العابدینؑ کی شہادت کے وقت آپ ستائیس سال کے تھے۔[1] جبکہ مولانا سید نجم الحسن کراروی صاحب نے آپ کی ولادت ۸۰ھ میں تحریر فرمائی ہے۔[2] دیگر کتب سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت ۸۰ھ (۶۹۹ء) میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔

حسب ونسب: حضرت زید شہیدؒ گلدستہ امامت کے گل چہارم حضرت علی زین العابدین علیہ السلام کے لختِ جگر تھے۔ آپ کی کنیت ابوالحسین اور مشہور ترین لقب الشہید ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب زید بن علیؑ بن حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم ہے۔ آپ کے بزرگان اپنی شرافت ونجابت، زہد وتقویٰ، علم وفضل اور تزکیہ نفس کے باعث ملت مسلمہ میں ممتاز ترین مقام پر فائز ہیں۔ آپ کی مادر گرامی کا نام حوریہ تھا۔ جو سرزمین سندھ کے رہنے والی تھیں جب کوفہ کے بازار میں ان کو فروخت کی غرض سے لایا گیا تو مختار بن ابوعبیدہ ثقفی نے انھیں تیس ہزار درہم میں خریدا۔ اور حضرت علی زین العابدینؑ کو ہبہ کر دیا۔[3] ان محترمہ کی بابت امام محمد الباقرؑ کا ارشاد گرامی ہے کہ "لقد انجبت امۃ ولدتک یازید "[4] یعنی ہر آئینہ وہ عورت نجیب ہے اے زید جس سے تم پیدا ہوئے۔ نیز

[1] تاریخ انوارالسادات ص: ۵۳۵ [2] چودہ ستارے ص: ۳۰۸ [3] مقاتل الطالبین ص: ۸۶
[4] مختصر تذکرۃ سادات نواز پورہ ص: ۵

ان معظمہ کے بارے میں عبداللہ بن حسن کی والدہ جناب فاطمہ کا قول ہے کہ "زید کی ماں غیر کفو سے آنے والی بیویوں میں بہترین بیوی تھیں۔"[1] جناب حوریہ کے بطن سے زید، عمر، علی اور خدیجہ تولد ہوئے۔[2] حضرت زید کو اللہ رب العزت نے ایسی نسبی خصوصیت عطا فرمائی جو کسی اور کو نصیب نہ ہوئی، جیسا کہ مولانا مناظر احسن گیلانی تحریر فرماتے ہیں کہ۔

> "میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر یہ صحیح ہے یعنی حضرت زید کی والدہ تو ہندیہ تھیں اور جیسا کہ کہتے ہیں کہ ان کی دادی شہربانو ایرانیہ خاتون بلکہ شہزادی تھیں تو اس کا مطلب گویا یہی ہوا کہ ان میں عربی، قریشی، ہاشمی، فاطمی، علوی خصوصیات کیساتھ ساتھ ایرانی اور ہندوستانی صفات بھی موروثی طور پر منتقل ہوئے شاید ہی اس زمانہ میں اس قسم کی موروثی خصوصیات کسی شخص واحد میں جمع ہوئی ہوں۔"
>
> (حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص: ۱۳۶)

تعلیم وتربیت: حضرت زید شہیدؒ نے اپنی زندگی کے ابتدائی پندرہ سال اپنے پدر بزرگوار حضرت علی زین العابدینؑ کی زیر تربیت گذارے۔ امامؑ کی شہادت ۹۵ھ کے بعد جناب زید شہیدؒ کی تعلیم وتربیت جناب امام محمد باقرؑ نے فرمائی۔ چونتیس سال یعنی امام محمد باقرؑ کی شہادت ۱۱۴ھ تک آپ نے اپنے بھائی سے فیوض علم ومعرفت حاصل کئے۔ یہ زمانہ تاریخ اسلام کا انتہائی پرآشوب دور تھا۔ ہر طرف قتل وغارت کا بازار گرم تھا اور ہر گروہ اپنی سیاسی اغراض کو پورا کرنے کیلئے سردھڑ کی بازی لگا رہا تھا۔ یہی وہ دور تھا جس میں "ہو گیا مانند آب ارزاں مسلمان کا لہو"۔ اس پرآشوب دور میں مسند امامت پر حضرت علی زین العابدینؑ جلوہ افروز تھے اور آپ ان تمام ہنگامہ آرائیوں سے دُور خانہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

حضرت امام زین العابدینؑ اپنے فرزند جناب زید سے والہانہ محبت فرماتے تھے جیسا کہ یافعی کی ایک روایت جسے متعدد مورخین نے نقل کیا ہے سے ظاہر ہوتا ہے کہ:

[1] تاریخ طبری اردو ترجمہ ص: ۲۸۶ ج: ۶ [2] مقاتل الطالبین ص: ۸۶

> "زید کے بچپن کا زمانہ تھا کہ وہ ٹھوکر کھا کر گر پڑے اور ان کی پیشانی خون آلود ہو گئی۔ امام علی بن الحسینؑ ان کی پیشانی سے خون صاف کرتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ میں اس خیال سے پناہ مانگتا ہوں کہ یہ وہ زید ہو۔ جسے کناسہ میں سولی دی جائے گی۔"
>
> (نورالمشرقین من حیات الصادقین ص: ۲۷۷)

اسی واقعہ کو شیخ محمد یعقوب کلینی نے امام محمد الباقرؑ سے منسوب کرتے ہوئے اس طرح بیان کیا ہے۔

> "عیذک باللہ یا اخی ان تکون لھم غداً المصلوب بالکناسۃ ثم ارفضت عیناہ وسالت دموعہ ثم قال اللہ بیننا وبین من ھتک سترنا وحجدنا حقنا وافشی سرّنا ونسبتنا الی غیر جدّنا وقال فینا مالم نقدفی انفنا."
>
> (الشافی، کتاب الحجت ص: ۳۳۲)
>
> ترجمہ: میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں اس امر میں کہ اے بھائی کل تم کو سولی دی جائے کناسہ میں یہ فرما کر آپ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور آنسو جاری ہو گئے، پھر فرمایا اللہ ہی فیصلہ کرنے والا ہے۔ ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان جنہوں نے ہماری پردہ دری کی اور ہمارے حق سے انکار اور ہمارے بھید افشاں کئے اور نسبت دی ہم کو ہمارے جد کے غیر سے اور ہمارے بارے میں ان باتوں کو بیان کیا جو ہمارے دل میں نہ تھیں۔

مندرجہ بالا بیانات سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ آئمہ وقت جناب زید الشہیدؒ سے والہانہ محبت فرماتے تھے۔ وہاں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت امام علی زین العابدین اور حضرت امام محمد الباقر علیہم السلام نے آپ کی شہادت کی پیشن گوئی فرمائی اور آپ کیلئے خدا سے پناہ طلب کی۔

ابوالفرج اصفہانی نے امام محمد باقر سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ "جناب رسالتمآبؐ نے امام حسینؑ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمہاری اولاد میں ایک لڑکا پیدا ہوگا وہ اور اس کے احباب بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ دوسری بار حضور نے فرمایا کہ میرے اہلبیت میں سے ایک شخص کو صلیب پر چڑھایا جائیگا اور وہ آنکھ کبھی دیدار جنت سے ٹھنڈی نہ ہوگی جس نے اس کے سر کو دیکھا ہوگا۔[1]

حضرت زید الشہیدؒ نے اپنی زندگی کے ابتدائی ستائیس سال اپنے پدر بزرگوار اور اٹھارہ سال اپنے برادر حقیقی کی زیر تربیت گزارے اور علوم دینیہ یعنی علم قرآن، علمِ فقہ اور علمِ حدیث انہی بزرگان سے حاصل کئے، علامہ سبط ابن جوزی کا بیان ہے کہ "آپ نے علمِ حدیث اپنے والد اور ایک گروہ سے لیا۔[2]

حکمرانوں کا روّیہ: حضرت امام محمد الباقرؑ کے دور امامت میں جناب زید الشہیدؒ نے تبلیغ دین میں امام وقت کا ہاتھ بٹایا اور حضرت جعفر الصادقؑ کے زمانہ امامت میں مروانی حکمرانوں کے اہانت آمیز وذلت انگیز رویہ سے تنگ آ کر ۱۲۲ھ (۷۴۰ء) میں حضرت زید الشہیدؒ نے علم جہاد بلند کیا۔ مسعودی، ابن خلدون، طبری وغیرہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حضرت زید الشہیدؒ عرصہ دراز تک حکمرانوں کے ظلم وجور اور تذلیل وتکذیب کا مقابلہ انتہائی صبر واستقلال سے کرتے رہے۔ لیکن جب پانی سر سے اونچا ہوا تو مجبوراً آپ نے تلوار اُٹھانے کا فیصلہ کیا۔

زید شہیدؒ کی طلبی: جب ۱۲۰ھ میں خالد بن عبداللہ القسری کی جگہ یوسف بن عمر کو عراق کا والی مقرر کیا تو ہشام کی ہدایت کے مطابق یوسف نے خالد سے سرکاری واجبات کی وصولیابی کے سلسلے میں بازپرس کی اور اس کو ایسی شدید ایذائیں پہنچائیں کہ دیکھنے والے بھی حواس باختہ ہو گئے ایک روز حسب معمول خالد کو اذیتیں دی جا رہی تھیں جن کی تاب نہ لاتے ہوئے اس نے یوسف کو بتایا کہ اس کی دولت مدینہ میں زید بن علیؑ بن حسینؑ، محمد بن عمر بن علیؑ، داؤد بن علی بن

[1] مقاتل الطالبین ص: ۶۹ [2] تذکرۃ الخواص ص: ۳۹۶

عبداللہ بن عباس، ابراہیم بن سعد بن عبدالرحمان بن عوف اور ایوب بن سلمہ بن عبداللہ بن ولید بن مغیرہ کے پاس جمع ہیں۔ یہ خالد کی ایک چال تھی جو کامیاب رہی۔ کیونکہ اس بہانے سے وہ عارضی طور پر اذیتوں سے محفوظ ہو گیا۔ یوسف نے اس تفصیل سے ہشام کو مطلع کیا جس پر ہشام نے حاکم مدینہ کو تاکید کی کہ ان تمام لوگوں کو اس کے پاس دمشق بھیج دے۔ حاکم مدینہ نے ہدایت پر عمل کیا اور اپنے آدمیوں کے ہمراہ ان تمام حضرات کو دمشق روانہ کر دیا۔ جہاں یہ ہشام کے روبرو پیش کئے گئے۔ ہشام نے اپنے اجداد کی روایت کے مطابق جناب زید شہیدؒ سے بدکلامی کی اور حقارت آمیز رویہ سے پیش آیا۔ یعقوبی نے اس گفتگو کو جو ہشام اور زید شہیدؒ کے مابین ہوئی نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے یہاں گفتگو کے چند کلمات منقول ہیں۔

ہشام: تم لونڈی زادے ہو کر خلافت کی خواہش رکھتے ہو۔"

زید شہیدؒ: تم لونڈی ہونے کی وجہ سے میری ماں کا درجہ گھٹاتے ہو حالانکہ حضرت اسحاقؑ آزاد عورت کے بطن سے تھے۔ اور حضرت اسمعیلؑ لونڈی سے تھے۔ ان دونوں میں خدا نے حضرت اسمعیلؑ کو نبوت بخشی ان کی نسل سے عرب پھیلے اور انہی کی نسل سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پیدا ہوئے، ایسی باتوں کو زبان پر لاتے ہوئے خدا کا خوف کرو۔"

ہشام: تمہارے جیسا شخص مجھے خدا کا خوف دلاتا ہے۔"

زید شہیدؒ: نہ کوئی آدمی اتنا چھوٹا ہے کہ وہ خدا کے خوف سے نہ ڈرا سکے اور نہ کوئی اتنا بڑا کہ وہ اس سے نہ ڈر سکے۔"

ہشام کے پاس اس لاجواب کلام کا جواب ہی کیا تھا۔ اس نے چراغ پا ہو کر حکم دیا کہ زید شہیدؒ کو اس کی لشکر گاہ سے باہر نکال دیا جائے۔ مورخین کا بیان ہے کہ جب حضرت زید شہیدؒ اس ظلمت کدہ سے باہر تشریف لائے تو ان کی زبان پر یہ کلمات تھے۔ "جس قوم کو تلوار کی دھار بری معلوم ہو گی وہی ذلیل ہو گی"۔ [1]

[1] ہاتل وقاتل ص: ۹۹

اسی کلمہ کو یعقوبی نے اس طرح لکھا ہے۔ "جو شخص زندگی کو محبوب رکھتا ہے اسے ذلت و رسوائی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔" [1]

زید شہیدؒ کی کوفہ روانگی: ہشام نے قضیہ کی تحقیقات کے سلسلے میں جناب زید شہیدؒ اور ان کے دیگر ہمراہیوں کو کوفہ بھیجا۔ لیکن اس نے اپنی ماں کے قریبی رشتہ دار ایوب بن سلمہ کو جو کہ اسی قضیہ میں ماخوذ تھے، اپنا مہمان بنایا۔ حاکم کوفہ یوسف بن عمر نے خالد القسری کو ان حضرات کے روبرو بلایا اور اس کے عائد کردہ الزام کی تصدیق چاہی تو خالد نے خاموشی اختیار کی، تب جناب زید شہیدؒ نے یوسف کو مخاطب کر کے فرمایا: "بھلا یہ ہمارے پاس مال کیوں جمع کرانے لگا یہ تو صبح شام برسر منبر میرے جد امجد حضرت علیؑ کو گالیاں دیتا ہے۔" خالد پھر بھی خاموش رہا، بالآخر جناب زید شہیدؒ نے خالد سے کہا "آخر تجھے یہ کیا سوجھی؟" تب اس نے بتایا کہ:

> مشدد علی العذاب فادعیت ذلک واملت ان یاتی اللہ بفرج قبل قدومکم.
>
> ترجمہ: میری سزا کی سختیوں میں بہت شدت ہو گئی اس لئے میں نے یہ دعویٰ کر دیا کہ آپ لوگوں کے پاس میں نے مال جمع کرایا ہے، غرض میری یہ تھی کہ شاید خدا اسی کو میری مصیبت کے ازالہ کا سبب بنا دے یعنی آپ لوگوں کی تشریف آوری سے میری مشکل حل ہو جائے۔ (امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص: ۱۳۲)

خالد کے اس بیان کے بعد انصاف کا تقاضا تو یہی تھا کہ ان تمام حضرات کو بلا کسی مزید تاخیر کے باعزت طور پر ان کے گھروں کو جانے کی اجازت دے دی جائے لیکن والئی عراق یوسف بن عمر نے اپنے آقا ہشام بن عبدالملک کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے اس کے برعکس عمل کیا۔ اور ان حضرات کو مزید باز پرس کرنے کے بہانے مزید چار پانچ ماہ کوفہ میں روکے رکھا۔

[1] تاریخ یعقوبی ص: ۳۰۳ ج: ۳

اہل کوفہ کی سرگرمیاں: کوفہ کے باشندوں کی بڑی تعداد امویوں کے مظالم کا نشانہ بنی ہوئی تھی لہٰذا اہل کوفہ اموی حکمرانوں کے ظلم و استبداد سے نجات حاصل کرنے کے لئے کسی رہبر کے متلاشی تھے۔ حضرت زید شہیدؒ کی اس اتفاقی آمد سے کوفہ والوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی، اہل کوفہ کی اس کیفیت کو مولانا سید ابوالعالی مودودی صاحب نے اس طرح بیان کیا ہے کہ:

> "ایک مدت کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ خاندان علیؑ کا ایک ممتاز فرد کوفہ آیا تھا۔ یہ شہر شیعیان علی کا گڑھ تھا اس لئے ان (زید الشہید) کے آنے سے یک لخت علوی تحریک میں جان پڑ گئی اور لوگ کثرت سے ان کے گرد جمع ہونے لگے ویسے بھی عراق کے باشندے سالہا سال سے بنی امیہ کے ظلم و ستم سہتے سہتے تنگ آ چکے تھے اور اٹھنے کے لئے سہارا چاہتے تھے۔ علوی خاندان کے ایک صالح، عالم، فقیہہ شخصیت کا میسر آ جانا انہیں غنیمت محسوس ہوا"۔
>
> (خلافت و ملوکیت ص: ۲۶۷، ۲۶۶)

گو کہ حالات و واقعات نے ایسا ماحول پیدا کر دیا تھا کہ حضرت زید شہیدؒ تلوار اٹھانے پر مجبور تھے لیکن آپ نے اہل کوفہ کی گذشتہ روایات کے پیش نظر سکوت اختیار کیا اور والئی کوفہ کی اجازت ملنے پر داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس کے ہمراہ کوفہ سے روانہ ہو گئے۔ عمائدین کوفہ کی ایک جماعت آپکے ہمراہ ہو گئی اور خدا اور رسول کا واسطہ دے کر اپنی وفاداری کا یقین دلاتی رہی حتیٰ کہ یہ قافلہ مقام قادسیہ تک پہنچ گیا جہاں ان عمائدین نے اپنے عہد و پیمان سے حضرت زید شہیدؒ کو اس امر پر آمادہ کر لیا کہ آپ واپس جا کر اہل کوفہ کو منظم کریں۔

زید شہیدؒ کی بیعت: حضرت زید شہیدؒ کے کوفہ پہنچتے ہی اہل کوفہ جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کرنے لگے۔ حضرت زید بن علی جب اپنے طرفداروں سے بیعت لیتے تو کہتے کہ "میں تمہیں کتاب اللہ اور سنت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ظالموں سے جہاد، کمزوروں کی مدافعت، محرومین کو عطائے حق، سرکاری مالگزاری کی مساویانہ تقسیم، مظالم کا رد، کروڑ گیری کی موقوفی، اہلبیت کی امداد کی طرف ان لوگو کے خلاف جو ہمارے مخالف ہیں اور جنہوں نے ہمارے حقوق کو دیدہ و دانستہ بھلا دیا ہے دعوت دیتا ہوں۔ کیا تم ان شرائط پر بیعت کرتے ہو؟" اگر وہ اقرار کر لیتا تو اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیتے اور پھر کہتے "اب تم پر اللہ کا عہد و میثاق اور رسول اللہ کی ذمہ داری ہے کہ تم میری بیعت کو پورا کرو گے۔ میرے دشمن سے لڑو گے۔ ظاہر و باطن میرے خیر خواہ رہو گے" اگر وہ ان باتوں کا بھی اقرار کر لیتا تو پھر اپنے ہاتھ کو اس کے ہاتھ سے چھوا دیتے اور پھر کہتے "اے خداوند تو گواہ رہ"۔ [1]

پھر حکمران طبقہ کی گرفت سے آزاد رہنے کے لئے آپ نے روپوشی اختیار کی اس کے بعد آپ کی جانب سے عمائدین کوفہ نے بیعت لینے کا سلسلہ جاری رکھا جو اتنا بڑھا کہ ناموں کے اندراج کے لئے باقاعدہ دفتر کھولنا پڑا۔ یہ سلسلہ تقریباً سترہ ماہ جاری رہا۔ اسی دوران حکومت کے جاسوس بھی مختلف حیلے بہانوں سے اس تنظیم میں شامل ہو گئے۔ غرض ان کی یہ تھی کہ کسی طرح حضرت زید شہیدؒ کا کھوج لگائیں۔ ان جاسوسوں کی نشاندہی پر لوگوں کے گھروں کی تلاشی لی جاتی اور محرومی کی صورت میں اہل خانہ کو گرفتار کر کے ایذائیں پہنچائی جاتیں۔ جب یہ سلسلہ بڑھا تو حضرت زید شہیدؒ کو چار و ناچار جہاد کا اعلان کرنا پڑا۔ یہ خبر ملتے ہی شہر کوتوال حکم بن الصلت نے والئی عراق کے اشارہ پر اہل کوفہ کو دھوکے سے مسجد جامع میں محصور کر دیا اور حضرت زید شہیدؒ کی تلاش میں سپاہی ان کے گھروں میں درانہ گھس گئے اور ان کے گھروں کی حرمت کو پامال کیا۔

زیدی جہاد: عوام الناس کی پریشانی اور مصیبت کے پیش نظر حضرت زید الشہیدؒ کو مقررہ وقت سے پہلے جہاد کا آغاز کرنا پڑا۔ چونکہ آپ کے طرفداروں کی

[1] تاریخ طبری ص: ۴۷۹ ج: ۶ مطبوعہ کراچی، ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص: ۱۵۶

کثیر تعداد مسجد اعظم میں محصور تھی۔ بقیہ میں سے کچھ حکومتی کارندوں کی فتنہ پردازیوں کا شکار ہوکر، کچھ بہتر مستقبل کے سرکاری وعدوں پر اعتماد کر کے اور کچھ درہم ودینار کی چمک سے خیرہ ہوکر جہاد سے منہ موڑ گئے۔ لہٰذا جو بچی کچی تعداد آپ تک پہنچ سکی وہ کل دوسو اٹھارہ یا بقول دیگر تین سو جانثاروں پر مشتمل تھی۔ اس کے باوجود جناب زید شہیدؒ کے استقلال مزاج میں کوئی فرق نہیں آیا۔ آپ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے مقصد جلیلہ کی خاطر جہاد کر رہے تھے لہٰذا آپ آخری دم تک اسی مقصد پر قائم رہے۔ حق کی حمایت اور باطل کے خلاف۔ آپ نہایت پامردی اور استقلال سے تین روز تک دس ہزار کے لشکر جرار سے مقابلہ کرتے رہے۔ بقول قاضی نوراللہ شوستریؒ

فلما تردی بالحمائل و انتھی　　یصول باطراف الفتیٰ الذوائل

جس وقت تلوار لیکر صف اعدا میں گھس جاتے تھے تو بہادروں کے اوسان خطا ہوجاتے تھے۔

تبیت الاعداء ان سنانه　　یطیل حنین الامھات الثوا کل [1]

اور جب نیزہ لیکر حملہ آور ہوتے تھے تو مائیں اس طرح روتی تھیں جیسے ان کا جوان لڑکا مر گیا ہو۔

شہر کوتوال نے پورے شہر کی ناکہ بندی کردی اور شہریوں کی کڑی نگرانی کی جانے لگی۔ یوسف کو جب حالات کا علم ہوا تو وہ بھی کثیر فوج لے کر کوفہ پہنچا۔ شہر کے اندر مختلف ٹکڑیوں میں فریقین جنگ کرتے رہے جن میں زیدی سپاہ کو کئی مقابلوں میں کامیابی ہوئی۔ متعدد جھڑپوں کے بعد جب شامی فوج کو کسی طرح کامیابی نہ ہوئی تو ایک روز اس نے دوران جنگ تیروں کی بارش کردی شامیوں کی اس اندھا دھند تیر بارانی کے دوران اچانک ایک تیر حضرت زید شہیدؒ کی پیشانی پر بائیں جانب لگا جو دماغ تک پیوست ہوگیا چونکہ شام کا جھٹ پٹا ہو چکا

[1] مجالس المومنین ص: ۳۴۷

تھا لہٰذا آپ کے ساتھی آپ کو میدان سے لے گئے اور شامی فوج یہ سمجھی کہ حضرت زید شہیدؒ نے رات کی تاریکی چھا جانے کے باعث جنگ روک دی ہے صبح پھر جنگ شروع ہوگی۔ ادھر حضرت زید شہیدؒ کو ایک مکان میں پہنچا دیا گیا۔ جہاں شقیر نامی ایک طبیب نے آپ کی پیشانی سے تیر نکالا۔ تیر کے ساتھ ہی آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور آپ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

انا للّٰہ وا انا الیه راجعون٥

لاش کی بے حرمتی: لاش کو بے حرمتی سے محفوظ رکھنے کی غرض سے آپ کے ساتھیوں نے رات کی تاریکی میں پانی کے دو گڑھوں کے درمیان قبر کھود کر آپ کی لاش کو دفن کیا اور قبر پر پانی چھوڑ دیا تاکہ قبر کا نشان باقی نہ رہے اور دشمن لاش کی بے حرمتی نہ کر سکے۔ اتنی احتیاط کے باوجود ہشام بن عبدالملک کے گورنر کوفہ یوسف بن عمر نے لاش قبر سے نکالی اور سر قلم کر کے ہشام کے پاس بھیج دیا اور جسدِ مبارک کو سولی پر لٹکا دیا تقریباً چار سال تک آپ کی لاش آویزاں رہی۔ قدرت نے ایسا بندوبست فرمایا کہ اس طویل عرصہ میں کسی نے بھی آپ کی شرمگاہ کو نہیں دیکھا۔ خدا کے حکم سے مکڑی نے جالا تان دیا اور پرندوں نے گھونسلہ بنالیا بعد ازاں حضرت زید شہیدؒ کے جسد مبارک کو سولی سے اتار کر نذر آتش کیا اور اس کی راکھ کو دریائے فرات کے کنارے ہوا میں اڑا دیا۔

ابنِ طباطبا کا بیان ہے کہ:

''جنگ تو پوری بے جگری کے ساتھ کی لیکن ایک تیر ماتھے پر آ کر لگا اور پیوست ہوگیا۔ ایک آہن گر کو بلوا کر تیر نکلوایا مگر تیر کے ساتھ ساتھ جان بھی نکل گئی ان کے ساتھیوں نے انہیں نہر کے اندر دفن کر کے اس پر پانی رواں کر دیا۔ انہیں خطرہ تھا کہ کہیں ان کی لاش کو مثلہ نہ کر دیا جائے۔ جب امیر کوفہ یوسف بن عمر غالب آچکا تو اس نے زید کی قبر کھدوا کر لاش نکالی اور ایک عرصہ تک کے لئے اسے سولی پر آویزاں کر دیا۔ اس کے

بعد جلا کر راکھ دریائے فرات میں بہادی۔ خدا ان (زید شہیدؒ) سے راضی ہو اور ان پر سلام بھیجے اور ان ظالموں پر لعنت بھیجے جنہوں نے ان کا حق غصب کیا اور وہ دنیا سے مظلوم شہید ہوکر گئے۔ (الفخری ص: ۱۶۱)

حضرت زید شہیدؒ کا قبہ: امویوں نے آپ کا نام ونشان مٹانے کی غرض سے ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن اس کے باوجود حضرت زید شہیدؒ کا قبہ آج بھی نہ صرف موجود ہے بلکہ زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ جو حضرات خشکی کے راستے نجف اشرف سے کاظمین یا بغداد جاتے ہیں انہیں کوفہ اور حلہ کے درمیان ایک چھوٹی سی بستی ملتی ہے۔ جو حضرت زید شہیدؒ کے نام کی مناسبت سے مقام ''زید'' کہلاتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت زید شہیدؒ کے جسدِ خاکی کو جلایا گیا تھا۔ اسی مقام پر ایک قبہ بنایا گیا اور اس میں ایک ضریح رکھی گئی۔ اس مقام پر عجیب حسرت برستی تھی۔ گرد و نواح کے لوگ یہاں فاتحہ خوانی کے لئے حاضر ہوتے تھے اور شب جمعہ تو دور دراز کے رہنے والوں کا یہاں خاصہ مجمع ہو جاتا تھا۔ لیکن اب اس قبہ پر شاندار مقبرہ تعمیر کیا گیا ہے جہاں دنیا بھر سے زائرین پہنچتے ہیں۔

فضائل و مراتب: حضرت زید شہیدؒ کے فضائل و مراتب، زہد وعبادت، علم وعمل اور فہم وفراست کی بابت علماء و مورخین نے کثرت سے لکھا ہے۔ ان میں سے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ ''امام زین العابدینؑ کی اولاد میں امام محمد باقرؑ کے علاوہ زید بقیہ تمام اولاد سے افضل ہیں آپ زیادہ پرہیزگار، عابد، فقیہہ، سخی اور شجاع تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرماتے تھے۔'' [1]

ابنِ خلدون کا بیان ہے کہ ''زید کے چہرہ سے فاطمی جلالت ٹپکتی تھی۔ جب وہ سوار ہوتے تو امام جعفر صادقؑ مدد دیکر انہیں سوار کراتے اور جب وہ سوار ہوجاتے تو ان کی پوشاک درست کرتے''۔

[1] الارشاد ص: ۳۵۱،

ابوالفرج اصفہانی نے حضرت زید شہیدؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''جب سے مجھ میں داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ سے ممیز کرنے کا شعور پیدا ہوا ہے میں نے کبھی خدا کے احکام کی دانستہ نافرمانی نہیں کی''۔ [1]

مولانا مناظر احسن گیلانی نے الشعبی کی روایت بیان کی ہے کہ:

''زید بن علی سے بہتر بچہ شاید ہی کسی عورت نے پیدا کیا ہو۔ ایسا فقیہہ، اتنا بہادر اور قانع، عابد و زاہد، مجھے کوئی دوسرا نظر نہ آیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علمی و دینی فہم و فراست کے ساتھ حضرت شہید کی دنیاوی سوجھ بوجھ غیر معمولی طور پر بہتر تھی۔ (امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص: ۱۳۷)

شیخ محمد عباس قمی نے شیخ مفیدؒ کے حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ:

''زید بن علی بن الحسینؑ بعد از حضرت امام محمد باقرؑ از دیگر برادران خود بہتر واز ہمگی افضل بود و عابد و پرہیزگار و فقیہہ وسخی و شجاع بود و باشمشیر ظہور ونمود، امر بالمعروف و نہی عن المنکر وطلب خون امام حسینؑ کرد، پس روایت کردہ از ابوالجارود و زیاد بن المنذر کہ گفت وارد مدینہ شدم و ازہر کس از زید پرسش کردم۔ گفتند او حلیف القرآن است یعنی پیوستہ مشغول قرأت قرآن مجید است''۔ (منتہی الامال ص: ۵۶ ج: ۲)

شیخ صدوق علیہ رحمہ نے بیان کیا ہے کہ زید بن علی نے ارشاد فرمایا ''ہر زمانے میں آلِ محمد سے صرف ایک شخص امام اور حجت خدا ہوگا اور اس زمانہ میں حجت خدا میرے بھتیجے جعفر بن محمد ہیں جو شخص ان کی پیروی کرے گا وہ ہرگز گمراہ نہیں ہوگا اور جو شخص ان کی مخالفت کرے گا وہ ہرگز ہدایت نہیں پائے گا۔'' [2]

جناب فوق بلگرامی نے خواجہ محمد پارسا کا بیان نقل کیا ہے کہ:

''زید شہیدؒ ایک متدین اور صاحب علم شخص تھے۔ شروع شروع میں وہ کوفہ میں درس دیا کرتے تھے اسوقت بنی نوع انسان میں کوئی شخص روئے زمین پر ان سے بڑا عالم نہ تھا'' (آثار جعفریہ، مولانا فوق بلگرامی ص: ۴۳)

[1] مقاتل الطالبین ص: ۹۱ [2] بحار الانوار ص: ۱۹۱ ج: ۴۷ نقل از امالی۔

طبری کا بیان ہے کہ "اہلِ کوفہ میں سے بعض لوگ زید کے خروج کرنے سے پہلے جعفر بن محمد بن علی کے پاس آئے تھے اور کہنے لگے کہ زید بن علی ہم میں آکر بیعت لے رہے ہیں آپ کی کیا رائے ہے۔ ہم ان کی بیعت کریں یا نہ کریں۔ جعفر نے کہا ہاں ضرور کرو کیونکہ بخدا وہی ہم میں سب سے افضل و بہترین شخص ہیں اور ہمارے سردار ہیں"۔[۱]

حضرت امام علی رضاؑ نے مامون سے فرمایا "زید علمائے آلِ محمد میں سے تھے ان کا غیض وغضب خدا کیلئے تھا۔ خدا کے دشمنوں سے جہاد کیا یہاں تک کہ راہِ خدا میں درجۂ شہادت پر فائز ہوگئے۔ میرے والد موسیٰ بن جعفر نے اپنے والد امام جعفر صادق سے روایت بیان کی کہ خدا میرے چچا زید پر رحمت نازل کرے کہ انہوں نے لوگوں کو آلِ محمد کی امامت کی طرف دعوت دی۔ اگر وہ کامیاب ہوجاتے تو جس کیلئے دعوت دی تھی اس سے وفا کرتے۔ زید نے اپنے قیام کیلئے مجھ سے مشورہ کیا تھا میں نے ان سے کہا اگر آپ شہید ہونے پر راضی ہیں اور اس بات کیلئے تیار ہیں کہ آپ کو دار پر لٹکایا جائے تو قیام فرمائیں"۔ مامون نے سوال کیا "کیا وہ امامت کے مدعی نہ تھے"۔ امام نے فرمایا "نہیں وہ تو لوگوں کو آلِ محمد کی امامت کی دعوت دیتے تھے۔"[۲]

چونکہ جناب زید شہیدؒ نے شمشیر کے ساتھ قیام کیا یعنی جہاد بالسیف فرمایا اور لوگوں کو آلِ محمد کی طرف دعوت دی لہٰذا کوفیوں کے ایک گروہ نے گمان کیا کہ آپ امامِ وقت ہیں۔ اسی گمان کو لیکر ایک فرقہ وجود میں جو "زیدیہ" کہلایا۔ درآنحالیکہ جناب زید شہیدؒ نے اپنی زندگی کے کسی حصہ میں بھی امامت کا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ بقول شیخ مفید علیہ رحمہ آپ کو قطعی علم تھا کہ امام زین العابدینؑ کے بعد آپ کے بھائی جناب محمد باقرؑ امام ہیں اور ان کی شہادت کے بعد جناب جعفر صادقؑ منصب امامت پر فائز ہوئے۔[۳]

شیخ محمد عباس قمی تحریر فرماتے ہیں کہ:

۱ تاریخ طبری ص: ۲۸۸ ج:۶ مطبوعہ کراچی، ۲ عیون اخبار الرضا ص:۲۳۹ ج:۱ ۳ الارشاد ص: ۲۵۱

"واز خالد بن صفوان نقل کردہ کہ گفت زید از خوف خدا میگریست چندانکہ اشک چشمش با آب بینیس مخلوط میگشت واعتقاد کردند بسیاری از شیعہ درحق او امامت را وسبب حصول این عقیدت خروج زید بود باشمشیر و دعو فرمودن او مردم را بسوئی رضای آل محمدؑ ایشان چنان گمان کردند کہ مقصود از این کلمہ خود اوست و حال آنکہ این ارادہ نداشت زیرا کہ زید معروفت و شناسائی داشت باستحقاق برادرش حضرت امام محمد باقرؑ امامت را و بوصیت آنحضرت در ہنگام وفاتش بحضرت صادقؑ۔" (منتہی الامال ص: ۵۶ ج:۲)

ازواج و اولاد: حضرت زید بن علی زین العابدین نے چار عقد کئے۔ آپ کی پہلی زوجہ ریطہ بنت ابی ہاشم عبداللہ بن محمد حنیفہ بن علی ابنِ ابیطالب تھیں۔ جن سے جناب یحییٰ پیدا ہوئے۔ دوسری زوجہ رقیہ بنتِ عبداللہ محض بن حسن بن حسنؑ بن علیؑ ابنِ ابیطالب تھیں۔ جن کے بطن سے حسین، عیسیٰ اور محمد تولد ہوئے۔ تیسری زوجہ بنتِ یعقوب بن عبداللہ سلمی تھیں اور چوتھی زوجہ بنتِ عبداللہ بن ابی العش ازدی تھیں۔ جن سے ایک دختر پیدا ہوئیں آخر الذکر دونوں عقد کوفہ کے قیام کے دوران کئے تھے۔ عام طور سے مورخین نے حضرت زید شہید کے مذکورہ بالا چار فرزندان ہی بیان کئے لیکن بعض نے آپ کے آٹھ فرزند بتائے ہیں۔ مثلاً روشن علی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ:

"سید یحییٰ پسر کلاں زید شہید کو تقریباً ۱۲۵ھ میں بمقام بلخ شہید کیا۔ سید زید شہید نے بعد اپنے آٹھ فرزند چھوڑے۔ چار صاحبزادوں نے بعہد طفولیت انتقال فرمایا اور سید یحییٰ پسر کلاں کے اولاد دختری تھی باقی تین صاحبزادے یعنی سید ابدال حمیدۃ الخصال و سید عیسیٰ و سید محمود صاحب اولاد ہوئے"۔ (سید التاریخ ص: ۶۹)

بہرحال یہ امر مصدقہ ہے کہ آپ کے یہی چار بیٹے تھے جن میں سے فرزند اکبر یحییٰ کے کوئی اولاد نہ تھی اور حضرت زید شہید کی نسل بقیہ تین فرزندان حسین، عیسیٰ اور محمد سے چلی۔

اولاد حضرت زید شہیدؒ

۱) یحییٰ بن زید شہیدؒ: جناب یحییٰ حضرت زید شہیدؒ کے فرزند اوّل تھے آپ کی والدہ ریطہ بنتِ ابی ہاشم عبداللہ بن محمد حنیفہ بن علیؑ ابنِ ابیطالب تھیں۔ آپ کی ولادت کی بابت دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ آپ ۱۰۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۵ھ میں شہادت پائی اس طرح آپ کی عمر اٹھارہ سال تھی دوسری روایت ہے کہ بوقت شہادت آپ کی عمر بائیس سال تھی چونکہ آپ کی شہادت ۱۲۵ھ میں ہوئی جس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں لہٰذا اس اعتبار سے آپ کی ولادت ۱۰۳ھ قرار پاتی ہے۔

یحییٰ بن زید علم وفضیلت سے آراستہ شجاعت و جوانمردی سے پیراستہ نوجوان تھے۔ آپ اپنے چچا امام محمد باقرؑ اور ان کے فرزند امام محمد جعفر صادقؑ کے مقام ولایت و امامت کے معتقد تھے جیسا کہ عماد الدین حسین اصفہانی (عمادزادہ) نے تحریر کیا ہے کہ "یحییٰ بن زید بن علی ابنِ الحسینؑ از امامیہ ومعتقد بمقام ولایت عمویش امام محمد باقر و پسر عمویش امام جعفر صادق بود وخروجش بطور قطع از روی غیرت وحمیت وخونخواہی پدرش برای دفاع از سیادت و روحانیت خانوادگی بود بحثی درآن نیست"۔[۱]

جناب یحییٰ کوفہ میں اپنے پدر بزرگوار کے ہمراہ جہاد میں شریک تھے۔ جب حضرت زید درجہ شہادت پر فائز ہوئے تو آپ نے میت کو دفن کیا اور تدفین سے فارغ ہوکر اسی رات چند ساتھیوں کے ہمراہ کوفہ سے نینوا کی جانب روانہ

۱ زندگانی حضرت یحییٰ ابن زید ص: ۲۳

ہوئے فجر کی نماز نخیلہ میں پڑھی اور تیز رفتاری سے سفر کر کے رات ہوتے ہی نینوا پہنچ کر بشر بن عبدالملک کے موالی جناب کے گھر پر دستک دی۔ کچھ روز آپ وہاں روپوش رہے جب آپ کی تلاش میں قدرے کمی ہوئی تو آپ خراسان چلے گئے۔ ابومخنف کے بیان کے مطابق ہشام بن عبدالملک کی وفات ربیع الثانی ۱۲۵ھ تک آپ حریش بن عمرو بن داؤد کے پاس بلخ میں مقیم رہے۔ جب ولید بن یزید حکمران ہوا تو یوسف بن عمر والی کوفہ نے آپ کی تلاش پھر سے شروع کردی اور اپنے جاسوس آپ کے پیچھے لگا دیئے۔ اور نصر بن سیار والی خراسان کو آپ کی وہاں موجودگی کی اطلاع دی۔ جس نے عقیل بن معقل العجلی کو حریش بن عمرو اور یحییٰ بن زید شہید کی گرفتاری پر مامور کیا۔ لہٰذا عقیل نے حریش کو بلا کر یحییٰ کا پتہ پوچھا جب انہوں نے لاعلمی ظاہر کی تو عقیل نے انہیں چھ سو درے لگوائے جن سے وہ بے حال ہوگئے۔ حریش کے بیٹے نے باپ کی یہ حالت دیکھ کر یحییٰ کا پتہ بتا دیا اس طرح یحییٰ گرفتار ہوگئے اور آپکے ساتھ یزید بن عمر اور موالی فضل بن قیس بھی گرفتار ہوئے جو آپ کے ساتھ کوفہ سے آئے تھے۔ اس گرفتاری اطلاع جب بادشاہِ وقت ولید بن یزید کو پہنچی تو اس نے یحییٰ کی رہائی کا حکم دیا۔ آپ رہا کردیئے گئے لیکن یوسف بن عمر والی کوفہ نے اپنے آدمی آپ کے پیچھے لگا دیئے جو آپ کو کہیں بھی رکنے نہ دیتے تھے۔ جناب یحییٰ بلخ سے سرخس پہنچے وہاں کے عامل نے آپ کو وہاں سے نکالا اور سرحدی محافظ سرجان بن فروخ عنبری کے حوالہ کردیا جس نے ابرشہر میں عمر بن زرادہ کے پاس پہنچا دیا۔ عمر بن زرادہ نے اپنے علاقہ سے نکل جانے کو کہا۔ لہٰذا جناب یحییٰ وہاں سے بیہق پہنچے۔ جو خراسان کا آخری سرحدی شہر تھا۔ آپ کو خوف پیدا ہوا کہ کہیں یوسف بن عمر دھوکے سے گرفتار نہ کرلے۔ لہٰذا آپ اپنے ستر ہمراہیوں کے ساتھ عمر بن زرادہ کی طرف پلٹے راستے میں کچھ تاجر ملے آپ نے ان سے ان کی سواریاں حاصل کیں اور ان کی قیمتیں اپنے ذمہ لیں۔ عمر بن زرادہ نے نصر بن سیار کو اطلاع دی جس نے عبداللہ قیس اور حسن بن زید تمیمی کی سربراہی میں فوج

بھیجی۔ یہ تینوں افواج جنکی کل تعداد دس ہزار تھی۔ مقابلہ کیلئے جمع ہوئیں۔ یحییٰ بن زید نے اپنے ستر ہمراہیوں کے ساتھ اس فوج کا مقابلہ کیا۔ بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ عمر بن زرارہ جو اس فوج کا سپہ سالار اعلیٰ تھا مارا گیا اور اس کی فوج بھاگ گئی۔ جناب یحییٰ کو مالِ غنیمت میں سواری کے جانور ہاتھ آئے۔ آپ وہاں سے ہرات پہنچے جہاں کے حاکم مخلس بن زیاد العامری نے کوئی تعرض نہیں کیا لہٰذا آپ ہرات سے آگے بڑھ کر جوز جان کے ایک قریہ اروناتک پہنچے تھے کہ نصر بن سیار کی فوجوں نے سلم بن احوز کی سربراہی میں اچانک حملہ کر دیا اور ہر طرف سے تیر بارانی کی جس کے نتیجہ میں ایک تیر جناب یحییٰ کی پیشانی پر لگا جس سے آپ شہید ہو گئے۔ سورہ بن محمد الکندی نے آپ کا سر قلم کیا اور جسدِ مبارک کو شہر جوز جان کے دروازے پر آویزاں کر دیا جو ابومسلم خراسانی کے امویوں پر قابو پانے تک تقریباً پانچ سال آویزاں رہا۔[1]

ابومسلم خراسانی نے جناب یحییٰ کی لاش کو اتروا کر غسل دیا کفن پہنایا اور نماز جنازہ پڑھا کر میت کو دروازۂ جوز جان کے باہر دفن کیا۔ سات دن تک خراسان کے ہر گاؤں میں آپ کا ماتم بپا کیا گیا اور اس سال جتنے بچے خراسان کے علاقہ میں پیدا ہوئے ان کے نام یحییٰ اور زید رکھے گئے۔[2]

ڈاکٹر صفدر حسین صاحب نے تحریر کیا ہے کہ "سید یحییٰ بن زید شہید کی قبر موجودہ تحقیق کے مطابق ہرات میں واقع ہے"۔[3] جبکہ عمادزادہ نے آپکا مزار جوز جان میں بتایا ہے وہ لکھتے ہیں کہ "در بیرون دروازہ گنبد کاوس آرامگاہی مرکب از صحن وقبہ و بارگاہی است کہ مقبر در وسط آن است واطراف آن بصورت مسجد است این آرامگاہ دراثر توجہ مسلمانان آن حوزہ وکراماتی کہ شیعہ وسنی مخصوصاً در روزھائی عاشورہ از آن بزرگوار دیدہ اندست تعمیر است۔[4]

[1] تاریخ کامل ص: ۴۸۱ ج: ۲ مطبوعہ کراچی؛ تاریخ طبری ص: ۳۳۳ ج: ۶ مطبوعہ کراچی؛ منتہی الامال ص: ۹۳ ج: ۲ [2] مروج الذہب المسعودی ص: ۱۵۹ [3] سادات باہرہ تاریخ کے مدوجزر میں ص: ۴۸ [4] زندگانی حضرت یحییٰ بن زید ص: ۳۵

عام طور سے مورخین نے یہی لکھا ہے کہ آپ کے کوئی اولاد نہیں تھی جبکہ کچھ نے لکھا ہے کہ آپ کے نرینہ اولاد نہیں تھی اور بعض نے لکھا ہے کہ جنہوں نے آپ کی اولاد کا ذکر کیا وہ غیر معتبر ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

شیخ محمد عباس قمی تحریر فرماتے ہیں کہ:

حمانا اولاد زید بقول صاحب عمدۃ الطالب چہار پسر بود ودختر نداشت وپسران او یحییٰ وحسین وعیسیٰ ومحمد است اما یحییٰ در اوایل سلطنت ولید بن یزید بن عبدالملک خروج کرد بجہت نہی از منکر ودفع ظلم شایعۂ امویہ در پایان کاکشتہ گشت"۔ (منتہی الامال ص: ۹۱ ج: ۲)

جسٹس امیر علی تحریر کرتے ہیں:

The youthful Yahya was haunted from place to place; goaded to desperation, he rose in arms, determined to fall with the sword in his hand rather than be killed like vermine."
(A short history of Saracens P-160)

ترجمہ: مایوسی کا شکار نوجوان یحییٰ ایک جگہ سے دوسری جگہ سرگرداں پھرتے رہے۔ آخرکار یہ سوچ کر کہ بزدلوں کی طرح مرنے سے بہتر ہے کہ بہادروں کی طرح تلوار ہاتھ میں لئے میدانِ جنگ میں جان دی جائے۔ انہوں نے علم جہاد بلند کیا۔

مروج الذہب میں مرقوم ہے کہ:

یحییٰ ارعونہ نام ایک گاؤں میں لڑتے ہوئے مارے گئے اور وہیں دفن ہوئے ان کی قبر بہت مشہور ہے اور آج تک زیارت گاہ خاص وعام ہے قتل ہونے سے پہلے یحییٰ نے کئی لڑائیاں لڑیں۔ ایک تیر سے جو ان کی کنپٹی میں آکر پیوست ہو گیا تھا ان کی ہلاکت واقع ہوئی۔

(مروج الذہب ص: ۱۵۹)

جناب محمد عباس قمر زیدی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

"حضرت زید الشہید کی نسل آپ کے تین فرزندان کے ذریعہ گوشہ ہائے عالم میں پھیلی اور زیدی کہلائی۔ یحییٰ کی شہادت عالمِ شباب

میں ہوئی اس لئے آپ کی نسل کا علم نہیں بعض حضرات نے لکھا ہے کہ مگر وہ غیر معتبر ہے"۔ (زید شہید بطل رشید ص: ۳۱۴)

عمادالدین حسین اصفہانی (عمادزادہ) کا بیان ہے کہ

"حضرت یحییٰ ۲۲ سال داشت وزنی گرفتہ فرزندی بنام عبداللہ ملقب بطالب الحق پیدا کرد کہ پس از شہادت پدرش بطرف صنعاء رفت وآنجا لباس سیاہ پوشیدند وپرچمہائی سیاہ برافراستند"۔

(زندگانی حضرت یحییٰ بن زید ص: ۲۴)

۲) حسین بن زید شہیدؒ: یہ جناب زید شہیدؒ کے فرزند دوئم تھے۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ اور القاب ذوالدمعہ وذوالعبرہ تھے۔ ان کے لقب ذوالدمعہ (یعنی آنسو بہانے والا) کی بابت ابوالفرج اصفہانی کا بیان ہے کہ کان الحسین بن زید یلقب ذوالدمعۃ لکثرۃ بکاءہ۔[1] یعنی کثرت گریہ کے باعث حسین بن زید کا لقب ذوالدمعہ ہوا۔

(عمادزادہ) عمادالدین حسین اصفہانی کا بیان ہے کہ:

"حسین سید زاہدؔ عابدؔ عالمؔ دانشمندی محقق دقیق بود اکثر شبہا بیدار بود کہ از کثرت گریہ در نماز شب از خوف خدا ذوالدمعہ یعنی صاحب اشک چشم میگفتند ودر اواخر عمر از گریہ زیاد نابینا شدہ واور امکفوف میگفتند"۔ (زندگانی حضرت یحییٰ بن زید ص: ۲۳)

حضرت زید شہیدؒ کی شہادت کے وقت ان کی عمر سات سال تھی۔ ان کی پرورش جناب امام جعفر صادقؑ کے زیر تربیت ہوئی جنہوں نے ان کو زیور علم سے آراستہ کیا اور سنِ بلوغ پر پہنچنے کے بعد محمد ارقط بن عبداللہ باہر کی دختر سے نکاح کرا دیا۔ حسین ذوالدمعہ عابد وزاہدؔ صاحب لسان وبیان اور عالم وفاضل تھے بقول شیخ محمد عباس قمی انہوں نے ۱۳۵ھ میں اور بروایت دیگر ۱۴۰ھ میں وفات پائی۔

[1] مقاتل الطالبین ص: ۲۵۷

حسین ذوالدمعہ کے تین فرزندان حسینؔ یحییٰ اور علی سے ان کی نسل پھیلی۔ عام طور سے مورخین نے انہی تین فرزندان کا ذکر کیا ہے مگر کتب مقاتل میں ان کی مقتول اولاد کے جو نام ملتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حسین ذوالدمعہ کے مزید تین فرزندان اور تھے جن کے نام حسنؔ اسحاق اور عمر تھے۔

حسین ذوالدمعہ کی مقتول اولاد کی بابت ابوالفرج اصفہانی نے تحریر کیا ہے کہ:

۱۔ حسن بن حسین ذوالدمعہ جنگ قطر میں ابوالسرایا کی ہمراہی میں حرثمہ سے لڑتے ہوئے کوفہ میں مارے گئے۔[1]

۲۔ حسن بن اسحاق بن حسین ذوالدمعہ بھی ابوالسرایا کی حمایت میں لڑتے ہوئے مقام سوس میں قتل ہوئے۔[2]

۳۔ زید بن حسین بن حسین ذوالدمعہ کو مکتفی عباسی کے دور حکومت میں ایک قرمطی نے مکہ کے راستے میں قتل کیا۔[3]

۴۔ عبیداللہ بن علی بن عیسیٰ بن یحییٰ بن حسین ذوالدمعہ کو معتمد عباسی کے زمانہ حکومت میں احمد بن طولون نے قتل کیا۔[4]

۵۔ یحییٰ بن عمر بن حسین ذوالدمعہ کی کنیت ابوالحسین تھی۔ ان کی والدہ ام الحسن فاطمہ بنت حسین بن عبداللہ بن اسمٰعیل بن عبداللہ بن جعفر بن ابیطالب تھیں۔ انہوں نے تنگ آمد بجنگ آمد کے اصول کے تحت مستعین عباسی کے دور حکومت میں خروج کیا اور کوفہ میں ۲۵۰ھ میں قتل کر دیئے گئے۔[5]

حسین ذوالدمعہ کے وہ فرزندان جن کی اولاد کا عام طور پر مورخین نے ذکر کیا وہ حسینؔ یحییٰ اور علی ہیں۔ ان کی اولاد کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ حسین بن حسین ذولدمعہ: ان کی کنیت ابوالحسین تھی۔ ان کے چار فرزندان یحییٰؔ محمدؔ علی اور زید تھے۔ پہلے بیٹے یحییٰ کے ایک بیٹے قاسم تھے ان کے بیٹے ابوجعفر تھے جن کی نسل مکہ وطائف میں پھیلی۔ دوسرے بیٹے محمد کے چھ بیٹے احمدؔ

[1] مقاتل الطالبین ص: ۴۳۰ [2] نور المشرقین ص: ۳۵۶ [3] مقاتل الطالبین ص: ۴۳۶ [4] ایضاً ص: ۴۴۰ [5] مقاتل الطالبین ص: ۴۲۰

حسین، حسن، محمد، قاسم اور علی تھے۔ تیسرے بیٹے علی کے ایک فرزند عبداللہ اور ان کے بیٹے احمد تھے چوتھے بیٹے زیدان کے بیٹے ابوعبداللہ زید اور ان کے بیٹے حسن تھے جو دمشق منتقل ہوئے ان کی نسل وہیں پھیلی۔

۲۔ حسین ذوالدمعہ کے دوسرے فرزند یحیٰی تھے۔ ان کی والدہ ملیکہ بنت داؤد بن حسن مثنیٰ تھیں۔ یحیٰی بن حسین ذوالدمعہ کے سات فرزندان قاسم، حسن، حمزہ، محمد اصغر، عیسیٰ، یحیٰی اور عمر کا تو اکثر مورخین نے ذکر کیا ہے اور ان کی اولاد کا بھی ذکر کیا لیکن بعض نے مزید چار فرزندان حسین الاحول، احمد، علی اور محمد اکبر بھی بتائے ہیں۔ بہرحال ان کی اولاد کا کہیں ذکر نہیں ملتا ممکن ہے یہ طفلی میں فوت ہو گئے ہوں۔ یحیٰی بن حسین ذوالدمعہ نے ۲۰۸ھ یا ۲۰۹ھ میں بغداد میں وفات پائی اور مامون عباسی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ احمد محدث بن عمر بن یحیٰی بن حسین ذوالدمعہ کی نسل کے لوگ ہندوستان آئے اور مختلف قصبات مثلاً قصبہ سمانہ، کرنال، شاہ آباد، گھوڑیالہ، ترکیاواس، والہٹر، تحصیل ڈسکہ، پند بھاؤالدین، خانیوال، لیہ، علی پور وغیرہ میں آباد ہوئے۔

۳) عیسیٰ بن زید شہیدؒ: آپ کی کنیت ابویحیٰی اور لقب موتم الاشبال تھا۔ جس کی بابت شیخ محمد عباس قمی نے تحریر کیا ہے کہ:

''ھماعیسیٰ بن زید کنی است بابویحیٰی وملقب است بموتم الاشبال و این لقب ازاں یافت کہ وقتی شیری راکہ دارای بچگان بود وسر راہ برمردم گرفتہ بود بکشت ازانوقت لقب موتم الاشبال یافت یعنی یتیم کنندہ شیر بچگان۔'' (منتہی الامال ص: ۲۹ ج: ۲)

ترجمہ: یہ وہی عیسیٰ بن زید ہیں جن کی کنیت ابویحیٰی اور لقب موتم الاشبال ہے اور یہ لقب اس لئے ہے کہ ایک مرتبہ شیر جس کے بچے بھی تھے سر راہ آدمیوں کو ستاتا تھا۔ آپ نے اس کو مار دیا اسی وقت سے لوگ آپ کو اس لقب سے یاد کرنے لگے۔

آپ کی ولادت ۱۰۹ھ میں اور وفات ۱۷۹ھ میں بیان کی گئی ہے اس طرح آپ کی مدت حیات ستر سال بنتی ہے۔ آپ کی مادر گرامی رقیہ بنت عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ تھیں۔ آپ کے نام کی بابت ابوالفرج اصفہانی کا بیان ہے کہ حضرت زید شہید نے آپ کا نام عیسیٰ ابن مریم کے نام پر رکھا تھا۔[۱]

آپ کی پرورش کے متعلق بعض حضرات کا خیال ہے کہ آپ نے ننھیال میں اپنے ماموں محمد نفس ذکیہ اور ابراہیم کے زیر تربیت پرورش پائی جبکہ قدما نے لکھا ہے کہ آپ کی پرورش حضرت امام جعفر صادقؑ کے زیر تربیت ہوئی اور یہ انہی کے فیض تربیت کا نتیجہ تھا کہ آپ احکام دین اور علم و عرفان میں ممتاز ترین مقام پر فائز ہوئے۔ بقول ابوالفرج اصفہانی جناب عیسیٰ بن زید اپنے ہمعصروں میں علم و وراع اور زہد و کشف میں سب سے افضل تھے اور مذہبی امور میں آپ کی بصیرت علم کثیر کی حامل تھی۔[۲] آپ کا شمار راویان حدیث میں کیا جاتا ہے اور آپ کا قول معتبر و مقبول ہے۔ شیخ طوسی، علامہ حائری اور علامہ مجلسی وغیرہ نے آپ سے احادیث نقل کی ہیں۔ محمد نفس ذکیہ کی وصیت کے مطابق آپ ان کے جانشین ہوئے۔[۳] آپ نے نفس ذکیہ کے جہاد میں عملی حصہ لیا۔ اور ان کی سپاہ میں میمنہ کے سالار تھے۔ نفس ذکیہ اور انکے بھائی ابراہیم کی شہادت کے بعد بقیہ زندگی کوفہ میں گمنامی اور انتہائی کسمپرسی کی حالت میں گذاری۔ سقائی کا پیشہ اختیار کیا یعنی اونٹ پر پانی لاد کر لاتے اور اپنی روزی کماتے۔

جناب عیسیٰ بن زید نے تین عقد کئے دو مدینہ میں اور ایک کوفہ میں ایک زوجہ عاتکہ بنت فضل بن عبدالرحمٰن بن عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب تھیں جن سے احمد پیدا ہوئے دوسری زوجہ عبدہ یا خدیجہ بنت علی بن عمر بن علی زین العابدین تھیں ان کے بطن سے حسین اور محمد تولد ہوئے۔ تیسری زوجہ اہل کوفہ میں سے تھیں ان کے بطن سے زید پیدا ہوئے اور ایک دختر بھی تولد ہوئیں۔ جو آپ کی حیات میں فوت ہو گئیں۔

[۱] مقاتل الطالبین ص: ۲۶۸، [۲] مقاتل الطالبین ص: ۲۶۹، [۳] نور المشرقین من حیات الصادقین ص: ۳۱۳

آپ نے اپنے حسب حال چند اشعار کہے جن سے آپ کی زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔ ملاحظہ ہوں:

واللہ ما اطعم الرقاد	خوفاً اذنامت عیون العباد
مزدنی اہل اعتدادوما	اذنیت ذہنا غیر ذکر المعاد
امنت باللہ ولم یومنوا	فکان زاوی عندہ شر زاد
اقول قالہ خائف	مطرد قلبی کثیر السماد
منخرق الخفین لیشکرالوجی	تنکبہ اطراف مرد حداد
شردہ الخوف فازری بہ	کذاک من یکرحراً لحلاد
قدکان فی الموت لہ راحتہ	والموت ختم فی رقاب العباد

ترجمہ: ۱) جب لوگوں کی آنکھیں سو جاتی ہیں میں خوف سے جاگتا رہتا ہوں اور ایک لمحہ بھی نیند نہیں آتی۔

۲) اہل ظلم نے مجھے جلاوطن کر دیا حالانکہ سوائے آخرت کی یاد کرنے کے میرا کوئی قصور نہیں۔

۳) میں خدا پر ایمان لایا ہوں اور یہ لوگ ایمان نہیں رکھتے لہٰذا میرے لئے ان کے پاس نہایت خراب چیزیں ہیں۔

۴) میں وہ بات کہتا ہوں کہ جو ایسا شخص کہتا ہے جو خوف میں زندگی بسر کرتا ہو۔ میرا دل قابو میں نہیں اور میں جاگتا رہتا ہوں۔

۵) جس کی دونوں جوتیاں ٹوٹ گئی ہوں اور وہ اس بادیہ پیمائی کی شکایت کرتا ہو اور مرو کی تنگ گلیاں اس سے روگردانی کرتی ہیں۔

۶) خوف نے جو اس کو وطن سے دور سرِ صحرا کر دیا ہو اسی طرح جس طرح کہ وہ شخص ہوتا ہے جو جلاد سے خوف کھاتا ہے۔

۷) اس کے لئے موت میں راحت ہے اور موت تو ہر شخص کی گردن میں پڑی ہوئی ہے۔

جناب عیسیٰ بن زید الشہید کے یہ اشعار لوگوں کو زبانی یاد تھے اور اکثر اہلِ درد ان کا وِرد کرتے تھے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مہدی عباسی خراسان میں مقیم تھا کسی مقام پر اس نے یہ اشعار دیوار پر لکھے ہوئے دیکھے تو اس نے ہر شعر کے نیچے لکھ دیا۔ "لک الامان من اللہ ومنی فاظہر متی شئت" یعنی تجھ کو میری اور خدا کی طرف سے امان ہے جب جی چاہے ظاہر ہو جا۔ اس کے علاوہ حج کے موقع پر بھی منادی کرائی لیکن حالات و واقعات سے صاف ظاہر تھا کہ یہ بھی حاکمِ وقت کی ایک چال تھی جوں ہی وہ ظاہر ہوں انہیں گرفتار کر لیا جائے لہٰذا آپ نے مہدی کے اعلان کو کوئی اہمیت نہیں دی اور تمام عمر جلاوطنی و گوشہ نشینی میں گذار دی۔ آپ نے مصائب کا نہایت صبر و استقلال سے مقابلہ کیا اور اعزائے قریبی سے دوری کے غم کو ہمیشہ سینہ سے لگائے رکھا۔

جناب عیسیٰ موتم الاشبال نے اپنے کوفہ میں قیام کے دوران بہت سی معمولی نوعیت کی مزدوریاں کیں لیکن کسی بھی حالت میں تسبیح و تحلیل، صبر و شکر اور ضبط و تحمل کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ آپ کے بھتیجے یحیٰی بن حسین ذوالدمعہ کو آپ سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا لہٰذا جب وہ کوفہ آئے تو اسی تسبیح و تحلیل کے عمل سے آپ کو پہچانا۔

آپ کی وفات کی بابت مختلف خیالات ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے ۱۶۸ھ[۱] میں وفات پائی۔ دوسرا یہ کہ ۱۷۰ھ[۲] میں فوت ہوئے۔ تیسرا یہ کہ ۱۷۹ھ[۳] میں ستر سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔ بہرحال آپ کے دوست حسن بن صالح نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور میت کو دفن کر دیا۔ ڈاکٹر سید صفدر حسین صاحب کے بیان کے مطابق سید عیسیٰ موتم الاشبال کا مزار شفتانیہ میں ہے یہ مقام جواب کوفہ سے تقریباً ساڑھے تین میل کے فاصلہ پر ہے زمانہ قدیم میں کوفہ کا ایک محلہ سمجھا جاتا تھا۔[۴]

[۱] سادات باہرہ تاریخ کے مدوجزر میں ص: ۲۹، [۲] ایضاً [۳] زید شہید بطل رشید ص: ۲۲۳، [۴] سادات باہرہ تاریخ کے مدوجزر میں ص: ۳۸

جناب عیسیٰ موتم الاشبال کے چار فرزندان احمد٬ محمد٬ حسین اور زید تھے جن سے آپ کی نسل پھیلی۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے: [1]

۱۔ احمد بن عیسیٰ موتم الاشبال: ان کی کنیت ابوعبداللہ اور لقب المختفی تھا۔ آپ بڑے عالم و فاضل٬ زاہد و فقیہہ اور صاحب کتاب بزرگ تھے اور احادیث صحیحہ کا درس دیا کرتے تھے۔ عباسی حکمران ہارون آپ کے درپۂ آزار ہوا اور کھوج لگا کر آپ کو اور قاسم بن علی بن عمر اشرف کو گرفتار کر کے قید کر دیا کچھ عرصہ بعد قید خانہ کے محافظوں کی غفلت سے یہ دونوں وہاں سے نکل گئے۔ احمد بن عیسیٰ بغداد پہنچے اور وہاں محمد بن ابراہیم کے گھر میں روپوش ہو گئے جب ہارون کو آپ کی بغداد میں موجودگی کا علم ہوا تو اس نے ہر اس شخص کے گھر کی تلاشی کا حکم دیا جس پر تشیع کا ذرا سا بھی شبہ ہو۔ محمد ابن ابراہیم کا بیٹا جو شکار کا شوقین تھا وہ آپ کو غلام کے بھیس میں اپنے ساتھ شکار پر لے گیا اور آپ کو بصرہ روانہ کر دیا۔

ہارون نے اپنے معتمد یحییٰ بن خالد کو جاگیر عطا کی اور ہدایت کی وہ اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کر کے کوفہ و بصرہ میں احمد بن عیسیٰ کا پتہ لگائے۔ یحییٰ بن خالد نے دھوکے و چالبازی سے اور مال خرچ کر کے کوفہ و بصرہ کے شیعوں سے انسیت پیدا کی اور بصرہ میں احمد بن عیسیٰ کے ساتھی مسمی حاضر تک رسائی حاصل کی لیکن حاضر نے اس کی ملاقات سے پہلے ہی آپکو وہاں سے روانہ کر دیا۔ اب احمد بن عیسیٰ شہر بہ شہر پریشان پھرتے ہوئے اہواز پہنچے پھر بصرہ آ گئے۔ آخرکار اسی روپوشی و بادہ پیمائی میں ۲۳ رمضان ۲۴۷ھ کو انتقال کیا۔ شیخ عباس قمی کے بیان کے مطابق آپ کی ولادت ۱۵۸ھ میں اور وفات ۲۴۰ھ میں ہوئی۔ [1] احمد المختفی کے پانچ فرزندان محمد اکبر٬ علی٬ حسین٬ جعفر اور محمد تھے۔ ان محمد اکبر کو سعید الحاجب نے قتل کیا۔ [2]

۲۔ محمد بن عیسیٰ موتم الاشبال: آپ کا لقب الحیدری تھا۔ بقول شیخ عباس قمی آپ کی والدہ خدیجہ بنت علی بن عمر بن حسین بن علی زین العابدینؑ تھیں آپ تمام

[1] منتہی الامال ص: ۴۷ ج: ۲ [2] مقاتل الطالبین ص: ۳۳۳

زندگی مدینہ ہی میں رہے ابتداً وہیں پر آپ کی نسل پھیلی۔ بعدہٗ مختلف مقامات پر منتشر ہو گئی آپ کے ایک فرزند علی تھے ان کے بیٹے حسین اور ان کے فرزند علی تھے جو مدینہ سے نقل مکانی کر کے عراق میں آباد ہوئے اور علی العراقی کہلائے۔ جیسا کہ صاحب عمدۃ الطالب نے تحریر کیا ہے کہ:

"واما محمد ابن عیسیٰ موتم الاشبال فلهٗ عقب كثير منتشر وجمهور عقبه يرجع الىٰ على العراقى بن الحسين بن على بن محمد المذكور (محمد بن عيسىٰ) ورد العراق و اقامه بها فعرف عند الحن الحجازبه العراقى و اعقبه من خمسة رجال بين مقل و مكثر".

(عمدۃ الطالب فی انساب ابی طالب ص: ۴۴۳)

ترجمہ: اور محمد بن عیسیٰ موتم الاشبال کی نسل کثیر ہے جو مختلف مقامات پر منتشر ہو گئی۔ یہ نسل جناب علی عراقی کی جانب رجوع ہوتی ہے جو محمد مذکور (یعنی محمد بن عیسیٰ) کے فرزند ہیں یہ علی بن حسین عراق آ گئے اور یہیں قیام کیا۔ اہل حجاز آپ کو عراقی کے نام سے یاد کرتے تھے ان کی نسل پانچ فرزندوں سے کثیر تعداد میں پھیلتی رہی۔

علی عراقی کے ایک بیٹے حسین ان کے بیٹے علی ان کے بیٹے زید تھے جنہیں زید الحربی اور زید ثانی بھی کہتے ہیں ان کے بیٹے عمر ان کے بیٹے زید ثالث ان کے بیٹے یحییٰ ان کے بیٹے حسین ان کے بیٹے داؤد اور ان کے بیٹے ابوالفرح واسطی تھے یہ واسط سے غزنی آئے اور وہاں سے محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان آئے بہت سی جنگوں میں شجاعت کے جوہر دکھائے اور اپنے چار بیٹوں سید ابوالفراس٬ سید ابوالفضائل٬ سید داؤد اور سید نجم الدین کو چار قصبات ججیر٬ چھاتروڈ٬ کونڈلی اور تھن پور (ریاست پٹیالہ) میں آباد کیا اور خود سلطان محمود کی ہمراہ واپس غزنی چلے گئے۔ سلطان کی وفات کے بعد واسط تشرف لے گئے اور تاحیات ہیں۔

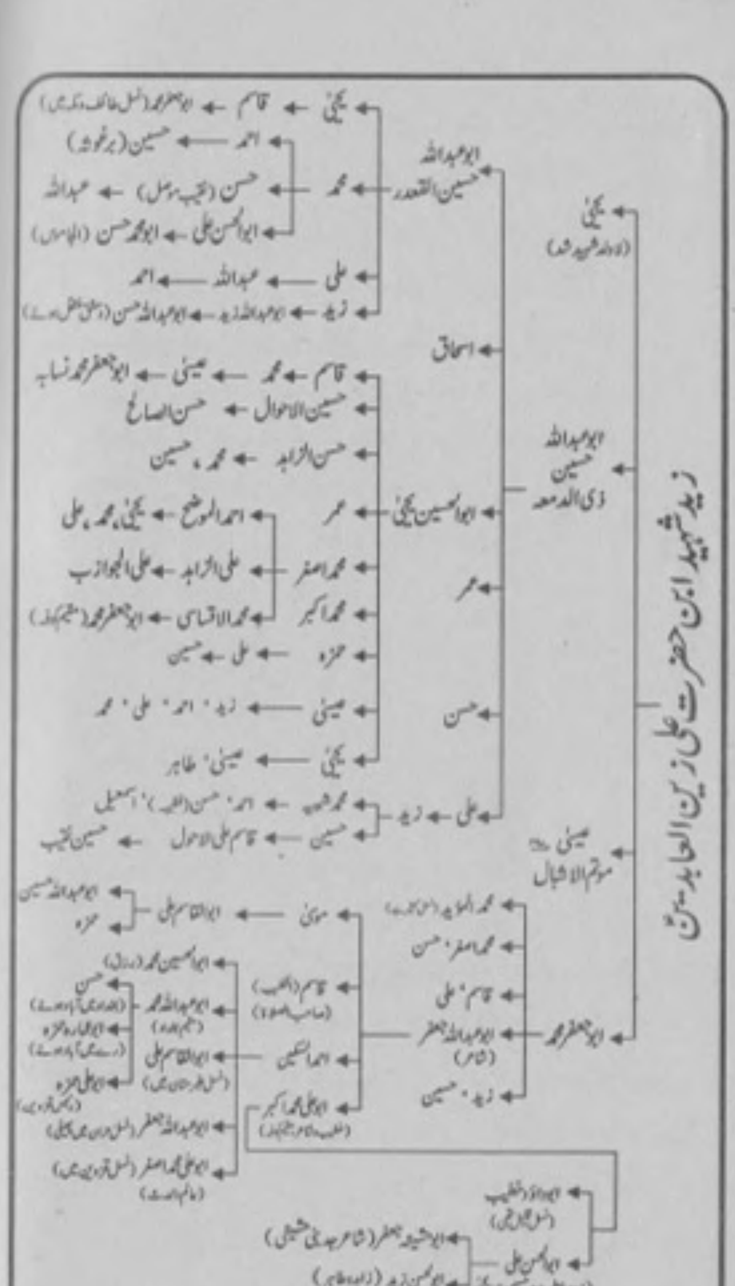

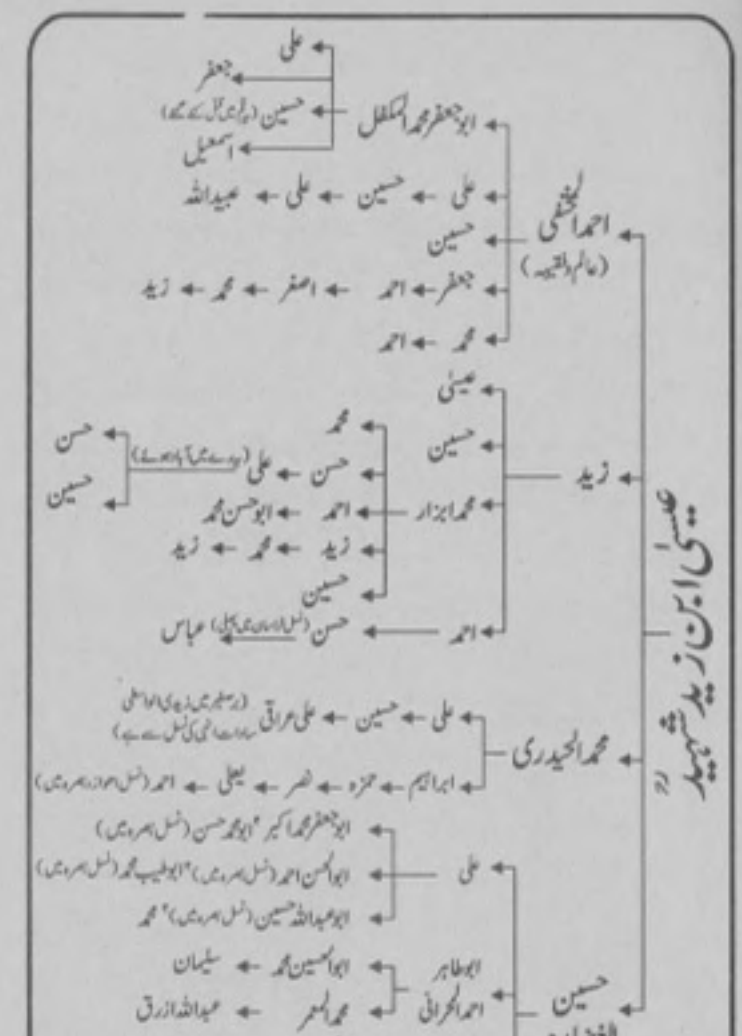

سید ابوالفراح واسطی کے چار فرزندان کی اولاد ان کے قصبات کی مناسبت سے ججیری، چھاتروڈی کونڈلی وال اور تہن پوری کہلاتی ہیں۔ سادات باہرہ وسادات بلگرام ان کی دو بڑی شاخیں ہیں سادات باہرہ کی ججیری شاخ جو دوآبہ نہیں گئی بلکہ مختلف قصبات میں آباد ہوئی ان میں دھرسوں ونواز پورہ (ریاست پٹیالہ)، میمن پور (ضلع بجنور)، کہیر تل، (ریاست الور) قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ بہار میں کثیر نسل تھی جو عقیدتاً اہل سنت والجماعت ہیں۔ انسان عقیدہ تو بدلتا رہتا ہے لیکن نسب نہیں بدل سکتا۔ بہرحال موجودہ وقت میں زید الواسطی سادات کی کثیر تعداد پاکستان میں آباد ہے خصوصاً کراچی میں البتہ سادات نواز پورہ کی دو شاخیں حیدرآباد دکن میں پھل پھول رہی ہیں۔

محمد بن عیسیٰ موتم الاشبال کے ایک فرزند ابراہیم تھے ان کے بیٹے حمزہ ان کے بیٹے نصران کے بیٹے یعلی اور ان کے بیٹے احمد تھے جن کی نسل بصرہ اور اہواز میں پھیلی۔

۳۔ زید بن عیسیٰ موتم الاشبال کے چار بیٹے عیسیٰ، حسین، محمد اور احمد تھے۔ زید کے فرزند محمد جنکا لقب ابزار تھا انکے پانچ بیٹے محمد، حسن، احمد، زید اور حسین تھے ان میں حسن بن محمد بزمانہ معتمد عباسی صفار اور حسن بن زید کی لڑائی میں مارے گئے۔[1] زید بن عیسیٰ موتم الاشبال کے بیٹے احمد کے ایک بیٹے حسن کی نسل خراسان میں پھیلی۔

۴۔ حسین بن عیسیٰ موتم الاشبال جن کا لقب الغضارہ تھا ان کے چار بیٹے علی، احمد، محمد اور زید تھے۔ ان میں علی کے چھ بیٹے تھے جن میں بیشتر کی نسل بصرہ میں پھیلی۔ حسین کے دوسرے بیٹے احمد جن کی کنیت ابوطاہر اور لقب الحرانی تھا ان کے دو بیٹے ابوالحسین محمد اور محمد المعمر تھے۔ حسین کے تیسرے بیٹے محمد تھے جن کے تین بیٹے علی، محمد اور حسین تھے۔ حسین کے چوتھے بیٹے زید تھے جن کی کنیت

[1] مقاتل الطالبین ص: ۴۳۲

ابوطاہر تھی۔ ان کے پانچ بیٹے علی، عیسیٰ، قاسم، احمد الشریر اور ابوجعفر محمد تھے۔ ان علی بن زید کی والدہ بنت قاسم بن عقیل بن محمد بن عبداللہ بن عقیل بن ابیطالب تھیں انہوں نے بزمانہ مہدی عباسی کوفہ میں خروج کیا۔[1] عباسی فوج شاہ بن مکیال کی سرکردگی میں مقابلہ میں آئی۔ علی بن زید نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور عباسی لشکر کو بھگا دیا۔ پھر جب ناجم نے بصرہ میں خروج کیا تو علی بن زید اس سے جا ملے مگر کسی ناچاقی پر ناجم نے انہیں قتل کرادیا۔ زید بن حسین غضارہ کے ایک بیٹے عیسیٰ تھے جن کے ایک بیٹے حسن تھے جنہیں بجستانی نے جرجان میں قتل کیا۔[2] زید بن حسین کے دوسرے بیٹے قاسم بھی انہی جنگوں میں مارے گئے۔[3]

۴) زید شہید کے چوتھے فرزند محمد: یہ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ ان کی کنیت ابوجعفر تھی اور یہ صاحب فضل وکمال اور شجاع وجوانمرد تھے۔ ان کی فتوحات کے بہت سے قصے مشہور ہیں جن میں ایک واقعہ داعی کبیر کا ہے۔ ان کی نسل کثیر ہے جس میں سے بیشتر عراق میں آباد رہی۔ ان کی نسل میں بعض معروف لوگ گذرے ہیں۔

محمد بن زید شہیدؒ کے آٹھ فرزندان محمد المویدؔ، محمد اصغر، حسن، قاسم، ابوعبداللہ جعفر (یہ عالم فقیہہ، ادیب اور شاعر تھے) علی، حسین اور زید تھے۔ ان میں صرف فرزندان ابوعبداللہ جعفر کی نسل کثیر تھی۔ ان جعفر بن محمد بن زید کے چار بیٹے موسیٰ، قاسم، احمد السکین اور ابوعلی محمد اکبر تھے۔ ان میں موسیٰ بن ابوعبداللہ جعفر کے بیٹے ابوالقاسم علی اور انکے دو بیٹے ابوعبداللہ حسین اور حمزہ تھے۔ دوسرے بیٹے قاسم جو خطیب اور صاحب الصلاۃ تھے ان کی نسل کثیر تھی۔ تیسرے بیٹے احمد السکین کے پانچ بیٹے ابوالحسین محمد بزرق، ابوعبداللہ محمد (انکی نسل بغداد میں پھیلی)، ابوالقاسم علی (انکی نسل طبرستان میں پھیلی)، ابوعبداللہ جعفر ان کے بیٹے ابوالحسن علی الحرانی (انکی نسل حران میں پھیلی)، اور ابوعلی محمد اصغر (یہ عالم، زاہد ومحدث تھے) ان کے چار بیٹے ابوجعفر احمد (نسل قزوین میں پھیلی)، ابویعلی حمزۃ،

[1] مقاتل الطالبین ص: ۴۳۵، [2] ایضاً ص: ۴۵۶، [3] ایضاً ص: ۴۵۹

ابوطالب عباس اور ابوالحسن زید تھے۔ اور چوتھے بیٹے ابوعلی محمد اکبر (یہ خطیب وشاعر تھے۔ کوفہ میں آباد ہوئے وہیں نسل پھیلی)۔ ابوعلی محمد اکبر کے دو بیٹے ابوعلی داؤد (انکی نسل قلیل تھی)، ابوالحسن علی (یہ عالم وفاضل اور شاعر تھے) ان کی زوجہ فاطمہ بنت حسین بن یحییٰ بن حسین ذوالدمعہ تھیں جن کے بطن سے ابوحشیشہ جعفر اور ابوالحسن زید پیدا ہوئے۔ ابوحشیشہ جعفر شاعر تھے اور بنی حشیش کے جداعلیٰ تھے۔ جبکہ ابوالحسن زید زاہد وعابد اور شاعر تھے۔

امویوں کا زوال
اور
عباسیوں کا عروج

بنوامیہ کا زوال اور بنوعباس کا عروج مسلمانوں کی تاریخ کے عبرتناک واقعات ہیں اور تاریخ گواہ ہے کہ اس عروج وزوال کی داستان میں اہم ترین مقام بنی ہاشم کو حاصل ہے۔ کیونکہ بنی امیہ کے زوال کا بنیادی سبب وہ ظالمانہ برتاؤ تھا جو امویوں نے بنی ہاشم کے ساتھ روا رکھا اور بنوعباس کے عروج کا اصل باعث بھی بنوہاشم ہی تھے جن سے عوام الناس کی ہمدردیوں کے نتیجہ میں عباسی حکومت قائم ہوئی۔

سفیانی حکومت کا خاتمہ: قوت وغلبہ، ظلم وجور اور لالچ وفریب کے ذریعہ حاصل کی جانے والی سفیانی حکومت کا بہت جلد خاتمہ ہو گیا۔ کمزور بنیادوں پر قائم ہونے والی اس حکومت کا وجود صرف تیس سال ہی قائم رہ سکا۔ بقول مولانا سعید احمد اکبرآبادی "امیر معاویہ نے جس طرح حکومت بجبر حاصل کی تھی اسی طرح یزید کی بیعتِ خلافت بھی بجبر لی گئی۔ جو حضرات دل سے اس کو پسند نہیں کرتے تھے ان کو بھی بیعت کیلئے ہاتھ بڑھا دینا پڑا"۔[1]

دنیا والے امیر معاویہ کی جس مدبرانہ کامیابی پر نازاں ہیں اس کامیابی سے جناب معاویہ کی ایک پشت بھی صحیح معنوں میں مستفید نہ ہو سکی۔ جب جناب معاویہ کا چہیتا بیٹا یزید مرا تو وصیت کے مطابق اس کے بیٹے معاویہ بن یزید کے سر پر تاج شاہی رکھ دیا گیا لیکن اس نے اپنے باپ اور دادا کے کارناموں سے نفرت کا اظہار واعلان کرتے ہوئے تاج شاہی کو ٹھکرا دیا اور بادشاہ بننے کے بعد

[1] مسلمانوں کا عروج وزوال ص: ۴۹

اپنا پہلا اور آخری خطبہ دیا۔ اس خطبہ کو ہم گزشتہ صفحات میں نقل کر آئے ہیں لیکن مضمون کی مناسبت و اہمیت کے باعث مکرر درج کر رہے ہیں۔ معاویہ ثانی نے اپنے خطبہ میں اعلان کیا کہ: "میرے دادا امیر معاویہ نے اس شخص سے حریفانہ مقابلہ کیا جو آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ان سے زیادہ خلافت کا مستحق تھا' میرا اشارہ حضرت علیؑ کی طرف ہے۔ تم جانتے ہو' انہوں نے یہ سب کچھ تمہارے بل بوتے پر کیا تھا۔ وہ اپنی راہ گئے اور گناہوں کی گٹھڑی قبر میں ساتھ لے گئے ان کی موت کے بعد میرے باپ یزید نے خلافت حاصل کی حالانکہ وہ اس کا اہل نہ تھا' اس نے اپنی نفسانی خواہشات پر عمل کیا' لیکن موت نے زیادہ دن تک اس کو موقع نہ دیا اور بالآخر وہ بھی اپنے گناہوں کی پوٹلی لے کر قبر میں پہنچ گیا۔

ہمارے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ یہ احساس ہے کہ ان (یزید) کا انجام بد ہے' انہوں نے آنخضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خاندان کے لوگوں کو شہید کیا' حرم میں قتل و خونریزی کی' کعبہ کی بے حرمتی کی اور اسے خراب کیا' میں اس بار خلافت کا متحمل نہیں ہو سکتا"۔[1] یہ وہ حقیقت تھی جسے امیر معاویہ کے پوتے اور یزید کے بیٹے معاویہ ثانی نے بیان کیا۔ اس اعلان کے بعد خاندان والوں نے اسے تین مہینے بھی زندہ نہ رہنے دیا۔

جہاںتک یزید کی موت کا تعلق ہے تو اس کی بابت تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد یزید کی رعایا' یزید کے درباری امراء' یزید کے خاندان والے حتیٰ کے یزید کی بیوی اور بیٹے اس کو لعن طعن کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یزید کسی مرض سے مرگیا۔ لیکن وہ مرض کیا تھا اس کا کسی کو علم نہیں۔ ممکن ہے اس کی اچانک موت کا سبب یہ ہو کہ اس کے اہل خانہ میں سے کسی نے حسینؑ کے انتقام میں اسے مار ڈالا ہو۔

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت ص: ۶۰

بہر حال معاویہ ثانی کی تخت و تاج سے دستبرداری کے بعد عبداللہ بن زبیر جن کی بیعت کا سلسلہ مکہ و مدینہ میں یزید بن معاویہ کے دور حکومت ہی میں شروع ہو چکا تھا اب ان کے داعی پورے ملک میں پھیل گئے اور لوگوں سے ابن زبیر کیلئے بیعت لینے لگے۔ حتیٰ کہ ایک موقع پر مروان بن حکم بھی ان کی بیعت کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا لیکن ابن زیاد کے کہنے پر توقف کیا۔ بقول یعقوبی: "معاویہ ثانی کی دستبرداری کے بعد حجاز و عراق اور مصر و شام بڑے بڑے ملک ابن زبیر کے ساتھ ہو گئے اور وہاں ان کے حکام اور داعی پہنچ گئے۔ اردن کے والی حسان بن بخدل کے علاوہ باقی تمام صوبوں کے حکام و عمائدین ابن زبیر کے حامی و مددگار بن گئے۔"[1] اس طرح معاویہ بن ابوسفیان کی قائم کردہ حکومت دادا کے ہم نام پوتے یعنی معاویہ بن یزید بن معاویہ پر ۲۵ر ربیع الثانی ۶۴ھ کو ختم ہو گئی، بنی امیہ کی سفیانی شاخ صرف تیئس سال حکمرانی کر کے اپنے انجام کو پہنچی۔

مروانی حکومت کا قیام و انجام: مروان بن حکم کو اس حکومت کا بانی مانا جاتا ہے حالانکہ وہ تو صرف شام اور مصر پر قبضہ کر سکا تھا۔ بہر حال یہ مروان بنی امیہ کے مورث اعلیٰ امیہ بن عبد شمش کے دوسرے بیٹے عاص کی نسل سے تھا۔[2] اس کا باپ حکم حضرت عثمانؓ کا حقیقی چچا تھا۔ حکم فتح مکہ کے دن مسلمان ہوا یعنی وہ طلقاء میں سے تھا۔ اس کے دل میں اسلام راسخ نہ تھا وہ اندرونی طور پر مسلمانوں کا دشمن تھا اور ان کے راز فاش کیا کرتا تھا لہٰذا جناب رسالتمآبؐ نے اسے جلاوطن کر دیا تھا۔ خاندانی قربت کے باعث حضرت عثمان نے رسول اللہؐ سے اس کی معافی کی درخواست کی لیکن آنخضرتؐ نے اپنی زندگی میں اسے واپس آنے کی اجازت نہیں دی۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی اپنے اپنے دور حکومت میں حکم رسولؐ کی پابندی کی مگر حضرت عثمانؓ نے اقتدار حاصل کرتے ہی حکم اور اس کے بیٹے مروان کو مدینہ واپس بلا لیا۔ اور مروان سے اپنی بیٹی عائشہ کا

[1] تاریخ یعقوبی ص: ۳۳ ج: ۲ [2] بنی امیہ کا شجرہ اس کتاب کی جلد اول میں ملاحظہ فرمائیں۔

نکاح کر دیا۔ اور مروان کو اپنا سیکریٹری بنا لیا جس کی کارگزاری کے باعث حضرت عثمانؓ کا قتل ہوا۔ جنگ صفین میں مروان امیر شام کا حامی و مددگار تھا۔ اقتدار حاصل ہونے کے بعد معاویہ نے اسے مدینہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔

واقعہ کربلا کے بعد جب اہل مدینہ نے یزید کو معزول کر کے اس کے گورنر کو مدینہ سے نکال دیا۔ اس وقت بنی امیہ کے وہ افراد جو مدینہ میں سکونت پذیر تھے خوف و ہراس کا شکار ہوئے ان میں مروان بن حکم بہت زیادہ خوفزدہ تھا اور پناہ کی تلاش میں در در پھر رہا تھا لیکن اسے کہیں پناہ نہ ملی تب وہ حضرت امام زین العابدینؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر رحم و کرم کا طلبگار ہوا۔ کریم ابن کریم نے اپنے اس بدترین دشمن کو پناہ دی اور فرمایا "اپنی خواتین اور بچوں کو میرے پاس بھیج دو جہاں میرے بچے رہیں گے وہیں تمہارے بھی رہیں گے"۔ مروان نے اپنی زوجہ عائشہ بنت حضرت عثمانؓ و دیگر اہل خانہ کو امامؑ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ امامؑ نے سب کی مکمل حفاظت فرمائی۔[1]

عبداللہ بن زبیر کے خوف سے مروان مدینہ سے نکل کر شام پہنچا اور وہاں سیاسی توڑ جوڑ میں مصروف ہو گیا۔ شام میں عبداللہ بن زبیر کے سب سے بڑے حامی اور قبیلہ قیس کے سردار ضحاک بن قیس سے دمشق سے چند میل کے فاصلہ پر مرج راہط کے مقام پر محرم ۶۵ھ میں خونریز جنگیں ہوئیں جن میں کبھی ضحاک کامیاب ہوتا تو کبھی مروان۔ آخر کار مروان نے دھوکے سے کام لیا جس کے باعث ضحاک کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا اور مروان کو شام میں قدم جمانے کا موقع مل گیا جس کے بعد بنو امیہ کے جو لوگ جان کے خوف سے منتشر ہو گئے تھے وہ بھی شام میں جمع ہونے لگے۔ شام پر قبضہ کے بعد مروان نے مصر پر فوج کشی کر کے اس پر قبضہ حاصل کر لیا۔ اس کے بعد رمضان ۶۵ھ میں خالد بن یزید بن معاویہ کی ماں فاختہ بنت ابی ہاشم بن عتبہ نے جس سے مروان نے نکاح کر لیا تھا مروان کو زہر دیکر مار دیا۔

[1] تاریخ کامل ص: ۳۵ ج: ۴

مرج راہط کی جنگ کے بعد مملکت اسلامیہ دو واضح حکومتوں میں منقسم ہو گئی۔ حجاز و یمن پر عبداللہ بن زبیر کی حکمرانی تھی اور شام و مصر پر مروان کا قبضہ تھا۔ ان کے علاوہ بصرہ پر عبیداللہ بن زیاد نے قبضہ کرنے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا جبکہ عراق پر مختار ثقفی قابض تھا۔ اور مسلمانوں میں حصول اقتدار کیلئے باہمی جنگوں کا سلسلہ جاری تھا جو تقریباً نو سال تک جاری رہا۔ حتیٰ کہ ۷۳ھ میں عبدالملک بن مروان نے عبداللہ بن زبیر کو شکست دی اور قتل کر دیا۔ جس کے بعد پوری مملکت پر عبدالملک کا قبضہ ہو گیا۔ اس طرح ۷۳ھ سے مروانی حکومت قائم ہوئی۔ اور ۱۳۲ھ تک قائم رہی یہاںتک آخری معرکہ لڑتے ہوئے دریائے زاب میں غرق ہو گئی۔

عام طور سے مورخین سفیانی اور مروانی حکومتوں کو بنی امیہ کی ایک ہی مسلسل حکومت تصور کرتے ہیں درآنحالیکہ ان دونوں حکومتوں کے درمیان میں تقریباً نو سال کا خلاء تھا۔ نیز ان کے حکمران دو مختلف نسلوں سے تھے بلاشبہ ان دونوں نسلوں کا تعلق بنی امیہ سے تھا جس کا مورث اعلیٰ امیہ بن عبد شمس تھا۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے عباسی اور فاطمی حکومتیں ہیں جن کا تعلق بنی ہاشم سے ہے اور ان کے مورث اعلیٰ ہاشم بن عبد مناف ہیں۔ ذیل میں ہم نے بنی امیہ کے سفیانی اور مروانی حکمرانوں کے ادوار حکومت اور ایام حکمرانی کا ایک گوشوارہ مرتب کیا ہے ملاحظہ کیجئے۔

نمبر شمار: نام حکمران	آغاز حکومت	اختتام حکومت	مدت حکومت
سفیانی حکمران:	ماہ و سال	ماہ و سال	سال۔ مہینے۔ دن
۱۔ معاویہ بن یزید	۲۵ر ربیع الاول ۴۱ھ	۱۵ر رجب ۶۰ھ	۱۹۔ ۳۔ ۲۰
۲۔ یزید بن معاویہ	۱۵ر رجب ۶۰ھ	۱۴ر ربیع الاول ۶۴ھ	۳۔ ۷۔ ۲۸
۳۔ معاویہ بن یزید	۱۴ر ربیع الاول ۶۴ھ	۲۵ر ربیع الثانی ۶۴ھ	۰۔ ۱۔ ۱۱
☆			
مروانی حکمران:			
۴۔ مروان بن حکم	ذی قعدہ ۶۴ھ	رمضان ۶۵ھ	۰۔ ۹۔ ۰

۵۔ عبدالملک بن مروان	رمضان ۶۵ھ	شوال ۸۶ھ	۲۱۔	۱۔	۲۰
۶۔ ولید بن عبدالملک	شوال ۸۶ھ	جمادی الاخر ۹۶ھ	۹۔	۸۔	۲
۷۔ سلیمان بن عبدالملک	جمادی الثانی ۹۶ھ	صفر ۹۹ھ	۲۔	۶۔	۱۵
۸۔ عمر بن عبدالعزیز	صفر ۹۹ھ	رجب ۱۰۱ھ	۲۔	۵۔	۵
۹۔ یزید بن عبدالملک	رجب ۱۰۱ھ	شعبان ۱۰۵ھ	۴۔	۰۔	۱۳
۱۰۔ ہشام بن عبدالملک	شعبان ۱۰۵ھ	ربیع الثانی ۱۲۵ھ	۱۹۔	۹۔	۹
۱۱۔ ولید بن یزید	ربیع الثانی ۱۲۵ھ	جمادی الثانی ۱۲۶ھ	۱۔	۳۔	۰
۱۲۔ یزید بن ولید	جمادی الثانی ۱۲۶ھ	ذی الحجہ ۱۲۶ھ	۰۔	۲۔	۱۰
۱۳۔ ابراہیم بن ولید	ذی الحجہ ۱۲۶ھ	----	----		
۱۴۔ مروان بن محمد بن مروان	---	جمادی الثانی ۱۳۲ھ	۵۔	۲۔	۱۰
			۹۰۔	۰۔	۲۵
☆ عبداللہ بن زبیر	ربیع الاول ۶۴ھ	جمادی الثانی ۷۳ھ	۹۔	۲۔	۰
بنوامیہ کی سفیانی شاخ کی مدت حکومت تقریباً تیئس سال			۸۰۔	۱۰۔	۲۵

بنوامیہ کی مروانی شاخ کی مدت حکومت تقریباً اٹھاون سال----- کُل مدت تقریباً = اکیاسی سال

مروانیوں نے حضرت زید بن علی زین العابدینؑ اور جناب یحییٰ بن زید کو شہید کر کے اور ان کی لاشوں کے ساتھ ناعاقبت اندیشانہ اعمال کا ارتکاب کر کے اپنی قبریں آپ کھود لی تھیں۔ ضرورت صرف اس امر کی باقی رہ گئی تھی کہ کوئی ہمت کر کے انھیں ان کی بنائی ہوئی قبروں میں ڈھکیل دے اور اس کام کو عباسیوں کے داعی ابومسلم خراسانی نے انجام دیا۔

جس طرح واقعہ کربلا کے بعد سفیانی حکومت کا خاتمہ ہوا بالکل اسی طرح حضرت زید شہیدؒ اور ان کے فرزند یحییٰ بن زید شہیدؒ کی شہادت کے بعد مروانی حکومت دم توڑ گئی۔ بنی ہاشم کے ساتھ حکمرانوں کے اس ظلم و استبداد کے نتیجے میں مملکت کے ہر گوشہ سے مسلمان بنی امیہ کے خلاف اور بنی ہاشم کی حمایت پر کمربستہ ہو گئے تھے۔ لیکن آئمہ اہلبیتؑ دنیا کے حصول سے کنارہ کش اور دین کی سربلندی میں مصروف تھے۔ ان کا یہ عمل سیاسی دانشمندی کا ثبوت تھا کیونکہ لوگوں

میں بے دینی اتنی سرعت کر گئی تھی کہ گرچہ فوری جوش کے تحت وہ سب کچھ وعدے کر لیتے تھے لیکن جس طرف دنیا کی جھلک دیکھتے اس طرف چل پڑتے تھے۔ جس کی تائید حضرت امام حسینؑ اور حضرت زید شہیدؒ کے واقعات سے ہوتی ہے۔ ان لوگوں سے وہی شخص کام لے سکتا تھا جو فطرتاً انہی کی طرح مکر و کذب اور ظلم و جبر کی آمیزش رکھتا ہو۔ جبکہ آئمہ اہلبیت کی فطرت ایسے افعال سے بہت ارفع و اعلیٰ تھی۔ لہٰذا وہ گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

حضرت امام حسینؑ کی شہادت سے جو محبت لوگوں کے دلوں میں بنی فاطمہ سے اور جو ہمدردی بنی ہاشم سے ہو گئی تھی اس کا فائدہ بدرجہ اتم بنی عباس نے اٹھایا۔ انہوں نے سرگرمیوں کا محور اس قول کو بنایا کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ سب بنی فاطمہ کیلئے ہے۔ یہانتک کہ جب مروانی حکومت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا تو تمام بنی ہاشم (جن میں بنی عباس بھی شامل تھے۔ کیونکہ اس وقت بنی عباس کی اصطلاح رائج نہیں ہوئی تھی) نے مدینہ میں ایک جلسہ کیا اور سب نے بالاتفاق جناب محمد نفس ذکیہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی ان بیعت کرنے والوں میں ابوجعفر منصور بھی شامل تھا جو بعد میں بنوعباس کا دوسرا خلیفہ بنا۔ اس جلسہ کی تفصیل ہم اس کتاب کی جلد دوئم میں تحریر کر آئے ہیں۔ بہرحال بنوعباس نے اس فریب کو اس خوش اسلوبی سے نبھایا کہ آخری وقت تک جب ابوسلمہ نے خلیفہ کا اعلان کرنے کیلئے لوگوں کو مسجد میں بلایا تو سب یہی سمجھ رہے تھے کہ ہونے والا خلیفہ بنی فاطمہ میں سے کوئی ہوگا۔ لیکن جب اعلان ہوا تو وہ ابوالعباس عبداللہ تھا جو بعد میں السفاح مشہور ہوا۔ جسٹس امیر علی کا بیان ہے کہ:

> "Thus rose the Abbassides to power on the popularity of the children of Fatima, Whome they repaid affterwards in such different coin."
>
> (History of the Saracens P.179)

یعنی: بنوعباس کی حکومت بنوفاطمہ کی ہردلعزیزی کے اوپر قائم ہوئی جس کا بدلہ انہوں نے بنوفاطمہ کو ایک مختلف ہی سکّہ میں ادا کیا۔

زوال کے اسباب: مورخین نے بنوامیہ کی سفیانی اور مروانی حکومتوں کے زوال کے متعدد اسباب بیان کئے ہیں لیکن سب سے اہم اور بنیادی سبب کربلا کا دلخراش واقعہ ہے جس کا اظہار بعض مورخین نے دبی زبان سے اور بعض نے واشگاف الفاظ میں کیا ہے۔ ابن خلکان نے کلبی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''انہوں نے کہا کہ ہوش ہوتے ہی میں نے لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ بنی امیہ نے کربلا کے روز دین کی قربانی کردی''[1] حضرت امام حسینؑ اور آپ کے رفقاء کی شہادتیں، اہلبیت رسول کی اسیری اور شہدائے کربلا کے سروں کی تشہیر یہ ایسے افعال قبیحہ تھے جو مسلمانوں کے غیض و غضب کا باعث بنے۔ یزید اور یزیدیوں کا گمان تھا کہ وہ امام حسینؑ کو شہید کر کے اپنے اقتدار کو مضبوط و مستحکم کر لیں گے لیکن جلد ہی انہیں اپنی فاسد خیالی کا اندازہ ہو گیا جب عرب و عجم ہر طرف سے یزید اور یزیدوں کے خلاف نفرت و بیزاری کا اظہار اور خونِ حسینؑ کے انتقام کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ اہلِ مدینہ نے عملی اقدام کی ابتداء کرتے ہوئے سفیانی گورنر عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو مدینہ سے نکال دیا اور عبداللہ بن حنظلہ کو اپنا سردار بنا کر یزید کو حکومت سے معزول کر دیا۔[2] حقیقت یہ ہے کہ مدینۃ الرسول میں قتل و غارتگری اور کعبۃ اللہ پر آتش بارانی اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ شہادتِ حسینؑ کے واقعہ نے یزید اور یزیدیوں کے دل و دماغ کو ماؤف و مختل کر دیا تھا۔ تاراجی مدینہ کے بعد احراق خانۂ کعبہ کا سلسلہ جاری تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یزید کو واصل جہنم کیا۔ اس کے بعد معاویہ بن یزید کو حکمران بنایا گیا۔ یہ واقعہ کربلا ہی کا اثر تھا کہ معاویہ بن یزید نے اپنے باپ اور دادا کی جفا کاریوں کا اعلان کر کے خود کو حکومت سے لاتعلق کر لیا۔ جس کے بعد سفیانی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ لہٰذا بنی امیہ کی سفیانی حکومت کے زوال و فنا کا سب سے اہم اور بنیادی سبب واقعہ کربلا تھا۔

---

[1] وفیات الاعیان ص: ۳۶۵ ج: ۲ [2] تاریخ کامل ص: ۴۹ ج: ۴ صواعق محرقہ ص: ۱۳۲، الفخری ص: ۸۶

اس کے بعد تقریباً نو دس سال تک مملکت اسلامیہ افراتفری کا شکار رہی انتقامِ خون حسینؑ کا سلسلہ جاری رہا۔ مختار ثقفی کی قیادت میں لوگ قاتلانِ شہدائے کربلا کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کرتے رہے۔ ۶۷ھ میں مصعب بن زبیر نے مختار کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد ۷۳ھ میں حجاج بن یوسف ثقفی نے عبداللہ بن زبیر کو مکہ میں قتل کر دیا۔ جس کے بعد بنی امیہ کی دوسری شاخ آلِ مروان کی حکومت قائم ہوئی۔

مروانی حکومت بھی اپنے پیش رو سفیانیوں سے کچھ مختلف نہ تھی۔ بنوہاشم سے بغض و عناد اُن کی شریانوں میں رواں تھا۔ سفیانی حکومت کے تمام جراثیم مروانیوں کی حکومت میں بھی پائے جاتے تھے۔ حضرت علیؑ پر سب و شتم کا سلسلہ جاری تھا۔ بنی ہاشم کی تذلیل و تحقیر پہلے سے زیادہ ہو رہی تھی۔ اہل بیت سے محبت کرنے والوں اور بنی ہاشم کے حامیوں کو باوجود استحقاق وظائف سے محروم کیا جا رہا تھا۔ مروانیوں کی عداوت کا یہ حال تھا کہ وہ بنی ہاشم کی کسی سے کوئی تعریف بھی نہیں سن سکتے تھے۔ جس کی ایک مثال فرزدق کا وہ قصیدہ ہے جو خلوص و محبت کے ایسے پاکیزہ جذبات سے پُر ہے کہ ارباب ذوق پڑھتے ہیں اور وجد کرتے ہیں۔ حالانکہ اس قصیدے میں امویوں کی نہ تو کوئی برائی کی گئی تھی اور نہ ہی کوئی طنز تھا بلکہ شاعرانہ لطافتوں کے پیرائے میں اہلبیتؑ سے عقیدت و ارادت کا اظہار کیا گیا تھا۔ پھر بھی ولیعہد شہزادہ ہشام بنی ہاشم کی مدح کو برداشت نہ کر سکا اس نے فرزدق کو قید کر دیا اور بیت المال سے اس کا وظیفہ بند کر دیا۔

یہی ہشام جب ولیعہد سے بادشاہ بنا تو بنی ہاشم کو ذلیل و رسوا کرنے پر کمربستہ ہوا۔ اسی نے حضرت زید شہیدؒ کی تحقیر و تذلیل کر کے انہیں جنگ کرنے پر آمادہ کیا اور پھر قتل کر کے ان کی سربریدہ لاش کو کوفہ میں سولی پر لٹکایا۔ اسی کے زمانۂ حکومت میں حضرت یحییٰ بن زید شہید ایک مقام سے دوسرے مقام سرگرداں پھرتے رہے۔ جنہیں ہشام کے جانشین ولید بن یزید نے قتل کرایا اور

ان کا سر قلم کر کے ان کی لاش کو جوز جان میں سولی پر لٹکایا۔ اس طرح واقعہ کربلا کے بعد مروانیوں نے کوفہ سے خراسان تک ایک تماشہ برپا کیا ہوا تھا جسے دیکھ کر ہر کس وناکس حکمران طبقہ سے نفرت اور بنی ہاشم سے الفت کرنے لگا تھا۔

تحریک بنی ہاشم: حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کی خواہش تھی کہ حضرت علی زین العابدینؑ کو اپنا سیاسی رہنما بنائیں لیکن آپ نے قطعی انکار کر دیا۔ مختار ثقفی جو قاتلانِ حسین کو ٹھکانے لگانے پر آمادہ تھا اسے خاندان بنی ہاشم کے کسی ایسے بزرگ کی تلاش تھی جو اس کی سرپرستی کریں۔ حضرت امام زین العابدینؑ کے انکار کے بعد ۶۶ھ میں اس نے جناب محمد حنیفہ بن علیؑ بن ابیطالب کو اپنا سرپرست بنایا اور ان کے نام سے بنی ہاشم کی دعوت دینی شروع کر دی۔ اس طرح تحریک بنی ہاشم کا آغاز ہوا۔ محمد حنیفہ کے بعد تحریک کے حامیوں نے ان کے بیٹے ابو ہاشم عبداللہ کو محمد حنیفہ کا جانشین مقرر کیا اور انہیں تحریک کا سربراہ بنالیا۔ ۹۸ھ میں مروانی حکمران سلیمان بن عبدالملک کو ان سے خطرہ پیدا ہوا تو اس نے سازش کے تحت ابو ہاشم عبداللہ کو بڑے عقیدتمندانہ انداز میں اپنے ہاں مدعو کیا جب وہ وہاں پہنچے تو نہایت احترام سے ان کا استقبال کیا اور محبت والفت کا اظہار کیا۔ واپسی پر جب ابو ہاشم عبداللہ حمیمہ پہنچے تو انہیں زہر دلوا دیا۔ جس کے اثر سے حمیمہ ہی میں انکا انتقال ہو گیا۔ اس وقت ان کے پاس اولادِ علیؑ میں سے کوئی فرد موجود نہ تھا صرف عباس بن عبدالمطلب کی اولاد میں سے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس ان کے ہمراہ تھے لہٰذا ابو ہاشم عبداللہ نے تحریک بنی ہاشم سے متعلق تمام تفصیل انہیں بتائی اور اپنا جانشین مقرر کیا۔ چونکہ اس وقت تک بنی عباس کی اصطلاح رائج نہیں ہوئی تھی بنی عباس بھی بنی ہاشم ہی کہلاتے تھے۔ لہٰذا یہ تحریک جاری رہی۔ محمد بن علی نے بڑی کوشش اور دور اندیشی سے اس تحریک کو آگے بڑھایا۔ انہوں نے اپنے مشیروں اور مددگاروں کو تاکید و ہدایت کی کہ وہ صرف اہلبیتؑ کی امامت کی تبلیغ کریں انہوں نے کوفہ و خراساں کو

تحریک کے مرکز بنائے جہاں اہلبیتؑ کے ہمدرد و مددگار کثرت سے تھے جسکے باعث اس تحریک کو سازگار ماحول میسر آیا۔ محمد بن علی نے تحریک کا دائرہ وسیع کرنے کی غرض سے مختلف مقامات پر داعیوں اور نقیبوں کو روانہ کیا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ انتہائی خاموشی سے اہلبیتؑ کی دعوت دیں۔ یہ داعی تاجروں اور حاجیوں کی شکل میں تبلیغ کرتے تھے۔ جن کی تعداد ستر تھی ان میں بارہ نقیب تھے۔

عباسی تحریک: ہشام بن عبدالملک کے دورِ حکومت میں ۱۲۲ھ میں حضرت زید شہیدؒ کی شہادت کے باعث امویوں کے خلاف نفرت کا ایک سیلاب امنڈ آیا جس نے اس تحریک کو مزید تقویت دی اور ہر فرد اہلبیت پر ہونے والے مظالم کا بدلہ لینے کا خواہاں تھا۔ یہ تحریک جاری تھی کہ ۱۲۵ھ میں محمد بن علی کا انتقال ہو گیا جس کے بعد ان کا بیٹا ابراہیم اس تحریک کا سربراہ بنا۔ خوش قسمتی سے انہیں ابو مسلم جیسا وفادار، غیر معمولی سیاستداں اور انتہائی بیدار مغز کارکن میسر آ گیا۔ جس نے اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کیا اس نے تحریک کو فوجی انداز میں منظم کر کے پورے خراسان میں پھیلا دیا۔ ابو مسلم کی تحریک میں شمولیت کے بعد ۱۲۷ھ سے اس تحریک میں تبدیلی کے آثار پیدا ہوئے۔ گو کہ بظاہر تو یہ تحریک حمایت اہلبیت ہی کے نام پر جاری رہی لیکن اندرونی طور پر عباسیوں نے اس کا رخ اپنی طرف موڑ لیا۔ عام طور سے مورخین اس پوری تحریک کو عباسی تحریک کا نام دیتے حالانکہ ابو جعفر منصور کے زمانہ تک عباسی بھی اپنے آپ کو بنی ہاشم ہی کہتے تھے۔ اقتدار حاصل ہونے کے بعد سب سے پہلے بنو عباس کی اصطلاح ابو جعفر منصور نے ایجاد کی۔ بہرحال بعد میں رونما ہونے والے واقعات کے پیش نظر یہ تحریک عباسی تحریک بن گئی۔

الغرض یہ تحریک پوری قوت سے آگے بڑھتی رہی۔ ابراہیم بن محمد نے ۱۳۰ھ میں قحطبہ بن سبیب کو ابو مسلم کے پاس بھیجا جسے ابو مسلم نے اپنی تمام فوج کا سردار بنا دیا۔ ابو مسلم کی ہدایت پر قحطبہ نے سمرقند، طخارستان، طبسین پر اپنے عمال

مقرر کئے۔ طوس، سوذقان، نیشاپور، جرجان، رے، اصفہان، نہاوند وغیرہ ۱۳۱ھ تک قبضے میں لے لئے اور مخالفین کے ہزاروں افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد قحطبہ نے کوفہ کا رخ کیا۔ ادھر مروان بن محمد نے یزید بن عمر بن ہبیرہ والی عراق کو اس کے مقابلہ کا حکم دیا۔ لہٰذا دریائے فرات کے کنارے کربلا کے میدان میں دونوں فوجوں کے درمیان مقابلہ ہوا۔ مروانیوں کو شکست ہوئی مگر قحطبہ مارا گیا۔ اس کے بیٹے حسن بن قحطبہ نے فوج کی کمان سنبھال لی اور کوفہ پر قبضہ کر لیا۔

ادھر محمد بن ابراہیم کا ایک خط جو اس نے ابو مسلم کو لکھا تھا مروان کے ہاتھ لگ گیا۔ جس کو بنیاد بنا کر مروان نے ابراہیم کو گرفتار کر لیا۔ گرفتاری کے بعد ابراہیم نے اپنے بھائی ابو العباس عبداللہ کو اپنا ولیعہد بنایا۔ مروان نے ابراہیم کو اسی قید کے دوران بہت بری طرح قتل کرایا۔ اس نے ایک بوری میں چونا بھروایا اور اس کے اندر ابراہیم کا سر ٹھونس دیا۔ ابراہیم کی موت کے وقت ابو العباس حمیمہ میں تھا۔ ابو مسلم نے حمیمہ جا کر ابو العباس کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسے کوفہ جانے کا مشورہ دیا۔ لہٰذا وہ کوفہ چلا گیا جہاں ربیع الاوّل ۱۳۲ھ میں اس کی بیعت ہوئی۔

عراق کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد مروان بن محمد نے اپنی پوری قوت کو جمع کیا اور شام، موصل اور جزیرہ کی تمام باقاعدہ فوج اور آلِ سفیان و آلِ مروان یعنی تمام بنی امیہ کو لیکر موصل اور اربل کے درمیان زاب کے مقام پر پہنچا اور دریائے زاب اعلیٰ کے کنارے مورچے لگائے۔ اس کے مقابلہ کیلئے عبداللہ بن علی عباسی لشکر کے ساتھ آیا۔ زبردست جنگ ہوئی گھمسان کا رن پڑا۔ بنی امیہ کی مشترکہ قوت کو اس بری طرح شکست ہوئی کہ وہ انتہائی بدحواسی اور بے ترتیبی کے عالم میں بھاگے ان کی کثیر تعداد دریائے زاب میں ڈوب گئی۔ صرف اموی خاندان کے تین سو افراد دریا میں غرق ہو گئے۔ مروان بن محمد جان

بچا کر بھاگا عبداللہ نے تعاقب کیا پہلے وہ شام گیا وہاں اسے کوئی مدد نہ ملی تو مصر کی طرف بھاگا بالآخر موضع بوصیر میں اسے گھیر کر قتل کر دیا یہ واقعہ ذی الحجہ ۱۳۲ھ کا ہے۔ اس طرح مروانی حکومت کا آخری تاجدار مروان بن محمد پردیس میں اپنے آباء واجداد کے گناہوں کی گود میں ہمیشہ کیلئے سو گیا۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح سفیانی حکومت اس کے بانی حکومت کے ہم نام پوتے یعنی معاویہ بن یزید بن معاویہ پر ختم ہوئی بالکل اس طرح مروانی حکومت بھی اپنے بانی حکومت کے ہم نام پوتے یعنی مروان بن محمد بن مروان پر ختم ہو گئی۔

اقتدار کی منتقلی: جب اموی اقتدار مائل بہ زوال تھا اس وقت عباس بن عبدالمطلب کی اولاد نے نہایت ہوشیاری و چالاکی سے بنی ہاشم کی تحریک کو 'ہائی جیک' کر لیا۔ بظاہر وہ آلِ محمد کی دعوت کا نعرہ لگاتے اور انہیں کے حق کی تبلیغ کا دعویٰ کرتے رہے لیکن اندرونی طور پر وہ اپنی جڑیں مضبوط کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ ابو سلمہ جعفر بن سلیمان کوفی کو وزیر آلِ محمد مشہور کیا جبکہ امام جعفر صادقؑ نے اسے کوئی اجازت نہیں دی تھی یعنی یہ گماشتہ کے طور پر تبلیغ کرتے تھے۔ ابراہیم بن محمد کے قتل کے بعد ابو سلمہ نے امام جعفر صادق اور ابو محمد عبداللہ بن حسن کو علیحدہ علیحدہ خط میں لکھا کہ "آپ یہاں آ جائیں تا کہ آپ کی بیعت کی جائے"۔ جب قاصد یہ خط لے کر امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں پہنچا اور جواب کی درخواست کی تو آپ نے خط کو پڑھے بغیر اسے چراغ کی لو میں نذر آتش کر دیا اور قاصد سے فرمایا "ابو سلمہ سے کہنا تمہارے خط کا یہی جواب ہے"۔ ادھر قاصد ابھی مدینہ بھی نہیں پہنچا تھا کہ ۳ ربیع الاول ۱۳۲ھ کو ابو العباس عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کی کوفہ میں بیعت خلافت کر لی گئی۔ اس طرح اقتدار بنی امیہ سے بنی عباس کو منتقل ہو گیا۔

اب تک تو بنو ہاشم اور اولادِ علیؑ پر غیروں کے ظلم واستبداد کو تحریر کرتے کرتے ہماری انگلیاں خونچکاں ہو رہی تھیں لیکن اب اپنوں کے ظالمانہ سلوک کا

ذکر ہوگا جو غیروں سے کہیں زیادہ بیدردانہ اور تکلیف دہ تھا۔ ابوالعباس سفاح کی حکمرانی کا زمانہ تو اولادِ علیؑ پر ظلم کرنے کی منصوبہ بندی میں گزرا مگر ابوجعفر منصور کے زمانۂ حکومت میں ان منصوبوں پر بھرپور عمل کیا گیا۔ منصور کی بابت مورخین کی رائے ہے کہ وہ مدبّر و منتظم مگر دغاباز، بے رحم، شکی اور سفاک تھا چونکہ بہت زیادہ کنجوس تھا اس لئے دوانیقی مشہور ہوا۔ اسے جس پر بھی ذرا سا شک ہوتا کہ وہ اس کی ذات یا اس کے خاندان کیلئے مضر ثابت ہوگا اسے وہ ہرگز زندہ نہ چھوڑتا تھا۔ منصور نے اولادِ علیؑ پر خصوصاً اولادِ امام حسنؑ پر جو مظالم کئے ان سے عباسی تاریخ کے صفحات سب سے زیادہ سیاہ ہوئے۔ جناب محمد نفس ذکیہ، ان کے بھائی ابراہیم اور دیگر اولادِ امام حسنؑ کے ساتھ اس نے جو کچھ کیا وہ ہم اس کتاب "تاریخ بنی ہاشم" کی جلد دوئم میں تحریر کر آئے ہیں ملاحظہ کیجئے۔

فضائلِ امامؑ

اس عظیم الشان تحریک کا مقصد کیا تھا اور کس لئے یہ تحریک جاری تھی ہر ایک کا یہی کہنا تھا کہ یہ تحریک اہلبیتؑ پر جو ظلم ہوئے ہیں ان کا بدلہ لینے کیلئے ہے اور ان کے ہی حق میں ہے۔ ان گومگو الفاظ نے تمام مسلمانوں کو حتیٰ کہ بنی ہاشم کو بھی دھوکے میں ڈال دیا تھا اگر ان تمام مسلمانوں میں کوئی دھوکے میں نہیں آیا تو وہ حضرت امام جعفرِ صادقؑ اور ان کے چند مصاحبین تھے۔

فضائل ومناقب : یہ امر حقیقت ہے کہ جملہ ائمہ اہلبیتؑ کے فضائل ومناقب یکساں ہیں ہر ایک کی صفت وخصلت اور شرائط امامت آپس میں مساوی ویکساں تھے فرق صرف اتنا تھا کہ ان صفات کا اظہار ضروریات زمانہ پر منحصر ہوتا تھا چونکہ زمانہ اور ضروریات مختلف تھے لہٰذا ہر ایک امام کی صفت کے اظہار کی نوعیت بھی مختلف تھی۔ مثلاً شجاعت ہی کو لے لیجئے شجاعت کی تین شرائط ہیں۔ (۱) موت سے نہ ڈرنا۔ (۲) جس امر کیلئے لڑ رہے ہیں اس کی صداقت و حقانیت کا یقین کامل ہونا۔ (۳) خدا کے حکم سے خدا کی سے راہ میں لڑنے کا اعتقاد کامل ہونا۔ ایک شجاع کو جہاد میں جانے کیلئے ان تینوں شرائط پر پورا اترنا ضروری ہے۔ اس کے بعد اگر وہ لڑتے لڑتے شہید ہوجائے تو خوشنودی خدا حاصل ہوگی اور اگر کوئی جہاد سے فرار ہو تو عذاب الٰہی کا مستوجب ہوگا۔

اب اگر ہم ائمہ معصومین کی سوانح حیات پر غور کریں تو ہر ایک امام معصوم میں یہ تینوں شرائط شجاعت بدرجہ اتم موجود تھیں۔ امام اول حضرت علیؑ کی شجاعت اظہر من الشمس، بدر، احد، خیبر، خندق غرض تمام غزوات میں ظاہر۔ امام

دوئمؑ کی شجاعت صلح حسنؑ کی شکل میں یادگار۔ امام سوم کی شجاعت کا کربلا کا میدان شاہد۔ امام چہارم کی شجاعت کے دربار یزید میں موجود لوگ گواہ۔ امام پنجم کی شجاعت تشدد شاہی کے باوجود دین حق کی تبلیغ وتدریس سے ظاہر اور امام ششم کی شجاعت جانی دشمن حاکم وقت کے سوال پر کہ خدا نے مکھی کو کیوں پیدا کیا؟ یہ خدا پر اعتراض تھا لہٰذا امام کا بے دھڑک جواب دینا کہ مکھیوں کو خدا نے جبابرہ کو ذلیل و حقیر کرنے کیلئے پیدا کیا ہے۔ الغرض جملہ ائمہ اہلبیت کے فضائل ومناقب یکساں تھے زمانہ اور وقت کے مطابق جس صفت کی ضرورت ہوئی وہی بروئے کار لائی گئی۔

ابونعیم اصفہانی نے جناب جعفر صادقؑ کی صفات کی بابت تحریر کیا ہے۔

"امام الناطق ذو الذمام السابق ابو عبدالله جعفر بن محمد الصادق اقبل علی العبادت و الخضوع و آثر العزلة و الخشوع نهی عن الرياسة و الجموع"

(الجلد ص ۱۹۲ ج ۳ بحوالہ نور المشرقین من حیات الصادقین)

یعنی امام جعفر صادقؑ، سوالقات کے رکھنے والے، عبادت وخضوع میں ہر وقت مشغول رہتے تھے، عزلت وخشوع کو پسند کرتے تھے، ریاست اور کروفر سے نفرت تھی۔

"ابونعیم نے حلیہ میں ذکر کیا ہے کہ عمرو بن مقداد سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ میں جب حضرت جعفر بن محمد کی طرف دیکھتا تھا تو مجھے یقین ہوجاتا تھا کہ آپ اولاد انبیاء میں سے ہیں"۔[1]

ابوبصیر (جن کا شمار امام کے عظیم اصحاب میں ہوتا ہے) کا بیان ہے کہ امامؑ کی شہادت کے بعد آپ کی زوجہ محترمہ امِ حمیدہ کو تعزیت پیش کرنے امام علیہ السلام کے گھر گیا۔ امام کے سوگ میں ہم دونوں شدت سے روئے۔ اس وقت انہوں نے مجھ سے فرمایا۔ اے ابوبصیر! اگر امام کی شہادت کے وقت ہوتے تو

[1] تذکرۃ الخواص ص: ۳۰۶، ارجح المطالب ص: ۴۵۳

تعجب کرتے کیونکہ امام نے اپنی آنکھوں کو کھولا اور فرمایا۔ میرے اعزاء واقارب کو میرے پاس بلاؤ۔ جب سب جمع ہوگئے تو امام نے سب کو ایک نظر دیکھا اور فرمایا ان شفاعتنا لا تنال مستخفا بالصلوة ہم ائمہ کی شفاعت اس شخص کے شامل نہیں ہوگی جو نماز کو سبک (ہلکا) سمجھے گا۔[1]

درس وتدریس: امویوں اور عباسیوں کے اقتدار کی کشمکش کے زمانہ اور ابوالعباس کا ساڑھے چار سالہ دورِ حکومت میں حضرت امام جعفر صادقؑ کو قدرے سکون میسر آیا گو کہ یہ پورا دور بھی بنو ہاشم خصوصاً امام جعفر صادقؑ کیلئے خوف سے خالی نہ تھا۔ اس زمانہ میں جناب صادق آلِ محمدؐ نے درس وتدریس پر خصوصی توجہ فرمائی۔ بقول ابنِ حجر عسقلانی امام جعفر صادقؑ سے لوگوں نے بہت علوم نقل کئے جن کا ذکر وغلغلہ تمام شہروں میں پھیل گیا۔[2] امام کی خدمت میں نہ صرف حجاز سے بلکہ عراق، شام، خراسان، کابل، سندھ، ہند اور بلاد روم وفرنگ سے بھی طالبان علم آتے اور مستفید ہوتے تھے۔ آپ کے حلقۂ درس میں چار ہزار اصحاب تھے بقول شیخ مفید علیہ رحمہ ان میں سے چار سو اصحاب مؤلفین کتب اصول تھے۔

تالیفات امامؑ: جناب امام جعفر صادقؑ نے علم کو قلمبند کرنے کی بہت تاکید فرمائی اور آپ نے خود بھی بہت سی کتابیں املا کرائی ہیں۔ اعیان الشیعہ میں آپ کی تالیفات کی فہرست درج ہے۔ ان میں سے چند تالیفات یہ ہیں۔

۱۔ رسالہ عبداللہ ابنِ النجاشی: یہ رسالہ آپ نے نجاشی حاکم اہواز کو لکھا۔

۲۔ رسالہ مروی عن الاعمش: اس میں شرائع دین اور احکام متفرقہ پر بحث کی گئی۔

۳۔ توحید مفضل: یہ طویل رسالہ جو سائنس کے مختلف علوم پر مشتمل ہے۔ مصر و استنبول سے شائع ہوا۔ فارسی میں ملا محمد صالح فزدینی نے ترجمہ کیا اور اردو ترجمہ مولوی سید محمد ہارون زنگی پوری نے توحید الائمہ کے نام سے کیا۔

[1] امالی صدوق ص: ۲۹۰، وسائل شیعہ ص: ۱۷، ج: ۳ [2] صواعق محرقہ ص: ۱۲۰

۴۔ کتاب اہلیلجیہ: اس طویل خط میں آپ نے محض اہلیلج (ہڑ) اور اس کی بنا پر بحث کر کے خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت دیا جو زندیق کے اقوال کی تردید میں فرمائی۔

۵۔ کتاب مصباح الشریعت و مفتاح الحقیقت: اس کتاب کی زبان اور مضمون پر علامہ مجلسی اور ریاض العلماء نے شک ظاہر کیا ہے جبکہ ابن طاؤس، کفعمی، قزوینی، شہید ثانی اور محسن القاشانی کہتے ہیں کہ بلاشبہ یہ کتاب تالیف امام ہے۔

۶۔ رسالۃ الی اصحاب: یہ رسالہ آپ نے اپنے اصحاب کو لکھ کر بھیجا۔

۷۔ رسالۃ الی اصحاب الرائی والقیاس: یہ رسالہ امور دین میں قیاس کرنے والوں کی تنبیہ کیلئے لکھا ہے۔

۸۔ رسالہ بیان غنائم، وجوب خمس میں: یہ 'تحف العقول' میں نقل کیا گیا ہے۔

۹۔ وصیۃ لعبداللہ بن جندب:

۱۰۔ وصیۃ لابی جعفر محمد بن النعمان الاحوال:

۱۱۔ نثرالدرر:

۱۲۔ کلام در بیان محبت اہلبیت: توحید، ایمان، اسلام، کفر و فسق

۱۳۔ وجوہ معائش العباد و وجوہ اخراج الاموال:

۱۴۔ رسالہ فی احتجاج علی الصوفیہ: ان صوفیوں کا رد ہے جو لوگوں کو طلب رزق سے منع کرتے ہیں۔

۱۵۔ کلام در خلق و ترکیب انسانی:

۱۶۔ مختصر اقوال حکمت و آداد:

ان کے علاوہ کچھ نسخے اور کتب رسائل تھے۔

ارشادات: حضرت امام جعفر صادقؑ کے ارشادات میں سے چند ارشادات جو انسان کی بہتری کیلئے مشعلِ راہ ہیں ذیل میں نقل ہیں۔ علامہ شبلنجی تحریر کرتے ہیں:

☆ سعید وہ ہے جو تنہائی میں اپنے لوگوں سے بے نیاز اور خدا کی طرف جھکا ہوا پائے۔

☆ جو شخص کسی برادر مومن کا دل خوش کرتا ہے خداوند عالم اس کیلئے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو اس کی طرف سے عبادت کرتا ہے اور قبر میں مونس تنہائی، قیامت میں ثابت قدمی، منزل شفاعت میں حصصی اور جنت میں پہنچانے میں رہبر ہوگا۔

☆ نیکی کا کمال یہ ہے کہ اس میں جلدی کرو، اسے کم سمجھو اور اسے چھپا کر کرو۔

☆ عمل خیر نیک نیتی سے کرنے کو سعادت کہتے ہیں۔

☆ توبہ میں تاخیر نفس کا دھوکہ ہے۔

☆ چار چیزیں ایسی ہیں جن کی قلت کو کثرت سے سمجھنا چاہیے:
(۱) آگ (۲) دشمنی (۳) فقیری (۴) مرض

☆ کسی کے ساتھ بیس دن گزارنا عزیز داری کے مترادف ہے۔

☆ شیطان کے غلبہ سے بچنے کیلئے لوگوں پر احسان کرو۔

☆ لڑکی رحمت (نیکی) اور لڑکا نعمت ہے۔ خدا ہر نیکی پر ثواب دیتا ہے اور ہر نعمت پر سوال کرے گا۔

☆ جو تمہیں عزت کی نگاہ سے دیکھے تم بھی اس کی عزت کرو اور جو ذلیل سمجھے اس سے خودداری برتو۔

☆ بخشش کو روکنا خدا سے بدظنی ہے۔

☆ دنیا میں لوگ باپ دادا کے ذریعہ متعارف ہوتے ہیں اور آخرت میں اعمال کے ذریعہ پہچانے جائیں گے۔

☆ انسان کے بال بچے اس کے اسیر ہیں نعمت میں وسعت پر انہیں وسعت دینی چاہیے ورنہ زوال نعمت کا اندیشہ ہے۔

☆ جن چیزوں سے عزت بڑھتی ہے ان میں سے تین یہ ہیں: (۱) ظالم سے

بدلہ نہ لے (۲) اس پر کرم گستری کرے جو مخالف ہو (۳) جو اس کا ہمدرد نہ ہو اس کے ساتھ ہمدردی کرے۔

☆ مومن وہ ہے جو غصہ میں جادۂ حق سے نہ ہٹے اور خوشی میں باطل کی پیروی نہ کرے۔

☆ جو خدا کی دی ہوئی نعمت پر قناعت کرے گا مستغنی رہے گا۔

☆ جو دوسروں کی دولتمندی پر للچائی نظریں ڈالے گا وہ ہمیشہ فقیر رہے گا۔

☆ جو کسی کو بے پردہ کرنے کی سعی کرے گا خود برہنہ ہو جائے گا۔

☆ جو کسی کیلئے کنواں کھودے گا خود اس میں گرے گا۔

☆ جو شخص بیوقوفوں سے راہ و رسم رکھے گا ذلیل ہوگا۔ جو علماء کی صحبت حاصل کرے گا عزت پائے گا، جو بری جگہ دیکھا جائے گا بدنام ہوگا۔[۱]

☆ جب کوئی نعمت ملے تو بہت زیادہ شکر کرو تا کہ اضافہ ہو۔ جب روزی تنگ ہو تو استغفار کرو کہ ابواب رزق کھل جائیں۔[۲]

ایک طبیب ہندی اور امام: علامہ ابن شہر آشوب نے منصور کے دربار کا ایک واقعہ نقل فرمایا ہے کہ ایک ہندی طبیب جسے اپنی قابلیت پر بڑا بھروسہ اور غرور تھا وہ کس طرح امام جعفر صادقؑ کے کمالات کا معترف ہو گیا۔ عربی عبارت کا ترجمہ جناب مولانا سید نجم الحسن کراروی صاحب سے منقول ہے۔

ایک بار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام منصور دوانقی کے دربار میں تشریف فرما تھے۔ وہاں ایک ہندی طبیب طب کی باتیں بیان کر رہا تھا اور حضرت خاموش بیٹھے سن رہے تھے جب وہ کہہ چکا تو حضرت سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ اگر کچھ پوچھنا چاہیں تو شوق سے پوچھیں آپ نے فرمایا، میں کیا پوچھوں، مجھے تجھ سے زیادہ معلوم ہے۔ (طبیب) اگر یہ بات ہے تو میں بھی کچھ سنوں (امام) جب کسی مرض کا غلبہ ہو تو اس کا علاج ضد سے کرنا چاہیے۔ یعنی

[۱] نورالابصار ص: ۱۳۴ [۲] مطالب السئول ص: ۲۷۳

حار "گرم" کا علاج بارد "سرد" سے تر کا خشک سے، خشک کا تر سے اور ہر حالت میں اپنے خدا پر بھروسہ رکھے، یاد رکھ معدہ تمام بیماریوں کا گھر ہے اور پرہیز سو دواؤں کی ایک دوا ہے۔ جس چیز کا انسان عادی ہو جاتا ہے۔ اس کے مزاج کے موافق اور اس کی صحت کا سبب بن جاتی ہے۔ (طبیب) بے شک آپ نے جو بیان فرمایا ہے اصلی طب یہی ہے (امام) یہ نہ سمجھنا کہ میں نے جو بیان کیا ہے یہ طب کی کتابیں پڑھ کر حاصل کیا ہے بلکہ یہ علوم مجھ کو خدا کی طرف سے ملے ہیں اب بتا تو زیادہ علم رکھتا ہے کہ میں (طبیب) میں (امام) اچھا میں چند سوال کرتا ہوں ان کا جواب دے۔ آنسوؤں اور رطوبتوں کی جگہ سر میں کیوں ہے؟ سر پر بال کیوں ہیں؟ پیشانی بالوں سے خالی کیوں ہے؟" پیشانی پر خط اور شکن کیوں ہیں؟ دونوں پلکیں آنکھوں کے اوپر کیوں ہیں؟ ناک دونوں آنکھوں کے درمیان کیوں ہے؟ آنکھیں بادامی شکل کی کیوں ہیں؟ ناک کا سوراخ نیچے کی طرف کیوں ہے؟ منہ پر دو ہونٹ کیوں بنائے گئے ہیں؟ سامنے کے دانت تیز اور ڈاڑھ چوڑی کیوں ہے اور ان دونوں کے بیچ میں لمبے دانت کیوں ہیں؟ دونوں ہتھیلیاں بالوں سے خالی کیوں ہیں؟ مردوں کی داڑھی کیوں ہوتی ہے؟ ناخن اور بال میں جان کیوں نہیں؟ دل صنوبری شکل کا کیوں ہے؟ پھیپھڑے کے دو ٹکڑے کیوں ہوئے اور وہ اپنی جگہ حرکت کیوں کرتا ہے؟ جگر کی شکل محدب کیوں ہے؟ گردے کی شکل لوبیے کے دانے کی طرح کیوں ہوتی ہے؟ گھٹنے آگے کو جھکتے ہیں پیچھے کیوں نہیں جھکتے؟ دونوں پاؤں کے تلوے بیچ سے خالی کیوں ہیں؟ (طبیب) میں ان باتوں کا جواب نہیں دے سکتا۔ (امام) بفضل خدا میں ان سب باتوں کا جواب جانتا ہوں (طبیب) بیان فرمایئے۔

(امام علیہ السلام) (۱) سر اگر آنسوؤں اور رطوبتوں کا مرکز نہ ہوتا تو خشکی کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ (۲) بال اس لئے سر پر ہیں کہ ان کی جڑوں سے تیل وغیرہ دماغ تک پہنچتا رہے اور بہت سے دماغی ابخر نکلتے رہیں۔

دماغ گرمی اور زیادہ سردی سے محفوظ رہے۔ (۳) پیشانی بالوں سے اس لئے خالی ہے کہ اس جگہ سے آنکھوں میں نور پہنچتا ہے۔ (۴) پیشانی میں خطوط اور شکن اس لئے ہیں کہ سر سے جو پسینہ گرے وہ آنکھوں میں نہ پڑ جائے جب شکنوں میں پسینہ جمع ہو تو انسان اسے پونچھ کر پھینک دے جس طرح زمین پر پانی جاری ہوتا ہے تو گڑھوں میں جمع ہو جاتا ہے۔ (۵) پلکیں اس لئے آنکھوں پر قرار دی گئی ہیں کہ آفتاب کی روشنی اسی قدر ان پر پڑے جتنی کی ضرورت ہے اور بوقت ضرورت بند ہو کر مردمک چشم کی حفاظت کر سکیں نیز سونے میں مدد دے سکیں، تم نے دیکھا ہوگا کہ جب انسان زیادہ روشنی میں بلندی کی طرف کسی چیز کو دیکھنا چاہتا ہے تو ہاتھ کو آنکھوں کے اوپر رکھ کر سایہ کر لیتا ہے۔ ۶) ناک کو دونوں آنکھوں کے بیچ میں اس لئے قرار دیا ہے کہ مجمع نور سے روشنی تقسیم ہو کر برابر دونوں آنکھوں کو پہنچے۔ (۷) آنکھوں کو بادامی شکل کا اس لئے بنایا ہے کہ بوقت ضرورت سلائی کے ذریعے سے دوا (سرمہ وغیرہ) اس میں آسانی سے پہنچ جائے۔ اگر آنکھ چوکور یا گول ہوتی تو سلائی کا اس میں پھیرنا مشکل ہوتا دوا اس میں بخوبی نہ پہنچ سکتی اور بیماری دفع نہ ہوتی۔ (۸) ناک کا سوراخ نیچے کو اس لئے بنایا کہ دماغی رطوبتیں آسانی سے نکل سکیں۔ اگر اوپر کو ہوتا تو یہ بات نہ ہوتی اور دماغ تک کسی چیز کی بو بھی جلدی نہ پہنچ سکتی (۹) ہونٹ اس لئے منہ پر لگائے گئے کہ جو رطوبتیں دماغ سے منہ میں آئیں وہ رکی رہیں اور کھانا بھی انسان کے اختیار میں رہے۔ جب چاہے پھینک دے اور تھوک دے۔ (۱۰) داڑھی مردوں کو اس لئے دی کہ مرد عورت میں تمیز ہو جائے۔ (۱۱) اگلے دانت اس لئے تیز ہیں کہ کسی چیز کا کاٹنا یا کھٹکنا سہل ہو۔ اور ڈاڑھ کو چوڑا اس لئے بنایا کہ غذا پیسنا اور چبانا آسان ہو۔ ان دونوں کے درمیان لمبے دانت اس لئے بنائے کہ دونوں کے استحکام کے باعث ہوں۔ جس طرح مکان کی مضبوطی کے باعث ستون (کھمبے) ہوتے ہیں۔ (۱۲) ہتھیلیوں پر بال اس لئے نہیں ہیں کہ کسی چیز کو چھونے سے

اس کی نرمی سختی گرمی اور سردی وغیرہ آسانی سے معلوم ہو جائے۔ بالوں کی صورت میں یہ بات حاصل نہ ہوتی۔ (۱۳) بال اور ناخن میں جان اس لئے نہیں کہ ان چیزوں کا بڑھنا برا معلوم ہوتا ہے اور نقصان رساں ہے۔ اگر ان میں جان ہوتی تو کاٹنے میں تکلیف ہوتی۔ (۱۴) دل صنوبری شکل یعنی سر پتلا اور دم چوڑی (نچلا حصہ) اس لئے ہے کہ بآسانی پھیپھڑے میں داخل ہو سکے اور اس کی ہوا سے ٹھنڈک پاتا رہے تاکہ اس کے بخارات دماغ کی طرف چڑھ کر بیماریاں پیدا نہ کریں۔ (۱۵) پھیپھڑے کے دو ٹکڑے اس لئے ہوتے ہیں کہ دل ان کے درمیان رہے اور وہ اس کو ہوا دیں۔ (۱۶) جگر محدب اس لئے ہوا کہ اچھی طرح معدے کے اوپر جگہ پکڑے اور اپنی گرانی و گرمی سے غذا کو ہضم کرے۔ (۱۷) گردہ لوبیے کے دانہ کی شکل کا اس لئے ہوا کہ (منی) یعنی نطفہ انسانی پشت کی جانب سے اس میں آتا ہے اور اس کے پھیلنے اور سکڑنے کی وجہ سے آہستہ آہستہ نکلتا ہے جو سبب لذت ہے۔ (۱۸) گھٹنے پیچھے کی طرف اس لئے نہیں جھکتے کہ چلنے میں آسانی ہو اگر ایسا نہ ہوتا تو آدمی چلتے وقت گر گر پڑتا۔ آگے چلنا آسان نہ ہوتا۔ ۱۹) دونوں پیروں کے تلوے بیچ میں سے اس لئے خالی ہیں کہ دونوں کناروں پر بوجھ پڑنے سے باسانی پیر اٹھ سکیں اگر ایسا نہ ہوتا اور پورے بدن کا بوجھ پیروں پر پڑتا تو سارے بدن کا بوجھ اٹھانا دشوار ہو جاتا۔

یہ جوابات سن کر ہندوستانی طبیب حیران رہ گیا اور کہنے لگا کہ آپ نے یہ علم کس سے سیکھا ہے۔ فرمایا اپنے دادا سے انہوں نے رسولِ خدا سے حاصل کیا تھا اور انہوں نے خدا سے سیکھا ہے۔ اس نے کہا: "انا اشهد ان لا اِلٰهَ اِلّا الله وان مُحمّداً رَسُول الله عَبده"۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمد اس کے رسول اور عبد خاص ہیں وانکَ اعلم اهل زمانه اور آپ زمانہ میں سب سے بڑے عالم ہیں۔ [۱]

[۱] مناقب ابن شہر آشوب ص: ۳۶ ج: ۵ طبع بمبئی بحوالہ چودہ ستارے ص: ۳۶۶

وفات: علمائے فریقین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت امام جعفر الصادقؑ نے ۱۵ شوال ۱۴۸ھ کو رحلت فرمائی بوقت رحلت آپ کی عمر ۶۵ سال تھی۔ یوم وفات دوشنبہ (اتوار) تھا اور آپ کو جنت البقیع میں آپ کے والد اور دادا کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ یہ ابو جعفر منصور (دوانقی) کا زمانۂ حکومت تھا منصور دوانقی نے آپ کو قتل کرنے کے لئے متعدد بار منصوبے بنائے لیکن کامیاب نہ ہوا بالآخر اس نے اپنے عامل مدینہ کے ذریعہ آپ کو زہر دلوادیا جس کے باعث آپ کی شہادت ہوئی۔ علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ سبط ابن جوزی، علامہ شبلنجی، علامہ ابن طلحہ شافعی وغیرہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ "مات مسموماً ایام المنصور" یعنی منصور کے عہد حکومت میں آپ کو زہر سے شہید کیا گیا۔ [۱] آپ کی نماز جنازہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے پڑھائی اور آپ کو نہایت قیمتی کفن دیا گیا۔ آپ کے مقام وفات پر ہر شب چراغ روشن کیا جاتا تھا۔ [۲]

[۱] صواعق محرقہ ص: ۱۲۱، تذکرۃ الخواص ص: ۲۱۱، نور الابصار ص: ۱۳۳، ارجح المطالب ص: ۴۵۰ [۲] جلاء العیون ص: ۲۶۹

ازواج و اولاد: بقول شیخ مفید علیہ رحمہ حضرت امام جعفر صادقؑ کی صرف ایک زوجہ فاطمہ بنتِ حسین بن علی زین العابدین تھیں بقیہ کنیزیں تھیں اور یہی قول زیادہ مشہور ہے۔ [۱] لیکن بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ فاطمہ بنتِ حسین اثرم بن حسن بن علی ابن ابیطالب تھیں۔ [۲] ان فاطمہ کے بطن سے دو بیٹے اسمٰعیل اور عبداللہ اور ایک بیٹی ام فروہ تولد ہوئے۔ جبکہ موسیٰ کاظمؑ، اسحاق اور محمد کی مادرِ گرامی حمیدہ خاتون تھیں جن کا تعلق بربر قبیلے سے تھا۔ جناب امام محمد باقرؑ نے حمیدہ خاتون کو ستر دینار میں خرید کر اپنے فرزند جعفر صادق کو دیدیا تھا۔ ان کے علاوہ عباس، علی، اسماء اور فاطمہ صغریٰ مختلف امہات الولد سے تھے۔ اس طرح جناب امام جعفر صادقؑ کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں کل دس اولاد تھیں۔ [۳] ان میں سے چھ بیٹوں اسمٰعیل، عبداللہ، موسیٰ کاظمؑ، اسحاق، محمد اور علی کو شہرت ملی۔

۱) اسمٰعیل اعرج: ان کا لقب اعرج تھا بعض نے امین بھی لکھا ہے۔ یہ نہایت ذکی و ذہین اور عابد و زاہد تھے فرزند اکبر ہونے کے باعث جناب جعفر صادقؑ ان سے والہانہ محبت فرماتے تھے۔ یہ اپنے والد کی وفات سے تقریباً بیس سال قبل مقام عریض میں جو مدینہ سے چار میل کے فاصلہ پر تھا انتقال کر گئے۔ وہاں سے ان کی میت کندھوں پر مدینہ لائی گئی۔ جناب امام جعفر صادقؑ کو ان کی وفات کا سخت صدمہ ہوا۔ آپ نے لاش کو کندھا دیا۔ راستہ میں اکثر ان کا منہ کھول کر خود بھی دیکھتے اور لوگوں کو بھی دکھاتے رہے۔ میت کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا امام پہلے خود قبر میں اترے پھر اسمٰعیل کی میت کو اتارا۔ امام نے فرمایا "جناب رسالتمآبؐ نے اسی طرح کیا تھا" روایت ہے کہ آپ ہمیشہ دو رکعت نماز اسمٰعیل کیلئے پڑھا کرتے تھے۔ آپ نے ان کے لئے لوگوں کو حج پر بھیجا۔ اسمٰعیل سے امام جعفر صادقؑ کی اس الفت و محبت کے پیش نظر دور دراز رہنے والے شیعوں نے یہ گمان کر لیا کہ اسمٰعیل جناب جعفر صادق کے مقرر کردہ جانشین تھے لہٰذا

[۱] نور المشرقین من حیات الصادقین ص: ۲۴۳، منتہی الامال ص: ۱۷۹ ج: ۲ [۲] تذکرۃ الخواص ص: ۲۱۲ [۳] منتہی الامال ص: ۱۷۹ ج: ۲

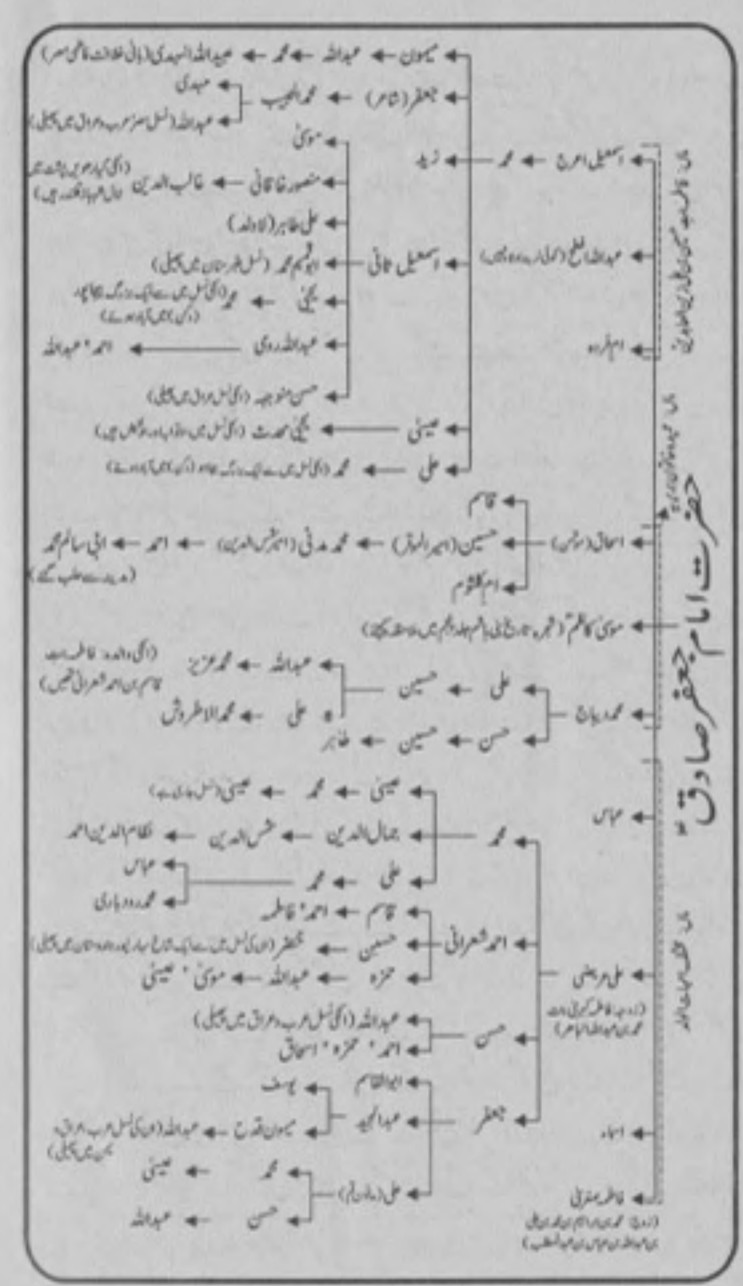

انہوں نے امام کی رحلت کے بعد جناب موسیٰ کاظمؑ کے بجائے اسمٰعیل کو امام تسلیم کیا اور اسمٰعیل کے بیٹے محمد کو امام جعفر صادقؑ کا جانشین سمجھا۔ اس طرح شیعوں کے دو فرقے ہو گئے۔ جنہوں نے جناب موسیٰ کاظمؑ کو امام تسلیم کیا وہ امامیہ کہلائے جنہوں نے اسمٰعیل کے بیٹے محمد کو امام مانا وہ اسمٰعیلیہ کہلائے۔ ان شیعہ فرقوں کی بابت ہم اس کتاب کی جلد سوئم میں تفصیل سے لکھ آئے ہیں۔

اسمٰعیل اعرج کی اولاد کی بابت جناب ظفریاب ترمذی صاحب نے تفصیل سے تحریر کیا ہے ان کے بیان کے مطابق اسمٰعیل اعرج کے دو بیٹے محمد و علی تھے۔ چونکہ وہ مقام عریض میں آباد ہوئے لہٰذا عریضی کہلائے۔ ترمذی صاحب نے محمد عریضی کے چھ فرزندان احمد، جعفر، اسمٰعیل ثانی، زید، عیسیٰ اکبر اور علی عارف لکھے ہیں اور علی عریضی کے چار فرزندان محمد، احمد شعرانی، حسن اور جعفر اصغر تحریر کئے ہیں۔ جبکہ علی عریضی امام جعفر صادق کے فرزند تھے۔ نیز ترمذی صاحب نے علی عریضی بن اسمٰعیل اعرج کے فرزندان کے جو نام تحریر فرمائے ہیں وہ وہی ہیں جو شیخ عباس قمی وغیرہ نے علی عریضی بن امام جعفر صادقؑ کے فرزندان کے نام رقم کئے ہیں۔ ویسے بھی مورخین نے اسمٰعیل اعرج کے صرف ایک بیٹے محمد کا ذکر کیا ہے۔

اس کے علاوہ ایک مقام پر ترمذی صاحب نے تاریخ سندھ مؤلفہ آزاد بلگرامی مرتبہ سندھی ادبی بورڈ کے حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ "امام زادہ سید اسمٰعیل اعرج کا پسر منصوران کا پسر غالب الدین۔۔۔" [1] موصوف نے اس سلسلے کو لال شہباز قلندر تک پہنچایا ہے۔ جبکہ دیگر کتب سے پتہ چلتا ہے کہ منصور مذکور اسمٰعیل اعرج کے فرزند نہیں بلکہ اسمٰعیل ثانی بن محمد بن اسمٰعیل اعرج کے فرزند تھے۔ بہر حال ناموں کی یکسانیت کے باعث اس قسم کی سہو کا ہونا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے اب ہم اسمٰعیل اعرج بن امام جعفر صادق کی اولاد کا ذکر کرتے ہیں۔

[1] تاریخ انوار السادات ص: ۴۴۷

۱) محمد بن اسمٰعیل اعرج: ان کے چھ بیٹے میمون، جعفر، اسمٰعیل ثانی، زید، عیسیٰ اور علی تھے ان میں ۱۔ میمون بن محمد کے بیٹے عبداللہ ان کے بیٹے محمد ان کے بیٹے عبید اللہ المہدی تھے۔ جنہوں نے خلافت فاطمین مصر کی بنیاد رکھی جو تقریباً پونے تین سو سال تک قائم رہی اور اس کے چودہ خلیفہ ہوئے۔ ان کے پیروؤں کو اسمٰعیلی کے علاوہ عبیدی بھی کہا جاتا ہے اور انہی میں سے قرمطی بھی نکلے ہیں۔
۲۔ جعفر بن محمد کے ایک فرزند محمد الحبیب اور ان کے دو پسر مہدی اور عبداللہ تھے جن کی اولاد مصر، عرب و عراق میں آباد ہوئی۔ ۳۔ اسمٰعیل ثانی بن محمد کے سات فرزندان منصور خاقانی، موسیٰ، یحییٰ، عبداللہ رومی، ابوتمیم محمد، علی طاہر اور حسن منوجہ تھے۔ ان میں منصور خاقانی کے ایک فرزند غالب الدین جو مقام رے میں آباد تھے وہاں سے مصر چلے گئے ان کے بیٹے عبدالمجید ان کے دو بیٹے منتظر باللہ اور منتخب باللہ تھے۔ منتخب باللہ کے پسر محمد مہدی ان کے پسر احمد ہادی ان کے پسر احمد شاہ ان کے پسر محمد شاہ ان کے پسر موسیٰ (ملقب بہ نور شاہ) ان کے فرزند شمش الدین ان کے فرزند کبیر الدین ان کے فرزند مخدوم پیر سید عثمان مرندی معروف بہ لال شہباز قلندر رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ ان کی تفصیل اگلے صفحات میں رقم ہے۔ عبدالمجید کے دوسرے بیٹے منتظر بالہ کی چوتھی پشت میں محمود بن محمد بن ہاشم سبزواری تھے جو ۴۴۳ھ میں ہندوستان آئے۔ جب ارسلان شاہ پنجاب پر حملہ آور ہوا تو محمود سبزواری اور ان کے پانچوں بیٹوں نے ارسلان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ محمود سبزواری جنگ میں زخمی ہو کر گھوڑے سے گرے تو ان کے پانچوں بیٹوں نے بڑی بے جگری سے جنگ کی اور شہید ہو گئے۔ قلعہ لاہور کے اندر ان پانچوں بھائیوں کے مزار پانچ پیروں کے نام سے مشہور ہیں لاہور کے بعد ارسلان شاہ کی فوج کا مقابلہ بہرام شاہ کی فوج سے مضافات ملتان میں ہوا۔ بہرام شاہ کے لشکر کا سپہ سالار سید سالار حسین بن ابراہیم بن محمود سبزواری تھے۔ بہرام شاہ کو فتح ہوئی۔ جس کے بعد سید سالار حسین نے اپنے دادا محمود سبزواری کا

مزار لاہور میں تعمیر کرایا جو پرانی انارکلی کے قریب سبز گنبد کے نام سے مشہور ہے۔ اسمٰعیل ثانی کے دوسرے بیٹے موسیٰ تھے جن کی کوئی تفصیل نہیں ملی۔ تیسرے بیٹے یحییٰ بن اسمٰعیل ثانی کی پندرھویں پشت میں محمد بن ضیاء الدین تھے جو بیجاپور (دکن) میں آباد ہوئے۔ اسمٰعیل ثانی کے چوتھے فرزند عبداللہ رومی تھے۔ جن کے دو بیٹے احمد اور عبداللہ خلجی تھے عبداللہ کی بارھویں پشت میں محمد بن خطیر الدین ہندوستان آئے اور گوالیار میں آباد ہوئے ان کا مزار شاہ محمد غوث گوالیری کے نام سے مشہور تھا۔ اور احمد بن عبداللہ رومی کے بیٹے داؤد ان کے پسر نصیر الدین ان کے پسر زین العابدین ان کے فرزند احمد کبیر ملقب بہ سخی سرور تھے۔ ان کی بابت شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے کہ:

> "حضرت داتا گنج بخش کے بعد جس بزرگ نے پنجاب میں نام پایا وہ سلطان سخی سرور تھے۔ آپ کا نام سید احمد تھا اور سلطان سخی سرور یا لکھ داتا کے لقب سے مشہور ہیں۔۔۔ آپ کو خدا نے بڑی قبولیت دی۔ خلقت کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ حصول مراد کیلئے آپ کے پاس آتے اور کوئی نامراد نہ جاتا۔ اس لئے آپ سلطان سخی سرور کے لقب سے مشہور ہوئے۔۔۔ حاکم ملتان نے اپنی بیٹی آپ سے بیاہ دی لیکن اس سے حاسدوں کی آتش حسد بھی تیز ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے یکجا ہو کر آپ کو اور آپ کے بھائی اور بیٹے اور اہلیہ محترمہ کو شہید کر دیا۔ یہ واقعہ ۵۷۷ھ کا ہے۔ مزار شاہ کوٹ کے قریب (ڈیرہ غازی خان میں) ہے"۔
> (آب کوثر ص: ۸۲)

اسمٰعیل ثانی کے پانچویں فرزند ابوتمیم محمد کی اولاد طبرستان میں آباد ہوئی۔ اور اسمٰعیل ثانی کے چھٹے فرزند علی طاہر لاولد تھے۔ اسمٰعیل ثانی کے ساتویں فرزند حسن منوجہ کی نسل سے دو قبائل ہیں ایک بنی البرار جن کی نسل حلہ (عراق) میں اور دوسرا ابنی التمام کی نسل مقام سوداآباد میں آباد ہوئی۔ ۴۔ زید بن محمد کی تفصیل نہیں ملی۔ ۵۔ عیسیٰ اکبر بن محمد کے ایک فرزند یحییٰ محدث تھے جن کی نسل سے دو قبیلے بنو توابہ اور بنو مخیض ہوئے۔ ۶۔ علی عارف بن محمد کے بیٹے محمد

کی نسل میں سے وجیہہ الدین نجندی ہندوستان آئے اور بیجاپور (دکن) میں آباد ہوئے۔

مخدوم لال شہباز قلندر: آپ کا نام عثمان اور مشہور ترین لقب لال شہباز قلندر ہے۔ آذر بائیجان (آرمینیا) کے شہر تبریز کے ایک گاؤں مرند میں آپ کی ولادت ۵۳۸ھ میں ہوئی آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔ سید عثمان بن سید کبیر الدین بن سید شمس الدین بن سید نور شاہ بن سید محمود شاہ بن سید احمد شاہ بن سید ہادی بن سید مہدی بن سید منتخب باللہ بن سید غالب الدین بن سید منصور بن اسمٰعیل ثانی بن محمد بن اسمٰعیل اعرج بن حضرت امام جعفر صادقؑ۔ [1]

جناب شیخ محمد اکرام نے آپ کی بابت تحریر کیا ہے کہ "ان کا وطن تبریز کے قریب ایک گاؤں مرند میں تھا۔ اصل نام شیخ عثمان تھا۔ تیرہ سلسلوں سے آپکا نسب امام جعفر صادقؑ تک پہنچتا ہے"۔[2] جبکہ تاریخ سندھ مولفہ آزاد بلگرامی، تاریخ انوار السادات مولفہ ظفریاب ترمذی اور تذکرہ صوفیائے سندھ مولفہ اعجاز الحق وغیرہ کے نسب ناموں میں پندرہ سلسلے بنتے ہیں۔ جو مندرجہ بالا ہیں۔

آپ شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ کے شاگرد رشید تھے ہندوستان کے تذکروں میں آپ کا ذکر جلی حروف میں کیا جاتا ہے آپ کا مزار سندھ کے شہر سیہون میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ جب آپ سن بلوغت کو پہنچے تو بابا ابراہیم کے مرید ہوئے اور ایک سال خدمت میں رہے اس کے بعد خرقۂ خلافت پاکر ہندوستان آئے۔ یہاں شیخ فرید گنج شکرؒ (متوفی ۶۶۱ھ) اور شیخ بہاء الدین ذکریاؒ (متوفی ۶۸۴ھ) کی خدمت میں رہ کر فیضیاب ہوئے۔ شیخ صدر الدین عارفؒ (متوفی ۶۶۴ھ) سے آپ کی اکثر صحبت رہتی تھی۔ جیسا کہ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے تحریر فرمایا ہے کہ:

> "مولد و منشا حضرت مخدوم مرند است بعد رسیدن بہ مرتبہ رجال بہ خدمت بابا ابراہیم کہ مرید شیخ جمال مجرد بود ارادت آورد۔ ومدت

[1] تاریخ سندھ مولفہ آزاد بلگرامی بحوالہ تاریخ انوار السادات میں ص: ۵۲۶ [2] آب کوثر ص: ۲۹۳

> یک سال در خدمت آن صاحب کمال بودہ بہ مرتبۂ تکمیل رسید و خرقہ خلافت و اجازت یافت وحصور و مجرد زیست و آخر بہ ہندوستان تشریف آوردہ خدمت شیخ فرید گنج شکر و شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا دریافت و با شیخ صدر الدین عارف صحبت باداشت و سیوستان رحل اقامت افگند"۔ (ماثر الکرام ص: ۲۷۳)

بلبن کا بیٹا خان شہید آپ کے معتقدین میں سے تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ آپ ملتان میں اقامت اختیار فرمائیں لیکن آپ رضامند نہ ہوئے۔ جیسا کہ بلگرامی صاحب نے تحریر کیا ہے کہ:

> "چوں آں حضرت بہ ملتان رسید خان شہید یعنی سلطان محمد قاآن از معرفت و اعتقاد دے کہ داشت شرائط تو ضع بجا آورد۔ وفتوح بسیار رسانید و جہد بے شمار نمود کہ آں بزرگوار در ملتان استقامت دارد۔ و خانقاہ برائے وے بنا نمود۔ آنحضرت با اقامت آنجا رضا نداد۔ روزے خان شہید حضرت شیخ صدر الدین عارف و حضرت شیخ عثمان شاہباز مرندی را در مجلس طلبید و بہ غزلہائے عربیہ سرد و ورداد ہر دو شیخ بزرگوار و جماعت دیگر از درویشان در سماع و رقص بودند خان شہید دست بستہ ایستادہ بود و زار زاری گریست"۔ (ماثر الکرام ص: ۲۷۴)

ضیاء الدین برنی کے حوالے سے شیخ محمد اکرام نے اسی بات کو ان الفاظ میں لکھا ہے:

> "خان شہید نے بڑی کوشش کی کہ آپ ملتان میں اقامت پذیر ہو جائیں اور اس مقصد کے لئے ایک خانقاہ کی تعمیر بھی شروع کی لیکن آپ نہ مانے۔ البتہ آپ گاہے گاہے خان شہید کی محفل میں جاتے تھے اور شیخ صدر الدین عارف کے ساتھ سماع و رقص میں حصہ لیتے تھے"۔ (آب کوثر ص: ۲۹۴)

تحفۃ الکرام کے مطابق جناب عثمان مرندیؒ پھرتے پھراتے حضرت بو علی قلندرؒ کی خدمت میں پہنچے انہوں نے فرمایا کہ "ہندوستان میں تین سو قلندر

ہیں۔ بہتر ہے کہ آپ سندھ میں ہی تشریف لے جائیں"۔ چنانچہ آپ سندھ میں آکر سیوستان میں مقیم ہوئے جہاں آپ کو بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ آپ کو مرشد نے شہباز کا خطاب عطا کیا۔ چونکہ آپ اکثر سرخ لباس زیب تن کرتے تھے۔ لہٰذا آپ لال شہباز مشہور ہوئے۔[1] آپ بڑے جلیل القدر عالم اور لسانیات و صرف نحو کے ماہر تھے۔ آپ کی وفات ۶۷۳ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار سیوستان (موجودہ سیہون) میں زیارت گاہ خاص و عام ہے عقیدتمندوں کی آمد کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے مگر عرس کے دنوں میں دور دراز سے آنے والوں کا اژدحام ہوتا ہے۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد حکومت میں ملک اختیار الدین والی سیوستان نے آپ کے مزار پر ایک شاندار روضہ تعمیر کرایا۔[2] آپ کے طریقے کے قلندروں کو لال شہباز یہ کہتے ہیں۔

۲) عبداللہ افطح: عبداللہ امام جعفر صادقؑ کے دوسرے فرزند تھے چونکہ ان کے پاؤں مثل فیل اور مدور تھے اس لئے ان کو افطح کہتے تھے۔ ان کے عقائد کی خرابی کے باعث امام جعفر صادقؑ کو ان سے انس نہ تھا۔ انہوں نے امام جعفر صادقؑ کے بعد امامت کا دعویٰ کیا۔ کچھ لوگ ان کے پیرو ہو گئے اور افطحیہ کہلائے۔ عبداللہ افطح کی بابت شیخ عباس قمی نے تحریر کیا ہے کہ:

> "قلیلی از مردم بہمان اعتقاد ماندند و امامت عبداللہ را اختیار کردند و ایشاں را فطحیہ گویند و ایں لقب از آن یافتند کہ بامامت عبداللہ قائل شدند چہ آنکہ عبداللہ افطح الرجل بود یعنی فیل پا و بعضی گفتہ اند کہ ایشاں را فطحیہ گفتند بسبب آن کہ داعی ایشان بر امامت عبداللہ مردی بود کہ او را عبداللہ بن فطیح میگفتند"۔ (منتہی الامال ص: ۱۸۱ ج: ۲)

روایت ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے جناب موسیٰ کاظمؑ سے فرمایا تھا کہ: "میرے بعد تمہارے مقابلہ میں عبداللہ دعویٰ امامت کرے گا لیکن تم درگزر کرنا اور معترض نہ ہونا کیونکہ وہ بہت جلد فوت ہو جائے گا"

[1] آب کوثر ص: ۲۹۳ [2] آب کوثر ص: ۲۹۵

چنانچہ ایسا ہی ہوا امام جعفر صادقؑ کے بعد وہ صرف ستر دن زندہ رہا۔ اکثر مورخین نے عبداللہ کے کوئی نرینہ اولاد نہیں لکھی جبکہ ظفریاب ترمذی صاحب نے ان کی نسل کا ہند میں وردو بتایا ہے۔

۳) موسیٰ کاظمؑ: آپکے تفصیلی حالات 'تاریخ بنی ہاشمؑ' کی جلد پنجم میں ملاحظہ کیجئے۔

۴) اسحاق موتمن: اسحاق بن جعفر کا لقب موتمن تھا۔ آپ نہایت متقی و پرہیزگار اور صاحب فضل و اجتہاد تھے۔ اپنے بھائی امام موسیٰ کاظمؑ کی امامت کے قائل اور ان کے اطاعت گزار تھے۔ شکل و شباہت میں جناب رسالتمآبؐ سے مشابہت رکھتے تھے۔ آپ کا نکاح نفیسہ بنت حسن بن زید بن حسن بن علی ابن ابیطالب سے ہوا جن کے بطن سے قاسم اور ام کلثوم پیدا ہوئے۔ نفیسہ کی بابت علامہ شبلنجی نے نور الابصار میں تحریر کیا ہے کہ نفیسہ کی ولادت ۱۴۵ھ میں ہوئی۔ یہ محترمہ عابدہ و زاہدہ تھیں دن کو روزے رکھتیں اور رات عبادت میں گزارتیں تھیں۔ تیس حج کئے جن میں سے بیشتر پیادہ پا تھے۔ اکثر خوف الٰہی سے گریہ و زاری کرتی رہتی تھیں۔ علامہ شبلنجی اور عباس قمی وغیرہ نے ان معظمہ کی بہت سی کرامات تحریر کی ہیں۔[1] ان معظمہ نے ۲۰۸ھ میں مصر میں وفات پائی۔ مصریوں کا عقیدہ ہے کہ ان کی قبر پر دعا مستجاب ہوتی ہے۔[2]

شیخ عباس قمی نے قاسم کے علاوہ اسحاق کے ایک بیٹے حسین کی اولاد کا تفصیل سے ذکر کیا ہے ان کے بیان کے مطابق حسین جن کا لقب امیر الموقر تھا کے بیٹے امیر شمس الدین محمد مدنی جنکے بیٹے احمد مدنی تھے جنہوں نے حران میں قیام کیا ان کے بیٹے ابی سالم محمد مرتضٰی مدنی تھے۔ جو مدینہ سے حلب منتقل ہوئے ان کے ایک بیٹے محمد نقیب حلب تھے ان کے بیٹے ابی المواہب علی نقیب حلب ان کے بیٹے زہرہ حلبی تھے جو بنی زہرہ کے جدِ اعلیٰ تھے۔ قبیلہ بنی زہرہ حلب کا جلیل القدر خانوادہ تھا۔ زہرہ حلبی کے بیٹے علی تھے ان کے دو بیٹے ابوالمکارم حمزہ جو عالم

[1] نور الابصار ص: ۱۷۰ [2] منتہی الامال ص: ۱۸۳ ج: ۲

وفاضل جلیل اور صاحب تصنیفات کثیر تھے۔ دوسرے عبداللہ جن کے بیٹے محمد جو اکابر فقہائے امامیہ میں سے تھے۔[1]

۵) محمد دعباج: محمد بن جعفر صادقؑ ظاہری و باطنی حسن جو جمال سے آراستہ تھے اپنے کمال حسن کی وجہ سے دیباج مشہور تھے۔[2] یہ قوی القلب، عابد وسخی تھے۔ ان کی زوجہ خدیجہ بنت عبداللہ بن حسن مثنیٰ تھیں محمد کی خیرات ومہمان نوازی کی بابت بیان کرتی ہیں کہ جب بھی نیا کپڑا پہن کر باہر جاتے تو اسے خیرات کر دیتے تھے اور ہر روز ایک بکرا ذبح کر کے مہمانوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔ حضرت زید شہیدؒ کی طرح انہوں نے بھی تنگ آمد بہ جنگ کے اصول کے تحت مامون عباسی دور حکومت میں مدینہ سے ۱۹۹ھ میں خروج کیا۔ جس کا سبب یہ تھا کہ ابوالسرایا کے قتل کے بعد مامون کے عمال مکہ ومدینہ اس حکم کے ساتھ بھیجے گئے کہ بنی ہاشم و دیگر اہل مکہ جمع ہو کر آپ کے پاس آئے اور حکومتی کارندوں کے مظالم بیان کر کے آپ کی مدافعت پر آمادہ کیا لوگوں نے آپ کی بیعت کی اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ بہرحال فریقین میں جنگ ہوئی۔ جس میں محمد دیباج کو شکست ہوئی۔ عیسیٰ بن یزید جلودی آپ کو عراق لے گیا وہاں حسن بن سہیل کے حوالے کر دیا جس نے آپ کو مامون کے پاس مرو بھیج دیا۔ تاریخ قم میں منقول ہے کہ محمد دیباج نے ۲۰۳ھ میں جرجان میں وفات پائی۔ آپ کی نماز جنازہ میں مامون عباسی نے شرکت کی جس کیلئے عبیدہ بن حسن بن عبداللہ بن عباس بن علی ابن ابیطالب و دیگر بنی ہاشم مامون کے شکرگزار ہوئے۔ ۳۷۴ھ میں صاحب الجلیل کافی الکفاۃ ابوالقاسم اسمعیل بن عباد نے آپ کی تربت پر عمارت تعمیر کرائی۔[3] محمد دیباج کے ایک بیٹے علی تھے ان کے بیٹے حسین ان کے دو بیٹے عبداللہ اور علی تھے۔ علی کے بیٹے محمد الاطروش تھے۔ جن کے بیٹے حسین ان کے بیٹے عزیز ان کے بیٹے محمد ان

[1] منتہی الامال ص: ۱۸۲ ج: ۲، [2] تذکرہ الخواص ص: ۳۱۱، [3] منتہی الامال ص: ۱۸۵ ج: ۲

کے بیٹے احمد تھے جو مرو سے قم منتقل ہو گئے۔ ظفریاب ترمذی صاحب نے ایک اور بیٹے حسن سے محمد دیباج کی نسل چلائی ہے جو بعد میں ہندوستان آ کر آباد ہوئی۔[1]

۶) علی عریضی: علی بن جعفر صادقؑ کی کنیت ابوالحسن اور لقب عریضی تھا۔ یہ نہایت دیندار متقی وپرہیزگار تھے۔ اپنے بھائی امام موسیٰ کاظمؑ کے مطیع وفرمانبردار تھے۔ انہوں نے امام موسیٰ کاظمؑ ہی سے علوم اخذ کئے۔ ان کے بعد امام علی رضاؑ اور پھر امام محمد تقیؑ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ آپ امام وقت کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ امام محمد تقیؑ جو رشتہ میں آپ کے پوتے ہوتے تھے۔ ان کی ایسی تعظیم وتکریم کرتے تھے کہ لوگ دیکھ کر حیران ہو جاتے تھے۔ علمائے شیعہ نے بہت سے اخبار واحادیث ان سے نقل کی ہیں۔ ان کی زوجہ فاطمہ کبریٰ بنت محمد بن عبداللہ الباحر بن امام زین العابدینؑ تھیں۔

علی عریضی کے چار فرزندان محمد، احمد شعرانی، حسن اور جعفر اصغر تھے۔ محمد بن علی عریضی کے تین بیٹے عیسیٰ، جمال الدین اور علی تھے۔ عیسیٰ بن محمد کے بیٹے محمد ان کے بیٹے عیسیٰ تھے جن سے نسل بڑھی۔ جمال الدین بن محمد کے بیٹے شمش الدین عیسیٰ تھے ان کا لقب رومی تھا ان کے بیٹے نظام الدین احمد ان کے بیٹے ابوالحسن علی زین العابدین تھے۔ جن سے نسل جاری رہی۔ علی بن محمد کے بیٹے محمد ان کے دو بیٹے عباس اور محمد رودباری تھے جن سے نسل چلی۔ علی عریضی کے دوسرے بیٹے احمد شعرانی تھے۔ ظفریاب ترمذی نے ان احمد کا لقب خلیل لکھا ہے۔ احمد شعرانی کے تین بیٹے قاسم، حمزہ الداعی اور حسین تھے۔ قاسم بن احمد شعرانی جو شرافت وجلالت میں مشہور تھے جلیل القدر اور عظیم الشان سید تھے شدید الورع، عالم کبیر، راوی حدیث اور کثیر الفضل تھے ان کے ایک بیٹے احمد مدفون در قم اور ایک بیٹی فاطمہ تھیں۔ جناب ظفریاب ترمذی کا بیان ہے کہ احمد معروف خلیل

[1] تاریخ انوار السادات ص: ۵۶۸

کے پسر حسین تھے اور ان کے پسر خضر تھے جن کی نسل میں سید مخدوم شاہ وسید اکرام شاہ پسران سید فتح پہلے کابل (افغانستان) گئے پھر ضلع سہارنپور (ہند) میں آ کر آباد ہوئے جہاں ان کی نسل جعفری سبزواری کہلاتی ہے۔[1] علی عریضی کے تیسرے بیٹے حسن تھے جن کے بیٹے عبداللہ (ان کی نسل عرب وعراق میں پھیلی)، احمد، حمزہ اور اسحاق تھے۔ علی عریضی کے چوتھے بیٹے جعفر تھے جن کے تین بیٹے ابوالقاسم، عبدالمجید اور علی تھے۔ ابوالقاسم کی اولاد کا علم نہیں۔ عبدالمجید کے دو بیٹے یوسف اور میمون قدح تھے میمون کی نسل عرب، عراق اور یمن میں پھیلی اور علی بن جعفر قم میں آباد ہوئے ان کی نسل قم میں پھیلی۔

[1] تاریخ انوار السادات ص: ۵۶۶

نگرانئ اِمام میں ہو گا یہ نیک کام
اچّھا ہے وقت خواب کی تعبیر کے لئے
محشر میں فاطمہؑ تجھے کر دیں گی سرخرو
اٹھ جنّت البقیع کی تعمیر کے لئے
آصف لکھنوی

Nigrani-e-Imam main hoga yeh nek kaam,
Achchha hai waqt khwab ki tabeer ke liye,
Mahshar main Fatema (s.a) tujhe kardengi surkhroo,
Uth Jannatul Baqi ki tameer ke liye.
Late: - Asif Lucknowi